خصوصی اشاعت : **احیائے فکر اقبالؒ نمبر**

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ (القرآن)

اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے، سمجھے!

جلد 10	شمارہ 11	صفر 1438ھ	نومبر 2016ء

ISSN 2305-6231

مدیر مسئول : انجینئر مختار فاروقی

مشاورت

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی

حافظ مختار احمد گوندل

پروفیسر خلیل الرحمٰن

محمد فیاض عادل فاروقی

مدیر معاون ونگران طباعت: مفتی عطاء الرحمٰن

تزئین وگرافکس: جواد عمر

قانونی مشاورت:

محمد سلیم بٹ ایڈووکیٹ، چودھری خالد اشیر ایڈووکیٹ

ترسیل زر بنام: انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

اہل ثروت حضرات کے لیے تاحیات زرِتعاون سترہ ہزار روپے یکمشت

سالانہ زرتعاون: اندورنِ ملک 400 روپے، قیمت فی شمارہ 40 روپے

قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر پاکستان پوسٹ کوڈ 35200

047-7630861-7630863

ای میل: hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ: www.hikmatbaalgha.com

www.hamditabligh.net

پبلشر: انجینئر مختار فاروقی طابع: محمد فیاض مطبع: سلطان باہو پریس، فوارہ چوک، جھنگ صدر

اَلْکَلِمَۃُ الْحِکْمَۃُ ضَآلَّۃُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ وَجَدَھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا (ترمذی)

حکمت کی بات بندۂ مومن کی گم شدہ متاع ہے جہاں کہیں بھی وہ اس کو پائے وہی اس کا زیادہ حق دار ہے

مشمولات

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات		3
2	حرفِ آرزو	انجینئر مختار فاروقی	9
3	باب1		19
4	باب2		33
5	باب3		43
6	باب4		121
7	باب5		145
8	باب6		153
9	باب7		167
10	باب8		175
11	باب9		183
12	باب10		191
13	ضمیمہ جات		201

یہ رسالہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ نہ ملنے کی صورت میں 6 تاریخ تک دفتر رابطہ فرمائیں (ادارہ)

قرآن مجید

کے ساتھ

چند لمحات

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یُرِیْدُوْنَ

(یہود و نصاریٰ اور مشرکین)

یہ چاہتے ہیں کہ

اَنْ یُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاھِھِمْ

اللہ کے نور کو اپنے منہ سے (پھونک مار کر) بجھا دیں

وَ یَاْبَی اللّٰہُ اِلَّآ اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَہٗ

اور اللہ اپنے نور کو پورا کیے بغیر رہنے کا نہیں

وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ O

اگرچہ کافروں کو بُرا ہی لگے

(سورۃ التوبۃ 32:09)

هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ

وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو بھیجا

بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ

ہدایت اور دین حق دے کر

لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ

تا کہ اسے اور سب دینوں پر غالب کرے

وَلَوۡ کَرِهَ الۡمُشۡرِکُوۡنَ ○

خواہ مشرکوں کو برا ہی لگے

(سورۃ الصف :09 و سورۃ التوبۃ 33:09)

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ

وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر (ﷺ) کو بھیجا

بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ

ہدایت

(کی کتاب) اور دین حق دے کر

لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ

تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے

وَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا O

اور حق ظاہر کرنے کے لیے اللہ ہی کافی ہے

(سورۃ الفتح 28:48)

(سورۃ القصص 28:6-4)

اِنَّ فِرۡعَوۡنَ عَلَا فِی الۡاَرۡضِ

فرعون نے ملک میں سر اٹھار کھا تھا

وَجَعَلَ اَهۡلَهَا شِيَعًا يَّسۡتَضۡعِفُ طَآئِفَةً مِّنۡهُمۡ

اور وہاں کے باشندوں کو گروہ گروہ بنا رکھا تھا ان میں سے ایک گروہ کو

(یہاں تک) کمزور کر دیا تھا

يُذَبِّحُ اَبۡنَآءَ هُمۡ وَيَسۡتَحۡىٖ نِسَآءَ هُمۡ ؕ

کہ ان کے بیٹوں کو ذبح کر ڈالتا اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا،

اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الۡمُفۡسِدِيۡنَ O

بے شک وہ مفسدوں میں سے تھا۔

وَنُرِيۡدُ اَنۡ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيۡنَ اسۡتُضۡعِفُوۡا فِى الۡاَرۡضِ

اور ہم چاہتے تھے کہ جو لوگ ملک میں کمزور کر دیے گئے ہیں اُن پر احسان کریں

وَنَجۡعَلَهُمۡ اَئِمَّةً وَّنَجۡعَلَهُمُ الۡوٰرِثِيۡنَ O

اور ان کو پیشوا بنائیں اور انہیں (ملک کا) وارث کریں

وَنُمَكِّنَ لَهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ

اور ملک میں ان کو قدرت دیں

وَنُرِىَ فِرۡعَوۡنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوۡدَهُمَا مِنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَحۡذَرُوۡنَ O

اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر کو وہ چیز دکھا دیں جس سے وہ ڈرتے تھے

جس سے وہ ڈرتے تھے

صَدَقَ اللّٰهُ الۡعَظِيۡم

———————————

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ
کا ایک قول مبارک

عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ، كَانَ يَقُولُ:
لَيْسَ تَقْوَى اللّٰهِ بِصِيَامِ النَّهَارِ، وَلَا بِقِيَامِ اللَّيْلِ، وَ التَّخْلِيْطِ فِيمَا بَيْنَ ذَالِكَ، وَلٰكِنَّ تَقْوَى اللّٰهِ تَرْكُ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ، وَأَدَاءُ مَا افْتَرَضَ اللّٰهُ، فَمَنْ رُزِقَ بَعْدَ ذَالِكَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ اِلٰى خَيْرٍ

(البيهقی ، فی الزهد الكبير)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

''تقویٰ یہ نہیں ہے کہ انسان دن میں روزے سے رہے یا رات بھر تہجد پڑھے یا دونوں کام کرے، بلکہ اصل تقویٰ تو یہ ہے کہ حرام کو چھوڑ دے اور فرض کو ادا کرے اور فرض کی ادائیگی اور حرام سے اجتناب کے بعد اگر کسی کو مزید نیکی کی توفیق ملے تو وہ نورٌ علیٰ نور ہے۔''

''حق وہاں ہے جہاں
دشمن کے تیروں کی
بوچھاڑ ہے''

قولِ مبارک
حضرت علی رضی اللہ عنہ
خلیفہ راشد

حرفِ آرزو

فکرِ اقبال کو

زندہ کرنا ____

فوری کرنے کا کام ہے

1

علامہ اقبال رحمہ اللہ کی شخصیت اور ان کے فکر کا تذکرہ ایک کثیر الجہت اور کثیر الاطراف موضوع ہے۔ قیامِ پاکستان (1947ء) کے بعد جیسے جیسے وقت گزرا ہے علامہ اقبال کے فکر پر قلم اُٹھانے والوں نے اکثر اپنے مزاج اور ذوق کے مطابق کسی ایک پہلو کا ہی ذکر کیا ہے۔ مزید براں 1960ء کے عشرے میں سیاسی حالات کچھ اس رُخ پر آگے بڑھے کہ 1971ء میں سقوطِ ڈھاکہ کا سانحہ پیش آ گیا۔ اس کے بعد بھی اگرچہ یومِ اقبال کی تقریبات (ان کی پیدائش اور وفات کے دن کے حوالے سے) ملک بھر میں اور بیرونِ ملک منعقد ہوتی رہیں مگر پاکستان کے قیام کا مقصد، دوقومی نظریہ اور فکرِ اقبال کے ملّی اور دینی گوشے نگاہوں سے اوجھل ہوتے چلے گئے اور علامہ اقبال ہمارے صرف قومی شاعر کی حیثیّت سے ایک 'نمائشی' شخصیّت کے طور پر ذہنوں میں رہ گئے اگرچہ 'ایوانِ اقبال' کی تعمیر کا مرحلہ بھی صدر ضیاء الحق کے دور میں سَر ہو گیا مگر اس ادارے (اور علامہ اقبال کے نام سے منسوب دوسرے تمام اداروں) کا جو حال پچھلے تین عشروں میں ہمارے ہاں ہوا ہے وہ ملت اسلامیہ پاکستان کے دینی اور ملّی جذبات کا اندازہ لگانے کے لیے کافی ہے۔ پاکستان کی خالق جماعت 'مسلم لیگ' جسے علامہ اقبال اور قائداعظم کے افکار کا چلتا پھرتا نمونہ ہونا چاہئے تھا وہ جماعت اب اپنے ماضی کو بھول کر بقول وزیراعظم 'لبرل پاکستان' کا نعرہ لگا رہی ہے اور 2015ء سے یومِ اقبال کی چھٹی بھی منسوخ کر دی گئی ہے۔

پاکستان میں سرکاری سطح پر سیاسی، علمی اور تعلیمی میدان میں جس طرح علامہ اقبال کو 'دیس نکالا' دیا گیا ہے وہ مغربی تہذیب کی عالمگیریّت کے ماحول میں پاکستان اور اس کے حکمرانوں کی مغرب کی ذہنی، فکری، معاشی، تہذیبی اور نظریاتی غلامی کا پتہ بھی دیتی ہے اور حکمرانوں کی مجبوریوں کی 'بے زبانی' کی زبان میں سب کچھ بیان کر رہی ہے۔ مگر ـــــ یہ سارا

منظر نامہ ملک خداداد پاکستان کی نظریاتی اساس اور علامہ اقبال کی فکر کے مطابق پاکستان کی تعمیر کر کے اس کو 'میرے درویش خلافت ہے جہاں گیر تری' کا مصداق بنا دینے کے اعتبار سے حوصلہ شکن ہی نہیں مایوس کُن ہے۔

اس ماحول میں ملک کے اہل قلم اور اہل علم حضرات بھی علامہ اقبال کو ایک آفاقی شاعر اور ملتِ اسلامیہ کی نشأۃ ثانیہ کے نقیب کی حیثیت سے اُجاگر کرنے کی بجائے ان کے کلام کے فنّی اور زبان دانی کے پہلوؤں پر خامہ فرسائی کرنے پر اکتفا کر رہے ہیں۔ درآں حالیکہ کلامِ اقبال جس نے بھی پڑھا ہے اُسے معلوم ہے کہ علامہ اقبال شکوہ کناں ہیں کہ

ع مرا یاراں غزل خوانے شمردند

ترجمہ: میرے دوستوں نے مجھے غزلیں پڑھنے اور گانے والا سمجھا ہے۔

انھوں نے اپنا کام اُمت مسلمہ کو غلامی سے نجات دلا کر دورِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق تربیت دینا بتایا ہے۔ انھوں نے فرمایا ہے:

؎ نغمہ کُجا و من کُجا ، ساز سخن بہانہ ایست
سوئے قطار می کشم ناقۂ بے زمام را

ترجمہ: شاعری (روایتی شاعروں کی شاعری) کہاں؟ اور میں کہاں؟ شعر گوئی تو ایک بہانہ اور بات کہنے کا دل پذیر انداز ہے۔ دراصل میں دو صدیوں کی غلامی کی وجہ سے منتشر مسلمان اُمت کو ایک قطار میں لا کر منظّم کر رہا ہوں یعنی جماعت اور حزبُ اللہ تشکیل دینا چاہتا ہوں۔

ہماری درسگاہوں میں مغربی جامعات کے فارغ التحصیل ڈاکٹرز اور پی ایچ ڈی پروفیسرز حضرات بھی کیا کریں، انھیں مغرب میں پڑھایا ہی یہی کچھ جاتا ہے برتن میں جو کچھ ہوتا ہے وہی چھلکتا ہے۔ آزادروی، لبرل ازم، سیکولر خیالات، بے حیائی اور حیوانیت ہی مغربی تہذیب اور فکر کے نمونے ہیں۔ ملت اسلامیہ کا درد اور اسلام کا مستقبل یا انسانیّت کی فلاحِ دارین کے عنوانات کہاں سے ذہن میں آئیں۔ جہاں ڈارون، فرائڈ، ژاں پال سارتر اور دیگر جدید سیکولر فلسفی، فلمی ستارے اور پاپ سنگرز کے مروّجہ خیالات پاؤں کی زنجیر بن چکے ہوں۔

بقول علامہ اقبال

؎ گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے تیرا
کہاں سے آئے صدا لا اِلٰہ اِلا اللہ

جس مغربی علمی ماحول میں 'ملالہ' جیسی کم عمر لڑکی کے نام سے کسی کرائے کے اہل قلم سے "I AM MALALA" لکھوا کر عالمی علمی ایوارڈ دلوائے جا رہے ہوں اس علمی دنیا سے ڈاکٹریٹ کی علمی ڈگریاں 'ملالہ' کے پس منظر میں اپنی ساری افادیّت اور علمیّت کا بھانڈا پھوڑ رہی ہیں۔ مغربی فکر اور کلچر کے گن گاؤ وہ کسی دوسرے سے بھی کتاب لکھوا کر تمہارے نام سے تمہیں ڈگری دلا دیں گے اور اپنے ملک میں واپس بھیج کر کسی یونیورسٹی میں اہم عہدے پر APPOINT بھی کرا دیں گے (ایسا کرا دینا امریکی یا یورپی سفارت خانے کے عام اہلکار کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے)۔

بیسویں صدی کے آغاز میں مسلمانوں کا علمی معیار، اُردو، فارسی اور عربی میں بہت اعلیٰ تھا اسی لیے کلامِ اقبال کا فہم بھی عام تھا اور فکر کو بھی لوگ سمجھتے تھے۔ آج ایک صدی بعد انگریزی تو پرائمری لیول سے نصاب کا حصّہ ہے جبکہ ہمارے نوجوانوں کی اُردو فہمی نہ ہونے کے برابر ہے جبکہ فارسی اور عربی تو بالکل مفقود ہے۔ پھر ایک صدی قبل میڈیا (الیکٹرانک اور پرنٹ) آج کی طرح نہیں تھا لہٰذا عام مسلمان بھی خاندانی روایت اور اسلامی روایات کا زیادہ جاننے والا تھا۔ چاہے دیہاتوں میں لوگ سیف الملوک، قصہ یوسفؑ و زلیخا اور داستانِ امیر حمزہؓ سنتے تھے مگر اس میں عوام کے علم میں اضافے کے ساتھ اخلاقی تربیت اور ذہن سازی کا پہلو بھی اہم تھا۔ آج میڈیا نے ان روایتی تعلیمی روایات کی جگہ لے کر اس پہلو کو غارت کر دیا ہے۔

لہٰذا ـــــ ہمارے نزدیک حکمت بالغہ کے اس خصوصی شمارے کو قابل فہم بنانے کے لیے چند ناگزیر اضافی تفصیلات ضروری ہیں تاکہ قارئین کرام آج سے ایک صدی قبل کے جنوبی ایشیا میں مسلم اُمت کے ماحول میں اپنے آپ کو محسوس کر کے اس وقت کے عوامی جذبات اور علامہ اقبال کی شاعری کی حقیقی قدر و قیمت کا اندازہ لگا سکیں۔

آج سے ایک صدی قبل کلامِ اقبال سے جذبہ پا کر علی گڑھ کے نوجوانوں نے اسلام کا جھنڈا اُٹھایا اور پاکستان حاصل کر لیا۔ کیا عجب کہ اس خصوصی اشاعت سے جذبہ پا کر ہم 'فکرِ اقبال'

کو پھر ایک زندہ حقیقت بنا دیں ـــــ اور یہ مسلمان بیدار ہو جائیں۔ نتیجہ آج کا نوجوان اسلام کا جھنڈا اُٹھا کر اسلام کی برکات کو روئے ارضی کے کناروں تک پہنچا دے۔

جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے ہاتھوں عالمگیر درویش خلافت کا قیام ایک شُدنی امر ہے اور یقیناً ایسا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ ہمیں اس 'نیکی کے کام' میں اپنا بھرپور حصہ ڈالنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

2

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا فکر اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا نقیب ہے اور مکمل فکر ہے۔ علامہ اقبال عصر حاضر میں جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کو اسلام سے روشناس کرانے اور اسلام کی تعلیمات کو بلاکم و کاست پیش کرنے والے واحد (UNIQUE) مُصلح اور مجدّد ہیں۔ انھوں نے جدید تعلیم یافتہ حضرات کے قلب و دماغ پر اسلام سے بے رُخی، مغربی افکار کی بالادستی، اَسلاف سے بیزاری اور بے راہ روی و دین فراموشی کے اثرات کو یکسر ختم کر دیا۔ سرسیّد احمد خان کے افکار سے علی گڑھ کے دبستان کے فیض یافتہ حضرات ابتداء میں سرسیّد ہی کے فکر کے خول میں بند اور اسی کے مدّاح بن گئے تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص احسان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنوبی ایشیا، بلکہ وسطی ایشیا ـــــ ایران، افغانستان اور بعض روسی ریاستیں جہاں فارسی بولی اور سمجھی جاتی ہے، کے مسلمانوں میں عصر حاضر کے تقاضوں اور رُوح عصر کو اپنے اندر اُتارنے کے تقاضوں کے ساتھ اسلام کی حقیقی، عالمی اور انقلابی تعلیمات کو دل و نگاہ سے قبول کر کے آگے بڑھنے کے لیے علامہ اقبال جیسا 'مجدد' پیدا کر دیا اور انھوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے کام لے کر قرآن مجید (اور احادیث) کی تعلیمات کو عشق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے کشتہ بنا کر علی گڑھ کے نوجوانوں کو ایسا مسحور کر دیا کہ ان کے لیے اس سے پہلوتہی کا کوئی راستہ نہ تھا۔ علامہ اقبال کے کلام نے جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کے دلوں کے تاروں کو قرآن مجید کے مضراب سے ایسا چھیڑا کہ وہ بے خود ہو گئے اور پوری مسلمان قوم پر وجد اور حال طاری ہو گیا۔ سب کی زبان پر 1940ء کی دہائی میں 'پاکستان کا مطلب کیا؟ لا اِلٰہ اِلا اللہ' کا نعرۂ مستانہ بلند ہو گیا۔

افسوس کہ قوم اس 'حال' سے جب سنبھلی تو قائداعظم محمد علی جناح اور خان لیاقت علی اور

مولانا شبیر احمد عثمانی وغیرہم کی رحلت کے بعد ملک امریکی جال میں پھنس کر عالمی صہیونی طاقتوں کے پاس گروی رکھا جا چکا تھا۔ اس کینسر کی علامات یہ تھیں کہ بظاہر ترقی ہو رہی تھی، سڑکیں اور ڈیم بن رہے تھے ایوب خان کا مارشل لاء تھا مگر درحقیقت قوم اپنے مقصدِ حیات سے دور ہو رہی تھی۔ ٹی وی آ گیا، مغربی افکار، مغربی اِمداد، انٹرکانٹی نینٹل ہوٹلوں کی چین، ملٹی نیشنل کی مصنوعات، (7up وغیرہ) پھر مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن گیا وہ دن اور آج کا دن اسلام دشمن عالمی طاقتوں کی گرفت مضبوط ہوتی گئی، اسلام اور فکرِ اقبال کے اثرات تحلیل ہوتے گئے حتیٰ کہ بظاہر بعض بناوٹی اقدامات کے علی الرغم حکومتی اور ملکی سطح پر اب حکمران برملا پاکستان کو ایک لبرل ملک اور سیکولر ملک بنانے کے عزم کا اظہار کر رہے ہیں۔ علامہ اقبال جیسے محسن سے ایسی دشمنی کہ ان کے افکار کو تعلیمی میدان وار ثقافتی میدان سے یکسر کھرچ کر ختم کر دیا گیا ہے اور گزشتہ سال سے یومِ اقبال (9 نومبر) کی تعطیل کی علامتی یادگار بھی ختم کر دی گئی ہے۔ نامعلوم کون سے نادیدہ ہاتھ ہیں اور غیر مرئی قوتیں ہیں جو یہ سب کچھ کرا رہی ہیں۔ یہ ایک راز شاید کبھی سامنے آ ہی جائے مگر قوم لبرل ازم کی دلدل میں گر کر مر چکی ہوگی تب یہ راز کھلا اور اس کا مداوا ہوا تو کس کام کا۔

مسلم لیگ کا دورِ حکومت ہو اور لبرل پاکستان کا نعرہ ہو، مسلم لیگ حکمران ہو اور 9 نومبر کی تعطیل ختم کر دی جائے۔ مسلم لیگ کے دورِ حکومت میں تعلیم سے فکرِ اقبال نکال دیا جائے اور نہ صرف یہ بلکہ علامہ اقبال کے نام پر جتنے ادارے ہیں ان کا حال اتنا ناگفتہ بہ ہے کہ بیان نہ کیا جا سکے۔ افسوس کہ حکمران مغرب کے مشوروں پر لاکھوں لیپ ٹاپ (LAPTOP) کمپیوٹر تو طلباء کو مفت تقسیم کر دیں مگر اپنی نوجوان نسل اور اس کے اساتذہ کے لئے کلامِ اقبال کے سیٹ (اردو کلیات اور فارسی کلیات، جو لیپ ٹاپ سے کہیں سستے ہوں گے) تقسیم نہ کر سکیں۔ شاید اس لئے کہ اگر یہ کام کر دیا تو عوام و خواص اور بالخصوص نوجوانوں میں فکرِ اقبال جڑ پکڑ جائے گی اور وہ حکمرانوں سے جواب طلبی نہ کر لیں یا کہیں در پردہ مغربی سرپرست ناراض نہ ہو جائیں۔

ہمارے نزدیک پاکستان میں دو قومی نظریہ جو نظریۂ پاکستان ہے، کی کیفیت اور قوم کے اندر اس کے اثرات کی کیفیت ڈوبتی نبض کی طرح ہے اور اگر اب بھی فکرِ اقبال کے احیاء کی سنجیدہ کوششیں نہ ہوئیں اور تیز رفتاری سے نہ ہوئیں تو شاید چند سالوں بعد ـــــ فکرِ اقبال کا نام لینے

والا بھی کوئی شخص ڈھونڈے نہ مل پائے گا۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْ ذَالِکَ

ہمیں یقین کامل ہے کہ فکرِ اقبال کبھی مرے گا نہیں اس لئے کہ فکرِ اقبال کی جو اساسات ہیں اس کی ڈوریں وحی آسمانی، قرآن مجید اور اُمتِ مسلمہ کے مستقبل سے جڑی ہوئی ہیں۔ تاہم ـــــ بظاہر احوال عالم اسباب میں مایوسی کا عالم ہے۔ کاش اس ملک کے بہی خواہ اور خیر خواہ اُٹھیں اور فکر اقبال کی تجدید کا کام کریں۔

ہمارے نزدیک ملک پاکستان کا جواز دوقومی نظریہ اسلام اور ہندوازم یا اسلام اور کفر کے نظریہ پر تھا اور اگر یہ نظریہ تحلیل ہو گیا تو ملک کی بقا خطرے میں پڑ جائے گی۔

آیئے ـــــ فکرِ اقبال کی تجدید کا کام کرتے ہیں۔ ہماری گفتگو سے مراد دوسرے اکابرین کی کاوشوں اور مساعی کی نفی نہیں ہے اور نہ ہماری یہ سوچ ہے۔ مدّ عا صرف یہ ہے کہ اس ملک میں اگر اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا کام کرنا ہے تو جن بنیادوں پر یہ ملک بنا تھا ـــــ اور حالات نے ان بنیادوں کو مشکوک بنا دیا ہے تو اصل کام یہی ہے کہ تعمیر نو کے لیے ڈھونڈھ کر وہی بنیادیں تلاش کی جائیں وہ بنیادیں فکر اقبال ہے۔ ان بنیادوں پر آج ہمیں تعمیر نو کا کام کرنا ہوگا۔ ایک دفعہ فکرِ اقبال کی بنیاد پر اس ملک میں ہر سطح پر ذہن سازی ہو، تعلیم کے میدان میں نظریاتی تعلیم ہو تو ہماری آئندہ نسلیں ـــــ فکرِ اقبال سے روشناس ہو جائیں گی۔ ہمارا میڈیا صحیح ہو جائے۔ موجودہ نسل اور کار پردازانِ ملک و ملت کے قلب و دماغ میں فکر اقبال راسخ ہو جائے گی اگر ہمارے ملک کی انتظامیہ نظریاتی ہو جائے تو وہ وقت دور نہیں جب ہماری پارلیمنٹ بھی نظریاتی ہو گی جہاں قانون سازی بھی نظریاتی ہو گی جہاں فکر اقبال کے مطابق قرآن وسنت کی ہر سطح پر بالادستی ہو گی ہماری فوج جو ملک کا اہم ستون ہے وہ نظریاتی ہو گی۔ نظریاتی سطح پر تجدید کا یہ کام دراصل فکر اقبال کی تجدید ہی کا کام ہے اور پاکستان کے استحکام کا کام ہے۔ اگر ہم یہ کام عزم مصمّم، حوصلے اور جذبے سے کر سکیں تو کوئی وجہ نہیں کہ دنیا میں پاکستان اپنا حقیقی مقام حاصل نہ کر سکے جو اس کا مقدّر رہے۔

نوشتۂ دیوار یہی ہے کہ مغل اعظم اکبر نے مسلمانوں میں لبرل ازم کا نعرہ لگایا تو عبرت کا نشان بن گیا۔ سرسیّد نے حالات کے جبر کے تحت یہ کام کرنے کی شعوری یا غیر شعوری کوشش کی تو اللہ تعالیٰ نے علامہ اقبال جیسا انسان پیدا کر دیا اب بھی جو کوئی پاکستان کی نظریاتی اساس

دوقومی نظریہ کو چھیڑے گا وہ عبرت کا نشان بنے گا۔ جو اس نظریے کو مضبوط کرے گا (اور نظریۂ پاکستان کی مضبوطی دراصل فکر اقبال کے احیاء پر ہی موقوف ہے) وہ باقی رہے گا اور امر ہو جائے۔ علامہ اقبال نے ہی کہا تھا:

ہم مشرق کے مسکینوں کا دل مغرب میں جا اٹکا ہے
واں کنڑ سب بلوری ہیں یاں ایک پرانا مٹکا ہے
اس دور میں سب مٹ جائیں گے ہاں! باقی وہ رہ جائے گا
جو قائم اپنی راہ پہ ہے اور پکا اپنی ہٹ کا ہے

اللہ تعالیٰ ملک خداداد پاکستان کی بنیاد 'دوقومی نظریہ' کے احیاء کے لئے فکر اقبال کو اجاگر کرنے اور اس کو پوری قوم میں ہر سطح پر بالخصوص تعلیمی اور پارلیمنٹ کی سطح پر اجاگر کرنے کی ہمت اور توفیق ارزاں فرمادیا۔ آمین

3

اس شمارے میں فکر اقبال پر گفتگو کرتے ہوئے چونکہ انسانی فطری رجحانات، تاریخی عوامل، ابلیسی ہتھکنڈوں، جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے مختلف طبقات اور جغرافیائی ہمسایوں کا تذکرہ ہوا ہے اور فکرِ اقبال کا تذکرہ ایک سے زیادہ جہتوں تاریخی، مذہبی، جغرافیائی، سیاسی، عسکری اور عالمی اسلامی اور اسلام مخالف عناصر کے حوالے سے ہوا ہے تو تجزیوں میں کئی امور کا تکرار سامنے آیا ہے۔ اس تکرار پر ہم قارئین سے پیشگی معذرت خواہ ہیں۔ اس اعتذار کو شرفِ قبول بخشیں اور مضامین کے تکرار کو 'تصریف' سمجھیں یا کسی بات کو بار بار دہرانا کہ یاد ہو جائے، کی طرح کی انسانی کمزوری خیال فرمائیں۔ ہمارے علم میں ہے کہ اہل علم کے لیے مضمون کا تکرار طبیعت پر بڑا گراں گزرتا ہے مگر وہ اہل علم کو جو علامہ اقبال کی نسبت سے اس کوفت سے دوچار ہوں ان کو دل بہت بڑا کرنا چاہیے تاکہ ہم جیسے نالائق لکھاریوں کی کوتاہیاں اس سمندر میں قطرہ کے درجے کی طرح معمولی سمجھی جاسکیں۔

ماہنامہ 'حکمت بالغہ' نے وطن عزیز ملک پاکستان سے مصوّر و مفکّر پاکستان کے فکر کے مٹتے نقوش کو دوبارہ تازہ کرنے اور اُبھارنے کے لیے اس خصوصی اشاعت کا اہتمام کیا ہے۔

ہمیں اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ وہ ہماری اس کاوش کو کامیابی سے ہمکنار فرمائے گا تا کہ مسلمانانِ پاکستان اپنے مقصدِ وجود کی معرفت حاصل کریں اور فکرِ اقبال کی روشنی میں اپنی منزل کی طرف پیش قدمی کرسکیں (جو آسمانوں پر ان کا مقدّر ہو چکی ہے) کہ پاکستان میں خلافت کا نظام قائم ہو جو اپنی برکات کی وجہ سے قبولِ عام حاصل کرلے کہ دنیا "یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا" کے مصداق اسلام میں داخل ہو جائے اور یہ نظامِ خلافت پورے کُرّۂ ارضی پر محیط ہو جائے۔

علامہ اقبال نے یہ بات 1929ء میں سفر علی گڑھ کے دوران طلباء سے فرمائی تھی

ع من بسیمائے غلاماں سرِّ سلطان دیدہ ام

ترجمہ: میں اس غلام مسلمان قوم کے نوجوانوں کی پیشانیوں پر مستقبل کے اسلامی حکمرانوں کے نشانات دیکھ رہا ہوں۔

وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیۡزٍ

باب 1

مبادیاتِ فکرِ اقبال

☆ مبادیاتِ فکرِ اقبال I

☆ مبادیاتِ فکرِ اقبال II

☆ مبادیاتِ فکرِ اقبال III

☆ مبادیاتِ فکرِ اقبال IV

☆ مبادیاتِ فکرِ اقبال V

(I)

1 فطرتِ انسانی میں خالقِ کائنات نے ممکنات کی تشکیل کے سارے لوازمات وداعیات اور فہم و ادراک کے سارے پیمانے ایسے پیوست کر دیے ہیں کہ انسان کسی ظاہری تحصیلِ علم اور اکتسابِ فیض کے بغیر بھی اپنی سوچ، طرزِ عمل، رویّے اور رہن سہن (LIFE STYLE) کو ان اصول ومبادیات کے تابع کر دیتا ہے۔ جس انسان میں یہ خداداد صلاحیتیں اپنے ہم عصروں سے وافر ہوتی ہیں وہ دانا، حکیم اور فلسفی کہلاتا ہے اور مرجع خلائق بنتا ہے۔ جس شخص کی یہ صلاحیتیں اپنے ہم عصر شخصیات سے جتنی زیادہ ہوں گی اس شخص کے خیالات اور سوچ دوسروں کو اپنی طرف اتنا ہی زیادہ زوردار انداز میں کھینچ لیتی ہے اور دوسرے اس کی شخصیت کے گرد ایک طرح کا ظاہری سکون (PEACE OF MIND) اور باطنی اطمینان یعنی وجدانی جاذبیت (INTUTIONAL FREQUENCY MATCH) محسوس کرتے ہیں۔ بعض لوگوں کی ان بے پناہ صلاحیتوں کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایک بڑے گھنے سایہ دار درخت کی طرح لوگ صدیوں اُن کی فکر سے اکتسابِ فیض کرتے رہتے ہیں۔ ایسے نابغۂ روزگار انسانوں کو کبھی عبقری اور GENIOUS کہا جاتا ہے اور بعض اوقات 'مافوق الفطرت انسان' یا دیوتا اور اوتار سمجھا جاتا ہے۔

ایسے نابغۂ روزگار انسانوں کے خیالات وفرمودات اس 'شخص' کی فکر کہلاتا ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ ہر ذہین آدمی کی 'فکر' اس کی خداداد صلاحیتوں کے متناسب ہوتی ہے اور بلاخوفِ تردید یہ بات بھی کہی جاسکتی ہے کہ کسی شخص کی بلندیٔ فکر یا فکر کی پستی اس کی باطنی کیفیات اور عوامل ہی کا ایک حاصل (PRODUCT) ہوتی ہے۔

اس زوایۂ نگاہ سے مزید غور وفکر کریں گے تو معقول اور بے تعصب انسان یہ نتیجہ نکالنے

میں زیادہ دیر نہیں لگاتا کہ اس راستے میں عام 'صاحب فکر' اور 'دبستان فکر' کے بانیوں سے بھی بہت آگے بہت آگے وہ انسان نسل انسانی کا حُسن اور زیور کا درجہ رکھتے ہیں جو انبیاء کرام علیہم السلام کہلاتے ہیں اور عام الفاظ میں خالق کائنات کے 'پیامبر' (MESSENGERS) کہلاتے ہیں۔

2 عام انسان بھی غور وفکر کریں تو اپنے اندر تعقّل و استدلال کے لیے بڑا وسیع میدان پاتے ہیں۔ خالق کائنات نے جہاں انسان کو سماعت، بصارت اور عقل و خرد کی صلاحیتیں دی ہیں وہیں 'افئدہ' یا 'دل بینا'، 'زندہ دل'، ضمیر، CONSCIENCE یا ایک اندرونی روشنی میں بھی عطا فرمائی ہے تاکہ انسان اپنی اور بنی نوع انسان کی انفرادی و اجتماعی بھلائی کے راستے کی پہچان کر سکے۔ بقول حکیم رومی رحمۃ اللہ علیہ

بنی اندر دل علومِ انبیاء
بے کتاب و بے معید و اوستا

[ہر معقول انسان کسی استاد، معاون اور متن کے بغیر بھی اپنے باطن میں حقیقی ناگزیر باطنی حقائق (جن کا راستہ انبیاء کرام علیہم السلام نے بنایا ہے) تک رسائی حاصل کر لیتا ہے]

3 اولاد آدم علیہ السلام میں ایک طرف اللہ تعالیٰ نے انسانی رہنمائی کے پیغمبر بھیجے جو ابتداء میں حضرت انسان کی انگلی پکڑ کر اس کو اپنے جبلّی تقاضوں کو مہذّب بنا کر اور اپنی 'خودی' کے تقاضوں کو پہچان کر ابھارنے، سنوارنے اور 'معرفت ربّ' کی بلند ترین منزل تک 'رفع' اور 'عروج' کا باعث بنے۔ یقیناً انسانوں کی ہر قابل ذکر بستی میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر مبعوث فرمائے۔ دوسری طرف جیسے جیسے وسائل و ذرائع آمدورفت نے ترقی کی، ضروریات انسانی بڑھنے لگیں اور انسان نے لکھنے پڑھنے اور کتابیں بنانے کا فن ایجاد کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو دی جانے والی ہدایت ـــــ زبانی (ORAL) سے اُٹھا کر تحریری بنادی اور صحیفے اور کتابیں اتار دیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر آخری کلام قرآن مجید اتار کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی و نبوّت کا دروازہ بند کر دیا۔ آپ آخری نبی اور آخری پیغمبر قرار پائے اور قرآن مجید آخری کتاب۔ اور قرآن مجید کی قیامت تک رہنمائی کو یقینی بنانے کے لیے قرآن مجید کو ایک محفوظ کتاب بنا دیا (جبکہ تورات، زبور اور انجیل آسمانی کتابیں ہونے کے باوجود 'عبوری' ہونے کے ناطے محفوظ نہ بنائی گئیں)۔

ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر آئے جن میں 313 منصب رسالت پر سرفراز ہوئے تو یقیناً ان میں فرقِ مراتب بھی ہے اور درجہ بندی بھی جو بالکل فطری ہے بالاتفاق اس جماعت انبیاء میں حضرت محمد ﷺ اور سیّد الانبیاء اور سیّد المرسلین بھی ہیں اور خاتم النّبیین والمرسلین بھی۔

4 یہ بات بلاخوفِ تردید کہی جاسکتی ہے کہ تاریخ انسانی میں ہر قابل ذکر انسانی آبادی میں اللہ تعالیٰ نے ذہین اور باصلاحیت انسان اٹھائے اور انبیاء کرام علیہم السلام کے دست و بازو بننے والوں میں اسی طبقہ کے لوگوں نے پیغمبروں کے مشن کو آگے بڑھایا۔ انبیاء کرام علیہم السلام یعنی نبوت، وحی، فرشتے، آسمانی کتب اور صحیفوں کو برحق ماننے کا ایک منطقی نتیجہ یہ بھی ہے کہ آسمانی ہدایت کی تصدیق کرنے والوں کا ہم عصروں میں اعلیٰ انسانی ذہنی وفکری صلاحیتوں کا مالک ہونا ایک ناگزیر حقیقت ہے اس لیے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی اعلیٰ فکری ونظری باتوں کو ایک اجنبی ماحول میں تصدیق کرنے اور سمجھنے کے لیے بھی انسان کا باصلاحیت (ABOVE AVERAGE) ہونا ناگزیر ہے۔

5 اولادِ آدم یعنی انسانیت کی تاریخ میں جب کبھی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لاتے رہے، اپنے ماحول میں کائنات کے اَن دیکھے حقائق اور اعلیٰ انسانی اقدار کی تعلیمات عام کرتے رہے، لوگوں کی مخالفت کے علی الرّغم اور بلا معاوضہ کرتے رہے ایسے حالات میں انبیاء کرام علیہم السلام کے مخاطَبین میں سے بالعموم دو طرح کے لوگ سامنے آئے۔ کچھ لوگوں نے ان تعلیمات کو سنا، پرکھا، پہچانا، آگے بڑھ کر قبول کیا، ان پر عمل کرتے رہے اور ان کی اشاعت میں تن من دھن لگا دیا۔ اور بعض لوگوں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام (جو نہایت مخلص، بے غرض اور انسان دوست تعلیمات لائے تھے) کے مخالف ہوئے، ان کی تعلیمات کو سن کر ردّ کر دیا بلکہ بعض نے ان کی مخالف کی، ان کے خلاف جتھا بنایا اور ممکنہ ایذاء رسانی کے ساتھ ساتھ جنگوں کے نوبت بھی آ گئی۔ تاریخ انسانی میں آسمانی ہدایت کے ماننے والے ایک طبقے میں ایسا بگاڑ پیدا ہوا کہ اُس نے صدیوں انبیاء کرام علیہم السلام کو قتل کرنے سے بھی گریز نہیں کیا۔ یہ بنی اسرائیل ہیں۔

6 تمام حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنے ماحول میں ذہین، زیرک، معاملہ فہم، مدبّر اور خوش اخلاق لوگ ہوتے تھے۔ بعض کم فہم لوگوں کا خیال ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا کام صرف ڈاکیے (POST MAN) کی طرح ہوتا ہے جو آسمانی پیغام آئے اس کو لوگوں تک

پہنچا دینا، بس۔ حالانکہ قرآن مجید انبیاء کرام علیہم السلام کی ذِمہ داری یہ بھی بتاتا ہے کہ وہ آسمانی پیغام لوگوں تک پہنچانے کے ساتھ ساتھ اس پیغام کی تشریح فرماتے تھے، مبہم اور عام انسانی فہم میں مشکل سے آنے والی باتوں کی تشریح بھی ان کے منصب کا حصہ تھا اور ان کی بتائی ہوئی تشریح ہی مستقلاً معتبر، مستند اور اہل ایمان کے لیے قابل عمل سمجھی جاتی ہے۔

7 حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے قریب ترین لوگ عموماً اعلیٰ ذہنی وفکری صلاحیتوں کے مالک ہوتے تھے اس لیے کہ کسی اعلیٰ واَرفع فکر کو سمجھنے کے لیے بھی ایک ناگزیر حد تک سامع اور مخاطب کو خود بھی ذوقِ بلند، پختہ فکر اور اعلیٰ تخیلاتی صلاحیتوں کا مالک ہونا ضروری ہے۔ جیسے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں آمدہ 'واقعہ معراج' اطمینانِ قلبی کے ساتھ سمجھنا، قبول کرنا اور آگے بیان کرنا کم فہم اور سطحی علم رکھنے والے کے لیے ناممکن ہے اس کے لیے کائنات کا ایک حقیقی تصوّر رکھنا (ایمان) بہت ضروری ہے۔

(II)

1 حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے مبارک زمانے میں مخاطبین (قوم) کا دو گروہوں میں بٹ جانا ایک ایسی بدیہی حقیقت ہے جس کا انکار ممکن نہیں۔ بلکہ اس حقیقت کا تجربہ ہر انسانی آبادی کے رہنے والوں کو ہوتا ہے چاہے وہ مشرق کے باسی ہوں یا مغرب کے۔

باصلاحیت حضرات کا ایک طبقہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لے آتا تھا اور دوسرا طبقہ بعض ناگزیر وجوہات کے زیر اثر حضرات انبیاء کرام کی فطری، انسان دوست، اَخلاق دوست، علم دوست اور ماحول دوست تعلیمات کا نہ صرف انکار کر دیتا تھا بلکہ اس کا مخالف ہو جاتا تھا۔

2 ہر انسانی اجتماعیّت میں اس طرح کے دو طبقات کا لازمی وجود ایسی مسلّمہ بات ہے جس کا تجربہ اور مشاہدہ ہر عقل مند شخص کو ہے۔ پھر یہ بات بھی اہم ہے کہ انسانوں میں بعض نے انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے پیروکاروں کے پیچھے چلنا اپنی سعادت سمجھی اور اسی کا پرچار کیا جبکہ دوسرے انسانی طبقے نے غیر فطری سوچ کے حامل، انسان دشمن، اَخلاق دشمن، علم دشمن اور ماحول دشمن لوگوں کو رہنما مان کر ان کی اتّباع کی ہے اور یہ بات زمانۂ قدیم کی نہیں بلکہ دورِ حاضر کی روشن فکر کے ماحول میں بھی یہی کچھ ہو رہا ہے اور یہ طبقہ اپنے اس رویّہ پر مُصِر ہے اور اپنے آپ کو

'حق پرست' سمجھتا ہے اور مخالفین کو (جن کی تعلیمات انسان دوستی کا طویل تاریخ ٹریک ریکارڈ رکھتی ہیں) دہشت گرد، قابل نفرت اور گردن زدنی تصوّر کرتا ہے۔

3 تاریخ میں انبیاء علیہم السلام کے مخالف طبقے کو ایک مرحلے پر پھلنے، پھولنے اور پھیلنے کا موقع ملا ہے جس سے آسمانی ہدایت پس منظر میں رہ گئی اور انسان دشمن اور خدا بیزار خیالات و افکار منظّم ہوکر بادشاہتوں اور سلطنتوں کا روپ دھار گئے اور خدا کی زمین پر خدا بیزاری کے نظریات صدیوں مستحکم رہے اور گوشت پوست کے انسان 'خدائی کے دعویدار' بن کر خالق کائنات کے مدمقابل آ گئے۔

یہی دو طبقات آج بھی روئے ارضی پر موجود ہیں۔ تاریخ مشرق و مغرب کے مابین یا خدا پرستی اور خدا بیزاری (و ابلیسیّت) کے نظریات کے فروغ کے درمیان پنڈولم (PENDOLUM) کی طرح جھولتی رہتی ہے۔ یہ عمل چھ سات صدیوں میں مکمل ہوتا ہے۔

4 خدا شناسی، علم دوستی اور وحی شناسی یعنی انسان دوستی کے ماحول میں خدا بیزاری اور ابلیسیت کے نظریات اور اس کے داعی غائب ہوجاتے ہیں جبکہ خدا بیزاری اور ابلیسیت کے فروغ وعُروج کے دور میں خدا پرست لوگ ماریں کھاتے ہیں، ستائے جاتے ہیں، قتل ہوتے ہیں، دار و رسن کی زینت بنتے ہیں اور جانوں کی قربانی دے کر بھی اپنی نظریاتی برتری کا ثبوت دیتے ہیں۔

(III)

O ہر انسانی معاشرے اور ہر زمانے میں ذہین افراد کی اقلیت (INTELLECTUAL MINORITY) ہی اس معاشرے کو LEAD کرتی ہے۔ ہر انسانی معاشرے کی ترقی اور استحکام یا تباہی و بربادی میں یہی باصلاحیت ذہین طبقہ بڑا فیصلہ کن (CRUCIAL) کردار ادا کرتا ہے۔

O کسی معاشرے میں باصلاحیّت افراد کی اکثریت نیکی، بھلائی، خدا شناسی اور انسان دوستی کی طرف مائل ہو جائے تو وہ معاشرہ انسان دوست معاشرہ بن جاتا ہے اور اگر کسی خاص معاشرے میں باصلاحیت افرد کی اکثریت برائی، آزاد خیالی، خدا بیزاری اور انسان دشمن و اخلاق دشمن رویوں کی علمبردار بن جائے تو معاشرہ انسان دشمن یا حیوانی معاشرہ بن جاتا ہے جہاں انسانی

اعلیٰ اقدار، ضمیر اور خدمت خلق کے جذبات دم توڑ دیتے ہیں۔

O ہر انسانی معاشرہ چونکہ زندہ انسانوں پر ہی مشتمل ہوتا ہے لہٰذا ـــــ ہر انسانی معاشرے میں خدا شناسی کے حامل افراد اور خدا بیزاری کے دلدادہ افراد کے درمیان ایک کشاکش، تنازع للبقاء اور ایک دوسرے کو زیر کرنے کی کوششیں ہر لمحے جاری رہتی ہیں۔ یہ جنگ خیر اور شر کی ایک جنگ ہے جو روئے ارضی پر ہر معاشرے اور ہر قابل ذکر انسانی اجتماعیت میں بھی جاری ہے اور مجموعی طور پر عالمی سطح پر بھی جاری ہے اور ہر انسان چاہے یا نہ چاہے وہ ـــــ یا تو خیر اور نیکی اور انسان دوستی کا نمائندہ ہوتا ہے یا شر، بُرائی اور خدا بیزاری کی قوتوں کا ایجنٹ۔

O ایسا بھی ممکن ہے کہ کسی معاشرہ میں بعض داخلی اور خارجی عوامل کی وجہ سے شر اتنا پھیل جائے اور 'خیر' کے نمائندے اتنے قلیل اور کمزور پڑ جائیں اور انسان دشمن رویّے، اخلاق اور علم دشمن رویّے اور خدا بیزاری کا چلن اتنا عام ہو جائے کہ نیکی، ضمیر اور خدا شناسی کے رویّے برائے نام رہ جائیں تو معاشرے ایسی حالت کو پہنچ جاتے ہیں کہ تباہی و بربادی ان کا مقدّر بن جاتی ہے۔ روئے ارضی پر ہزاروں تہذیبوں کے کھنڈرات زبانِ حال سے اپنے انہی خاص قسم کے باسیوں کے اخلاق دشمن اور خدا بیزار و وحی بیزار رویّوں کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

O یہ خیر اور شر کی جنگ پہلے انسان کے اندر شروع ہوتی ہے اور انسان کے اندر نیکی اور بدی کے جذبات میں ٹکراؤ پیدا ہوتا ہے۔ اگر انسان اپنی بعض عادات اور کمزوریوں کی وجہ سے خیر کے جذبات کا ساتھ نہ دے سکے اور برائی کے جذبات کی رو میں بہہ جائے تو اس کے ابتدائی نشانات (SYMPTOMS) میں انسان کے دل میں ایک خلش پیدا ہوتی ہے جسے انگریزی میں GUILTY CONSCIENCE ہونا کہتے ہیں اور اگر انسان عادی مجرم ہو جائے تو یہ ضمیر مردہ ہو جاتا ہے جیسے مغرب کے نظام تعلیم میں 1960ء کی دہائی سے ایسے رجحانات BUILD UP کیے گئے جو آج کے انسان دشمن اور BEAST LIKE رویوں کا باعث بنے ہیں کہ انسان جانوروں سے بھی بدتر ہو کر اپنے جیسے انسانوں کو ہی تباہ و برباد کرنا اپنی ترقی کا نشان سمجھتا ہے۔

(IV)

O روئے اَرضی پر انسان کے باطن میں اور ماحول میں خیر و شر کی جو جنگ جاری ہے اس کا

ایک پہلو بڑا دلچسپ ہے کہ باطل اور شر کی قوتیں کبھی بڑھ کر حق اور خیر کو ختم (ELIMINATE) کر دیں یہ نہیں ہوسکتا اسی طرح حق غالب ہو کر باطل کو کمزور کر دیتا ہے کہ کئی صدیاں سر نہ اُٹھا سکے مگر باطل کو نیست و نابود (ELIMINATE) نہیں کر سکتا۔

حق و باطل یا خیر و شر کی دو واضح اور مخالف قوتوں کا موجود رہنا اور برسر پیکار رہنا ہی رُوئے ارضی پر انسانی سرگرمیوں کا راز ہے ورنہ دنیا بڑی بے کیف، بے رنگ اور بے نور ہو جائے اور محبت، جذبات، کامیابی، آگے بڑھتا، مقابلہ اور پنجہ آزمائی کے رویوں کے نہ ہونے کے باعث انسانی اعضاء شل ہو جائیں اور حرکت، تحریک اور DYNAMISM سرے سے ہی ختم ہو جائے جو اس مادّی کائنات کے خاتمے کا اعلان ہوگا کیونکہ اس کائنات میں کہکشاؤں سے لے کر ایٹم کی سطح تک موجود 'حرکت' ہی کا دوسرا نام 'زندگی' ہے۔

حرکت اور تحریکیّت کے ساتھ کشاکش اور پنجہ آزمائی کا ماحول ہی ہے جس نے روئے ارضی پر ہزاروں قسم کے میدان کارزار بنا رکھے ہیں جہاں خیر و شر کی قوتیں ہر دم برسر پیکار رہتی ہیں۔

O اسی تصوّرِ حرکت اور حق و باطل یا خیر و شر کی کشاکش کے فلسفہ کا ایک منطقی نتیجہ یہ بھی ہے کہ کبھی باطل غیر مناسب طور پر بڑھ جائے تو حق ایک وقفے اور تیاری کے بعد اسی درجے کا ردّعمل لے کر آتا ہے تبھی کشاکش کا ماحول برقرار رہتا ہے اور اس کے برعکس کبھی خیر کے پھیلانے کے لیے خالق کائنات کی طرف سے کوئی غیر معمولی فعّال اور انقلابی شخصیت میدانِ عمل میں اُترتی ہے تو باطل کا ایک غیر مرئی مگر منظّم نظام بھی اسی درجے کے ردّعمل کے ساتھ میدان میں آموجود ہوتا ہے۔

اس حقیقت کو آسمانی کتاب قرآن مجید نے حضرت محمد ﷺ (جو مجسّم قرآن، نیکی کا پیکر اور رحمت للعالمین تھے) کی تشریف آوری پر یوں بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ کے مقابلے میں بدی کے ہمالیہ جیسے کئی پیکر جمع کر دیے گئے اور ایسا عمل اور ردّعمل ہر دور میں ہر نبی کی آمد پر ہوتا تھا۔ اہل مکہ نے آپ ﷺ کی آمد پر شدید مزاحمت، مخالفت، ایذاء رسانی، کردار کشی، حوصلہ شکن مقابلہ بازی کا ایسا میدانِ کارزار سجایا جو تاریخ میں پہلے کبھی سامنے نہیں آیا۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ

فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ (الانعام:112)

''اوراسی طرح ہم نے شیطان (سیرت) انسانوں اور جنوں کو ہر پیغمبر کا دشمن بنا دیا تھا۔ وہ دھوکا دینے کے لیے ایک دوسرے کے دل میں ملمع کی باتیں ڈالتے رہتے تھے اور اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو ایسا نہ کرتے تو ان کو اور جو کچھ یہ افترا کرتے ہیں اسے چھوڑ دو''۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ (الانعام:123)

''اوراسی طرح ہم نے ہر بستی میں بڑے بڑے مجرم پیدا کیے کہ ان میں مکاریاں کرتے رہیں۔ اور جو مکاریاں یہ کرتے ہیں ان کا نقصان انھیں کو ہے اور (اس سے) بے خبر ہیں''۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ (الفرقان:31)

''اوراسی طرح ہم نے گنہگاروں میں سے ہر پیغمبر کا دشمن بنا دیا''

وادیٔ حجاز کے شہر مکہ میں جو کچھ حضرت محمد ﷺ پر گزرا وہ تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہے۔ افسوسناک امر یہ ہے کہ خدا بیزار طبقات کے ساتھ ساتھ وحی دشمن، انسان دشمن اور اخلاق دشمن طبقات بھی حضرات سیّدنا ابراہیم علیہ السلام، سیّدنا یعقوب علیہ السلام، سیّدنا یوسف علیہ السلام، سیّدنا موسیٰ علیہ السلام، سیّدنا سلیمان علیہ السلام اور سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جو کچھ روا رکھا گیا اس کی مذمت کرنا تو درکنار اس کا تذکرہ کرنا بھی گوارا نہیں کرتے۔ گویا انبیاء مخالفین گروہوں، جتھوں، بدکردار سرداروں اور حضرت مسیح علیہ السلام جیسے مخلص انسان کو سولی چڑھانے والے عیّاش بادشاہوں اور اس سیکولر و روشن خیال طبقے کا آپس میں گٹھ جوڑ ہے۔

آج جو تعلیم ہمارے جدید نظام تعلیم کے تحت سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں دی جارہی ہیں اس میں فلاسفہ یونان کا ذکر تفصیل سے ملے گا، ایران، ہند، چین کے نابغہ اور ذہین افراد کے حالات و واقعات اور نصائح اور علمی خدمات کا ذکر ملے گا۔ مگر نہیں تذکرہ ملے گا تو ایسے بے لوث، خدا شناس، انسان دوست، اخلاق دوست، علم دوست حضرات کا جنھیں دنیا 'نبی' اور

'رسول' کا نام دیتی ہے جن کی تعلیمات اس کائنات کی صحیح ترین تعبیر اور جن کا سیرت و کردار ہر معقول مرد یا عورت انسان کی دل کی گہرائیوں سے اس کی چاہتوں کے عین مطابق شرم وحیا، عفت وعصمت، پاک دامنی، سچائی، راستی، امن، احترامِ باہمی کی اقدار کا نمونہ تھا۔

(V)

O حضرت محمد ﷺ کے مقابلے میں جن لوگوں نے جمع ہو کر خداشناسی اور انسان دوست رویوں کا راستہ روک کر ان کے فروغ میں رکاوٹ ڈالنے کی کوششیں کی ہیں وہ تاریخ کے صفحات میں گم ہو گئے اور کوئی شخص ابوجہل اور ابولہب نام رکھنا بھی گوارہ نہیں کرتا جبکہ اسلامی ممالک کیا مغرب میں بھی سب سے زیادہ رکھا جانے والا نام محمدؐ ہے۔ یوں حضرت محمد ﷺ اور ان کے مخلص پیروکاروں (جو اپنے سیرت و کردار میں حضرت محمد ﷺ کا ہی نمونہ تھے) کا تذکرہ آج بھی دنیا میں تازہ ہے۔

O حضرت محمد ﷺ انبیاء کرام علیہم السلام کی جماعت میں ایک منفرد اور ممتاز ترین مقام کے حامل ہیں آپ ﷺ آخری ہی نہیں کامل ترین نبی ہیں اور آپ کی تعلیمات انسان کی ذہنی فکری اور روحانی ضروریات کی مکمل ترین تسکین کا سامان لیے ہوئے ہیں۔

آپ ﷺ چونکہ آخری نبی ہیں لہٰذا آپ کی تعلیمات کی قیامت تک حفاظت کا ذمہ خود خالق کائنات نے لیا ہے اور یہ تعلیمات تاریخ انسانی کے ہزاروں اتار چڑھاؤ کے باوجود بلا کسی زمانی انقطاع کے، تسلسل کے ساتھ روئے ارضی پر اپنی اصلی شکل میں موجود ہیں۔ اس کے پیروکار لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں اس پر عمل کر کے ان تعلیمات کا عملی نمونہ پیش کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ تاریخ میں طویل عرصے تک یہ تعلیمات اجتماعیت کی اعلیٰ ترین سطح یعنی ریاست کی سطح پر بھی رائج و نافذ رہی ہیں اور آج بھی اپنے اندر عصر حاضر کے انسانوں کے تمام مسائل کے قابل عمل حل نکالنے کی بھرپور صلاحیت رکھنے والی واحد (MATCHLESS) تعلیمات ہیں۔

آپ ﷺ کی تعلیمات قیامت تک کے لیے اَبدی ہیں تو اوپر درج حقائق کے مطابق حجاز کی سرزمین سے اٹھنے والی ان تعلیمات کی مخالف قوتوں کا بھی تاریخ انسانی کا مضبوط ترین اور توانا ترین قوت ہونا اور ان قوتوں کا 'بوجوہ' قیامت تک مسلمانوں سے پنجہ آزمائی کرتے رہنا

اِحقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا لازمی تقاضا بھی ہے اور اہل حق کے لیے حق کی خاطر جان کی بازیاں کھیل جانے کا سامان فراہم کرتے رہنے کا ایک منہاج اور راستہ بھی ہے۔ تاکہ حق و باطل یا خیر و شر کی یہ جنگ ہمیشہ کی طرح جاری رہے (جب تک اس روئے ارضی پر انسان موجود ہے۔ واللہ اعلم)۔

O حضرت محمد ﷺ کامل ترین نبی اور رسول ہیں۔ ان کی تعلیمات آسمانی ہدایت کا نقطۂ کمال (CLIMAX) ہیں۔ آپ ﷺ کی تعلیمات جب تک اس روئے ارضی پر انسان آباد رہیں گے اس وقت تک کے لیے ہیں یعنی آپ ﷺ کی تعلیمات انسانوں کی ہدایت ہونے کے سبب زندہ و پائندہ رہیں گی۔ آپ ﷺ کی حیات میں بھی آپ ﷺ کی تعلیمات کی مخالفت میں لوگ جمع ہوئے اور مخالفوں نے اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ آپ کا راستہ روکیں گے مگر وہ ناکام و نامراد رہے اور آئندہ بھی ایسے لوگ ہمیشہ ناکام و نامراد ہی رہیں گے۔ قرآن پاک میں وارد ہے کہ سرزمین حجاز میں آپ ﷺ کی حیات طیبہ کے دوران بھی تین طبقات آپ کے دشمن تھے۔ سورۃ الصّف (61) میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ ہے اور ان کی قوم کا، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ ہے اور پھر مشرکین مکّہ کا۔ مشرکین مکہ بت پرستی کے شرک میں مبتلا تھے۔ اگرچہ یہود و نصاریٰ کی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام (اور حضرت اسماعیل علیہ السلام) کی اولاد ہونے کے ناطے آپ کی تعلیمات کے قائل اور ان پر ایمان و اعتقاد بھی رکھتے تھے۔

یہ تین طبقات یہود، نصاریٰ اور مشرک ہیں اور تاریخ میں یہ بات تسلسل و تواتر کے درجے تک پہنچی ہوئی ہے کہ اسلام اور محمد ﷺ کی تعلیمات کے دشمن ہر دور میں یہی تین طبقات ہیں کبھی یہ اکیلے اکیلے سامنے آتے ہیں بعض اوقات اکٹھے ہو جاتے ہیں مگر ہر حال میں آپس میں رابطے رکھتے ہیں اسلام، مسلمانوں اور پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کے خلاف یک زبان اور یک آواز ہیں۔

O مطالعہ تاریخ کے دوران ہر معقول قاری کو یہ افسوس ناک بات بڑی اذیت دیتی ہے کہ یہود و نصاریٰ آسمانی ہدایت کے علمبردار، اللہ، وحی، پیغمبروں کے ماننے والے، فرشتوں اور قیامت کا اقرار کرنے والے، آسمانی کتاب کے حامل ہو کر بھی ہمیشہ حضرت محمد ﷺ اور مسلمانوں کیخلاف صف بستہ اور کمر بستہ رہتے ہیں اور متحد نظر آتے ہیں حالانکہ مسلمان حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر

انبیاء بنی اسرائیل علیہم السلام کو عزت سے یاد کرتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر مانتے ہیں تورات، زبوراور انجیل نام کی کتابوں کو آسمانی کتابیں مانتے ہیں۔ یہود ونصاریٰ کو ذہناً وقلباً وعملاً مسلمانوں کے زیادہ قریب ہونا چاہئے مگر افسوس کہ وہ مسلمانوں کے خلاف ہمیشہ شرک اور مشرکوں کے اتحادی ہوتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں۔

اس طرز عمل کی کوئی معقول وضاحت مسلمان تو کیا کریں گے خود یہود ونصاریٰ ہی اس پر روشنی ڈالیں تو حقیقت سے پردہ اٹھ سکتا ہے۔ مسلمان، عیسائی اور یہود تینوں ابراہیمی مذاہب کہلاتے ہیں اور حضرت سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم، سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام، اور سیّدنا موسیٰ علیہ السلام سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ حضرت سیّدنا موسیٰ علیہ السلام اور حضرت سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چھوٹے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں جبکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی فلسفیانہ شاعری کے سب سے بڑے قدردان ڈاکٹر رفیع الدین تھے جنھوں نے علامہ اقبال کے کلام کو ایک 'فلسفیانہ نظام' کے طور پر 'حکمت اقبال' نامی کتاب میں مرتب کیا ہے۔ یہ کتاب 1971ء میں پہلی بار طبع ہوئی اس کتاب کا انتساب ہمارے اس جریدہ کی خصوصی اشاعت کی نسبت سے بڑا اہم ہے

ان عاشقان جمالِ ذات کے نام
جو مستقبل کی اس ناگزیر عالمی ریاست کا آغاز کریں گے
جو اسلام کی اس حکیمانہ توجیہ پر قائم ہوگی
جس کا نام فلسفۂ خودی ہے

قوتِ فکر

.....فوجی اسلحہ کے علاوہ دشمن کو مغلوب اور مفتوح کرنے کا ایک اور آلہ بھی قدرت کے کارخانہ میں موجود ہے اور یہ آلہ تمام دنیا کے مجموعی فوجی اسلحہ سے بھی کئی گنا قوی ہے، وہ فوجی اسلحہ سے زیادہ سریع الحرکت ہے اور اس کی حرکت ہر قسم کی ملکی، سیاسی اور جغرافیائی حدود و قیود اور دریاؤں، پہاڑوں، سمندروں اور صحراؤں کی رکاوٹوں کے باوجود جاری رہتی ہے۔ اس کے استعمال سے دشمنوں کے دلوں کو مسخر کیا جا سکتا ہے جس سے اُن کی قوتِ مدافعت ختم ہو جاتی ہے اور اُن کے ہاتھ اٹھنے سے اور اُن کے پاؤں چلنے سے رہ جاتے ہیں اور وہ اپنے آلاتِ حرب وضرب کو بخوشی اپنے مخالفین کو سپرد کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں اور وہ دشمن نہیں رہتے بلکہ معاوِن اور مددگار بن جاتے ہیں۔ یہ ہتھیار دل کش افکار و تصوّرات کی قوت ہے۔ یہ قوت قوموں کی باہمی جنگ میں فیصلہ کن ہے۔.....

(ڈاکٹر محمد رفیع الدین)

باب 2

مخالفِ اسلام طبقات کی پہچان

☆ بنی اسرائیل یہود 36

☆ بنی اسرائیل عیسائی 37

☆ مشرکین 38

O حضرت آدم علیہ السلام (روح اور جسد کے مجموعہ کے ساتھ) پہلے انسان اور پہلے نبی تھے ان کا زمانہ آج سے بمشکل 9000 سال قبل کا ہے۔ ابتداء میں انسانوں کی آبادی کم تھی اور وسائل آمدورفت اور ذرائع ابلاغ محدود تھے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ایک مدت تک مختلف آبادیوں میں نبی اور رسول بھیجے جو دور دراز علاقوں تک نہ رسائی رکھتے تھے نہ معلومات۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (الرعد:07)

''اور ہر ایک قوم کے لیے رہنما ہوا کرتا ہے''

ایک نبی تشریف لاتے قوم کو سمجھاتے وہ وفات پا جاتے تو دوسرا پیغمبر آجاتا وہ اپنے حصے کا فریضہ سرانجام دیتے یہ سلسلہ کئی ہزار سال جاری رہا تا آنکہ انسان نے ذرائع آمدورفت، علم کے حصول اور ذرائع ابلاغ میں ترقی کا سفر طے کر کے سیاسی سطح پر رابطوں کا آغاز کر دیا۔ یہ زمانہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ مبارک ہے۔

O حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ 2000 ق م کے لگ بھگ ہے اور آج سے تقریباً 4000 سال پہلے کا ہے۔ آپ ملک عراق میں تھے جہاں نمرود بادشاہ حکمران تھے وہ خدائی کے دعویدار تھے، بُت پرستی کا نظام تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے کئی امتحانوں میں مبتلا کیا، جنہیں آپ نے کامیابی سے پورا کر دیا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے دو بیٹے عطا فرمائے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو آپ نے مکہ میں آباد کیا، جہاں پر چاہ زم زم جاری ہوا اور آبادی ہو کر مکہ شہر بن گیا جبکہ چھوٹے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کو فلسطین میں آباد کیا جہاں ان کی اولاد پھلی پُھولی۔

امتحانات میں کامیابی پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو کئی انعامات دیے اور نوازشات فرمائیں۔ پہلی نوازش یہ تھی کہ اب جتنے نبی آئیں گے وہ سب اے ابراہیم! آپ کی اولاد میں ہوں گے نیز اللہ تعالیٰ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام ہی کی اولاد میں تمام آسمانی کتب اُتارے گا۔ (الحدید 26:57)

دوسری بڑی نوازش یہ ہوئی کہ آخری نبی ـــــ نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں ہی ہوں گے۔ مکہ میں بیت اللہ ان کا مرکز ہوگا۔ ان کی اُمت کا نام اُمت مسلمہ ہوگا۔ (البقرہ:02:129-127)

O حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ہی پیغمبری مختص کرنے سے اللہ تعالیٰ نے ایک ہی خاندان، ایک ہی اُمت، ایک ہی نسل کو آگے بڑھا کر ایک حزبُ اللہ بنانے کا فیصلہ فرمایا تا کہ قدم بہ قدم معجزات کے ذریعے انبیاء کرام علیہم السلام کی تائید و نصرت کی بجائے ـــــ ایک حزبُ اللہ ہو، جانثاروں اور فدائین کی ایک جماعت ہو جو انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ ہو، ان کے نقش قدم پر چلے اور جہاد کرے۔ بادشاہوں کی فوجوں سے اور مخالفین سے دو بدو جنگ کر کے اللہ کے دین کو غالب کریں، کفر و شرک کے علمبرداروں سے انسانی جدوجہد کے میدان میں مقابلہ کر کے حق کو غالب کریں تا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اہل حق کے اعلیٰ درجات مسلّم ہو سکیں۔

حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام کے ہاں بارہ بیٹے تھے۔ حضرت یعقوب کا لقب اسرائیل تھا اور ان کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی۔ بنی اسرائیل کا ایک بڑا طبقہ بگڑ گیا اور آسمانی وحی کا حامل ہونے کے دعوے کے باوجود انبیاء کرام علیہم السلام کے قتل کا مرتکب ہوا اور یوں بنی اسرائیل نے وحی دشمن اور خدا بیزار رویّے اختیار کر لیے۔

(I) بنی اسرائیل ـــــ یہود

پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ، مسلمانوں اور اسلام کے دشمنوں اور مخالفین میں سرفہرست بنی سرائیل کا بگڑا ہوا طبقہ یہود ہیں۔ قرآن میں ارشاد ہے:

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا وَ لَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّا نَصٰرٰى ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَ رُهْبَانًا وَّ اَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ O (المائدۃ:82)

''(اے پیغمبر) تم دیکھو گے کہ مؤمنوں کے ساتھ سب سے زیادہ دشمنی کرنے والے یہودی اور مشرک ہیں اور دوستی کے لحاظ سے مؤمنوں سے قریب تر ان لوگوں کو پاؤ گے جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں اس لیے کہ ان میں عالم بھی ہیں اور مشائخ بھی

اور وہ تکبر نہیں کرتے۔''

یوں تو حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے اُن کی زندگی میں ہی کچھ عجیب خیالات رکھتے تھے کہ باپ جو نبی ہیں ان کی حکم عدولی، ستانا، پریشان کرنا ان سے جھوٹ بولنا، دھوکہ دہی جیسے معاملات کرتے رہے پھر حضرت یوسف علیہ السلام مصر کے بادشاہ بنے وہاں بنی اسرائیل نے نقل مکانی کی تو وہاں بادشاہ کے عزیز و اقارب کی حیثیت سے صاحبزادوں اور پیرزادوں کی طرح زندگی گزاری جو خوشحالی اور دنیاوی عزت کی زندگی تھی۔ بعد میں بنی اسرائیل فرعون حکمرانوں کی غلامی میں آ گئے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور تک بنی اسرائیل غلام رہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے غلامی سے نجات دلائی مگر بنی اسرائیل اپنے ربّ کے مخلص بندے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین کے سچے پیروکار نہ بن سکے۔ پہلے پارے کے دس رکوعوں میں تاریخ بنی اسرائیل کے ان واقعات اور عوامل کا ذکر ہے، جس کے باعث وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں 'مغضوب علیہم' گروہ قرار پائے اور یہ گویا ان کے خلاف 'فرد قرارداد جرم' ہے کہ ان بنی اسرائیل کو معزول کر کے بنی اسماعیل میں مبعوث ہونے والے واحد نبی ـــــ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر اب اللہ کی نمائندگی بنی اسماعیل اور مسلمانوں کو دی جا رہی ہے۔ یہود دنیا میں دین سے بے وفائی کے باعث 70ء سے دربدر ہیں اور اکثریت بے عمل، آزادروی اور لبرل ازم کی راہ پر گامزن ہیں۔ تعداد میں یہود دنیا بھر میں صرف ایک سے تین کروڑ تک ہیں۔

(II) بنی اسرائیل ـــــ عیسائی

بنی اسرائیل کے دو طبقات ہیں ایک یہود کہلائے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو انعامات دیے تھے ان میں اہم یہ بھی تھا ان جتنے نبی آئیں گے وہ آپ (حضرت ابراہیم علیہ السلام) کے اولاد میں ہوں گے اور آسمانی کتابیں بھی اولاد ابراہیم سے مختص ہو گئیں۔ بنی اسرائیل اسی وجہ سے عرصے تک اہل کتاب کہلائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں پانچ صدیوں بعد بہت اہم پیغمبر ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ نے جلیل القدر نبی بنایا اور تورات جیسی کتاب عطا فرمائی، ان کے ذریعے بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلائی۔ مگر حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت کے دوران (950ق کے لگ بھگ) بنی اسرائیل میں شدید بگاڑ

پیدا ہوا اور دین سے دوری اور بدعملی کے علاوہ دین دشمنی کے جذبات پیدا ہو گئے جس سے آئندہ چند صدیوں کے دوران (600 ق م سے) بنی اسرائیل کا بڑا حصہ گمراہ ہو گیا اور تورات و زبور کو غائب کر دیا اور حضرات انبیاء علیہم السلام کے قتل کا بار بار مرتکب ہوتا رہا۔ یہ آسمانی وحی سے دشمنی کی آخری حد سے جہاں تک یہود پہنچے۔ اسی دوران حضرت مسیح علیہ السلام آئے اگرچہ ان کے پیروکار کم تھے اور عرصہ بھی تھوڑا گزرا تھا کہ قتل انبیاء کی عادت سے مجبور ہو کر یہودی علماء نے حضرت مسیح علیہ السلام کو بوجوہ، بزعم خویش واجب القتل قرار دے کر رومی حکمرانوں کے حوالے کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح کو زندہ بچا لیا۔ قرآن مجید کے بیان (جس کی تصدیق عیسائیوں ہی کی ایک انجیل ـــــ انجیل برنباس کرتی ہے) کے مطابق حضرت مسیح زندہ ہیں اور ان کی جگہ کوئی اور مصلوب ہوا تھا۔

عیسائیوں میں کئی فرقے ہیں ان میں نرم دل بھی ہیں، دین کا درد رکھنے والے بھی ہیں مگر وہ قلیل ہیں۔ ان کا سب سے بڑا فرقہ کیتھولک (CATHOLIC) ہے جو مبینہ طور پر تثلیث کا قائل ہے اور حضرت مسیح کو خدا مانتا ہے۔ دوسرا بڑا گروہ پروٹسٹنٹ (PROESTANTS) ہیں، یہ لوگ حضرت مسیح علیہ السلام کو برائے نام مانتے ہیں اور عملاً لبرل، آزاد خیال اور شریعت موسوی کے کسی حکم کو نہیں مانتے۔ یہود کے قریب ہیں اور ان سے متاثر بھی ہیں اور ان کے حمایتی بھی۔ سود حلال کر لیا ہے اور اس میں غرق ہیں۔ عملی زندگی میں دین و مذہب کا شائبہ نہیں رکھتے اور مشرکانہ عقائد و اوہام رکھتے ہیں۔ عیسائی اس وقت دنیا میں 225 کروڑ کے لگ بھگ ہیں۔

(III) مشرکین

ہماری کائنات میں زمین اور روئے زمین سے انسانی آنکھ سے نظر آنے والے مناظر اور فلکیاتی سیارے کل کائنات کا ایک بہت ہی چھوٹا سا حصہ ہے عام الفاظ اور عوامی زبان میں دسواں حصہ، سواں حصہ لاکھواں حصہ کہنا کوئی مفہوم دے سکے مگر زمین اور کائنات کا تقابلی بیان 1000 ارب حصوں میں ایک بھی شاید مبالغہ ہو۔ حاصل کلام یہ ہے کہ انسانی ذہن آج کے ترقی یافتہ دور میں فضائی سفر، چاند پر انسان کا اتر جانا جیسے واقعات کے بعد بھی نوری سالوں پر پھیلی کائنات کا کما حقہ تصور نہیں کر سکتا کجا یہ کہ آج سے ہزار دو ہزار سال قبل کے انسان کی ذہنی سطح۔ اہرام مصر جیسی، دیوہیکل عمارات کے بنانے والے فراعنہ مصر کا آخری بادشاہ رعمیس حضرت

موسیٰ علیہ السلام کے یہ کہنے پر کہ 'میں ربّ العالمین کا نمائندہ ہوں جو آسمانوں میں ہے' بوکھلا گیا اور قرآن مجید کے بیان کے مطابق اپنے وزیر سے کہا کہ اس سامنے والے پہاڑ پر ایک اونچی سی عمارت تعمیر کروتا کہ میں اوپر چڑھ کر جھانک سکوں کی حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا ربّ کہاں ہے؟

گویا یہ بات اس دور کے دماغ اور تصوّر سے ماوراتھی کہ چاند زمین سے تقریباً چار لاکھ کلومیٹر دور ہے اور سورج 149.6 ملین کلومیٹر دور ہے اور مزید برآں کائناتی وسعت روشنی کی رفتار پر بنائے سالوں (نوری سالوں کا معنی ہے کہ روشنی 1,86,000 میل فی سیکنڈ سفر کر کے ایک سال میں جتنا سفر کرے گی وہ فاصلہ ایک نوری سال کے برابر ہوگا) میں بھی کئی ارب نوری سالوں پر مشتمل ہے۔

O اسلام ایک فطری دین ہے اور اس وسیع کائنات کی تخلیق کے بارے میں ایک خالق کے اقرار اور اس کی مختلف غیر مرئی شانوں (اسمائے حسنیٰ) کو تسلیم کرنے کا نام ہے۔ اسلام کی تعلیمات کے مطابق اس کائنات کا ایک خالق ہے اس کو انسانی آنکھ نہیں دیکھ سکتی وہ کہاں ہے اس کا تصور اتنی وسیع کائنات میں ممکن نہیں۔ اس خالق کائنات ہستی کی کوئی مثال نہیں دی جاسکتی نہ کوئی تخیلاتی خاکہ بنایا جاسکتا ہے۔ اس خالق کائنات کو اس کی شانوں سے پہچانا جاسکتا ہے یہی انسانی ذہن کے لیے ممکن ہے۔

انسانوں کی رہنمائی کے لیے خالق کائنات نے انسانوں میں کچھ اعلیٰ صلاحیتوں کے انسانوں کو اپنا پیغمبر بنایا اور ان کے ذریعے لوگوں کو خالق کائنات کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے کا پیغام دیا۔ پیغمبروں کے ذریعے اس نے یہ پیغام بھی دیا کہ یہ دنیاوی اور زمین پر 'حیات انسانی' عارضی اور محدود ہے اور یہاں کے دکھ، غم تکالیف اور خوشیاں بھی عارضی ہیں کہ زندگی ہی ختم ہوجاتی ہے۔ اس دنیا میں خالق کائنات کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے اور نہ گزارنے والے انسانوں کا فیصلہ ـــــ موت کے بعد دوبارہ زندہ کرے ایک دن جمع کر کے کیا جائے گا اور پھر خالق کائنات کی مرضی اور پیغمبروں کے کہنے کے مطابق زندگی گزارنے والوں کے لیے ایک ابدی راحت کی زندگی ہوگی جبکہ دوسروں کے لیے ابدی دکھ اور تکلیف ہوگی۔ اچھے انسانوں کی ابدی زندگی میں انہیں موت نہیں آئے گی، ہمیشہ جوان رہیں گے، بیمار نہیں ہوں گے، کمانے کی فکر نہیں ہوگی۔ ایسی زندگی (کہ

جوختم نہ، ہوموت کا سامنا نہ ہو، انسان ہمیشہ جوان رہے) ہر انسان کی دل میں دبی ہوئی خواہش ہے۔ اسلام نے اس خواہش کا ایک ممکن اور جائز راستہ بتایا ہے۔ پیغمبروں میں پہلے پیغمبر حضرت آدم علیہ السلام تھے۔ ابراہیم، موسیٰ، ہارون، داؤد، سلیمان، اور حضرت مسیح علیہم السلام سب پیغمبر تھے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس سلسلۂ نبوت و رسالت و پیغمبری کے آخری پیغمبر تھے۔ ان پیغمبروں کو کتابیں عطا ہوئیں تورات، زبور، انجیل اور قرآن مجید۔ تورات زبور اور انجیل کے متن گم شدہ ہیں موجودہ بائبل بعد میں لوگوں نے اپنی یادداشتوں سے لکھی ہے جبکہ قرآن مجید چودہ صدیوں سے زیادہ عرصے سے اپنے اصلی متن اور اصلی زبان میں دنیا کے سامنے موجود ہے اور اس پر عمل کرنے والے بھی موجود ہیں اس کا لہجہ (قراءت) بھی محفوظ اور موجود ہے۔

اس کائنات کی وسعت اور ماضی اور مستقبل کے بارے میں دنیا میں بعض معاشرے بڑے غلط تصورات رکھتے ہیں۔ ماضی میں کئی انسانی آبادیوں میں پیغمبر آئے مگر آج ان پیغمبروں کی زبانی ہدایات یا صحیفے یا کتابیں اپنی اصلیّت اور متون گم ہو جانے کی وجہ سے اپنی افادیّت کھو چکی ہیں اور روئے ارضی پر مختلف معاشرے (بشمول یہودی اور عیسائی) آسمانی ہدایت کو ماننے کے باوجود حقیقت سے دور، مرضی اور خود ساختہ توہّمات، تصوّرات اور مذہبی طبقہ کے بعض مفادات کا نام مذہب رکھ کر خالق کائنات کے حقیقی تصور سے کوسوں دور ہیں اور آج کے علمی، تحقیقی اور سائنسی دور میں فضائی سفر کے باوجود عملاً:

(i) پتھر کے بتوں کو اس کائنات کا خالق، مالک اور انسانوں کو نفع و نقصان دینے والا ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں۔

(ii) ان بتوں کو خود بنا کر رکھتے ہیں حفاظت کرتے ہیں اور ان کے سامنے سر جھکاتے اور سجدہ کرتے ہیں، ان کو بوقت مصیبت پکار کر ان سے اپنی مصیبتوں اور دنیاوی پریشانیوں میں مدد کے خواہاں ہوتے ہیں۔

(iii) نظریاتی علمی اور تصوراتی سطح پر بعض لوگ کائنات کے بارے میں توہمات کا شکار ہیں اور کائنات کا مقصد، انسان کی تخلیق کا مقصد، کائنات میں انسان کا مقام، انسان کا اشرف المخلوقات ہونا جیسے سوالات کے بارے میں حقیقت تک نہیں پہنچ پاتے۔

(iv) بعض جدید تعلیم یافتہ لوگ بھی انسان کے انسان دوست، علم دوست، اخلاق دوست اور ماحول دوست اعمال اور انسان دشمن، علم دشمن، اخلاق دشمن، ماحول دشمن رویّوں پر کسی کائناتی احتساب یا خالق کائنات کی طرف سے کسی گرفت، رہنمائی، کسی غلطی کی معافی کی گنجائش اور اچھے رویّوں پر انعام، نوازشات کا کوئی تصور ذہن میں نہیں لاتے اور نہ تسلیم کرتے ہیں۔

(v) بہت سارے لوگ اس کائنات کو کسی خالق کے تصور کے بغیر خود بخود وجود میں آ کر چلنے کا تصور رکھتے ہیں اور کسی خالق نے پیدا کیا ہے تو بھی اس خالق کائنات کا اب کوئی HOLD اس کائنات پر نہیں ہے۔ انسان آزاد ہے جو چاہے کرے جو چاہے کھائے جو چاہے پیئے، جو چاہے سنے، جو چاہے دیکھے، چاہے تو لباس پہنے، چاہے تو لباس نہ پہنے، کوئی اس کو روکنے والا نہیں۔

اس سوچ کے حامل افراد اس کائنات کو ایک مہمل، بے مقصد اور لایعنی تخلیق قرار دیتے ہیں جو انسانی عقل کے نزدیک ایک ذہنی پس ماندگی کی علامت ہے۔

اوپر درج تمام قسم کے افراد اس کائنات کا صحیح تصور نہ رکھنے، صحیح تصور تک پہنچنے کی کوشش نہ کرنے، اور صحیح تصور رکھنے والوں کو غلط القاب، غلط ناموں، قابل نفرت ناموں سے پکارنے والے رویے رکھتے ہیں، اور اپنے خیر خواہ اور انسان دوست پیغمبروں اور ان کی انسان دوست تعلیمات والی کتاب قرآن مجید کو جلاتے ہیں پیغمبروں اور آسمانی کتاب قرآن مجید کی توہین کرتے ہیں۔ ـــــ ایسے تمام افراد اصلاً اپنی ذہنی پسماندگی اور دنیاوی خواہشات میں دھنس جانے اور بے حیائی بدکاری اور بے راہ روی کے ساتھ آزاد خیالی (کہ کسی کی بات اور نصیحت نہ سنی جائے) کی وجہ سے حقیقت کائنات تک نہیں پہنچ پاتے؛ لہٰذا ـــــ انسان کی حقیقت یعنی اپنی حقیقت یا معرفت خودی یا SELF ACKNOWLEDGMENT سے محروم رہتے ہیں اور جانوروں کی طرح بے اصول زندگی گزارتے ہیں صرف کھانا پینا فیملی لائف کے ساتھ سیر و تفریح ہی کو زندگی سمجھتے ہیں۔ ان میں سے بعض پتھر کے بتوں کو بھی پوجتے ہیں اور انسان کی عظمت کو اس وقت تار تار کر دیتے ہیں جب ایک دانا بینا انسان بے جان پتھر کی مورتی کے سامنے سجدہ کر دیتا ہے۔

انسانی تاریخ میں حقیقت کائنات، حقیقت انسان، حقیقت زندگی اور خالق سے انسان کا تعلّق کے موضوعات سے متعلق آج سے ہزاروں سال پہلے بھی یہی طبقاتی تقسیم تھی اور آج کے

ترقی یافتہ اور علمی و تحقیقی ماحول میں اعتقادی سطح پر یہی تقسیم ہے۔

حقیقت کائنات کے تصور تک نارسائی اور خالق کائنات کے صحیح تصور سے دُوری کی وجہ سے ایسے لوگ مخلوقات میں سے انسانوں اور پیغمبروں کو ہی دیوتا اور GOD بنا لیتے ہیں (دیوتا یونانی تصور ہے اور GOD عیسائی اعتقاد ہے) کبھی پتھر کے بتوں کو پوجتے ہیں جیسے آج کا بھارت اور مشرق بعید کے اکثر ممالک۔

اسلام کے نزدیک کائنات کے ناقص تصورات رکھنے والے اور پیغمبروں کو نہ ماننے والے اور عملاً بت پرستی میں مبتلا لوگ، قومیں اور معاشرے مشرک کہلاتے ہیں۔

ابتدائے اسلام میں عرب کے لوگ شرک میں مبتلا تھے اور کعبۃ اللہ میں بھی 'ربّ واحد' کو مان کر، حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے پیروکار ہو کر بھی 360 بُت رکھ لیے تھے۔ یونان، روم، ایران، ہند، جاپان (کے علاوہ مشرقِ بعید)، مغرب میں یورپ، امریکہ میں میکسیکو وغیرہ میں اور افریقہ میں وقتے وقتے سے یہی بت پرستی کا نظام رہا ہے اور ان بتوں میں وہاں کے لوگ خدائی اختیارات ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے۔

اسلام کی تعلیمات کے مطابق عرب کے مشرکین اس کے پہلے مخالف تھے اور اس کو ختم کرنے کے درپے رہے اور باقی دنیا کی بت پرست اقوام بھی ذہنی ہم آہنگی کی وجہ سے 'شرک' میں مبتلا ہو کر اسلام کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔

اسلام کے ابتدائی زمانے میں بھی یہود، نصاریٰ (عیسائی) اور مشرکین تین دشمن قوتیں تھیں جن سے مسلمانوں کو واسطہ پڑا اور مقابلہ کرنا پڑا اور تاریخ میں مسلسل یہی طاقتیں اسلام کے خلاف مقابلے پر آئی ہیں اور آج بھی اسلام کی یہی تین طاقتیں ہی دشمن ہیں۔

تاریخ اسلام میں یہود، نصاریٰ اور مشرکین نے کیا کیا منصوبے بنائے ہیں اور یہ متصادم قوتیں آج سے ایک صدی قبل علامہ اقبال کے جوانی کے دور (1910ء) میں کہاں کھڑی تھیں؟ یہ تفصیل ان شاء اللہ اگلے صفحات میں مناسب جگہ پر بیان ہوں گی۔

باب 3

مسلمانوں کا شاندار ماضی

تمہید

حصہ اوّل: مسلمانوں کی تاریخ

حصہ دوم: اسلام کی نظریاتی تاریخ

تمہید

اسلام ایک آفاقی دین ہے اور خالق کائنات کا بتایا ہوا آسان ترین، سچا اور فطری راستہ ہے جس پر چل کر ہر انسان کامیاب ہوسکتا ہے۔ کوئی رنگ ہو، کوئی نسل ہو، کوئی علاقہ ہو، کوئی زبان ہو اور عورت ہو یا مرد بحیثیت انسان ہر شخص اسلام کا مخاطَب ہے اور اپنی زندگی کے تمام اعمال کا مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کو جواب دہ ہے۔

یہ دین تمام انبیاء علیہم السلام کا دین تھا، زمانے اور گرد و پیش کے تجرباتی علوم کی پیش رفت کے اعتبار سے تفصیلی احکام میں فرق تھا ورنہ اصولی طور پر حضرات نوح، ہود، صالح، ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، موسیٰ، داؤد، سلیمان اور عیسیٰ علیہم السلام کے دین میں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں نوعیت کا کوئی فرق نہیں تھا۔ انسانی تجرباتی علوم اور ذہنی شعور کے فرق کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت مناسب نہیں تھی اور چھٹی صدی عیسوی کے ماحول میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت انسانی ضروریات اور تقاضوں کو کافی نہیں تھی۔ لہٰذا ـــــ اصلاً ہر سابقہ نبی کے ماننے والوں کو نئے نبی کی آمد پر ان کے دین کو قبول کرنا چاہیے تھا مگر ضد، خاندانی رقابت، اَنا اور وسائل کی کثرت و قلّت کی بنا پر سابقہ نبیوں کی اُمتوں نے بعد میں آنے والے نبیوں کی دعوت کو ردّ کر دیا۔ یہود کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قبول نہ کرنا اسی قبیل کا فیصلہ تھا اور یہودِ مدینہ اور نجران کے عیسائیوں یا قیصر روم کا اپنے نام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خط پڑھ کر بھی دائرہ اسلام میں داخل نہ ہونا اَنا اور اغراض کی وجہ سے تھا۔ قیصر روم نے اپنی ضد کی وجہ سے یورپ کو اسلام کی برکات اور سائنسی ترقی کا دروازہ کھلنے کے عمل کو 1000 سال تک مؤخر کر دیا تا آنکہ

1453ء میں سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ فتح کر کے یورپ (بشمول روس) کی طرف اسلام کی تعلیمات کا راستہ کھول دیا۔ حضرت محمد ﷺ نے آخری نبی ہونے کا دعویٰ فرمایا اور یہ قرآن پاک میں درج ہے لہٰذا اب قیامت تک حضرت محمد ﷺ کی اَبدی تعلیمات ہی انسانی ضروریات میں رہنمائی کا کام دیں گی۔

اسلام ایک نظریاتی تعلیم کا نام ہے اور چند حقائق کے اقرار سے کوئی انسان اسلام میں داخل ہوتا ہے۔ اسلام نے مخالفین سے جنگیں کر کے مخالف حکومتیں، سلطنتیں اور راجدھانیاں مٹا دیں مگر کسی شخص کو انفرادی سطح پر اسلام لانے پر مجبور نہیں کیا۔

یہاں ہم اسلام کے بارے میں دو نقطۂ ہائے نظر سے روشنی ڈالیں گے:

حصہ اوّل: مسلمانوں کی تاریخ

حصہ دوم: اسلام کی نظریاتی تاریخ

آگے بڑھنے سے پہلے تاریخ نویسی اور تاریخ بینی کے بارے میں ایک بنیادی اصول نگاہ میں رہے کہ ہر قوم کی تاریخ الگ ہے اور ہر قوم کو اپنی تاریخ اپنے نقطۂ نظر سے لکھنے اور رکھنے کا حق ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ فاتح قوم اور مفتوح قوم کی تاریخ ایک نہیں ہو سکتی۔ سقوطِ ڈھاکہ کی تاریخ جو بھارت لکھے گا وہ اور ہوگی اور جو پاکستان لکھے گا وہ اور ہوگی۔ برطانوی صہیونی سامراج جنوبی ایشیا آ گیا، برطانوی نقطۂ نظر اور ہوگا۔ مسلمانوں سے برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی کے لٹیروں نے حکومت چھینی، مسلمانوں کا نقطۂ نظر اور ہوگا اور ہندو تاریخ اور ہوگی۔ لہٰذا یہاں ہم مسلمان نام کے لوگوں کی تاریخ کا تذکرہ کریں گے۔ کوئی مسلمان ہو کر ہندو نقطۂ نظر کا علمبردار بن جائے یہ ممکن نہیں ہے۔

حصہ اوّل

مسلمانوں کی تاریخ

مسلمانوں کی تاریخ سیّدنا حضرت محمد ﷺ سے شروع ہوتی ہے آپ ﷺ کے مختصر حالات یہ ہیں:

حضرت محمد ﷺ

571ء تا 632ء۔ عام الفیل سے 40 سال۔ 1 تا 13 نبوی۔ 1 تا 11 ہجری

واقعہ	سن ہجری	سن عیسوی
☆ ولادت رحمت دو جہاں ﷺ	عام الفیل 9 ربیع اوّل	22/20 اپریل 571ء
☆ واقعہ شق صدر	ولادت کے تیسرے سال	574ء
☆ والدہ کی وفات	عمر مبارک کے چھٹے سال	576ء، 577ء
☆ دادا کی وفات	عمر مبارک کے آٹھویں سال	578ء، 579ء
☆ شام کا پہلا سفر	عمر مبارک کے بارھویں سال	583ء
☆ جنگ فجار	عمر مبارک کے پندرھویں سال	584ء
☆ حلف الفضول	عمر مبارک کے بیسویں سال	589ء
☆ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی	عمر مبارک کے پچیسویں سال	595ء
☆ حجر اسود کے تنازعے کا فیصلہ	عمر مبارک کے پینتیسویں سال	605ء
☆ بعثت	21 رمضان المبارک، یکم نبوی	12 فروری 610ء
☆ علانیہ تبلیغ کا آغاز	4 نبوی	613ء

☆ دارِارقم کی ابتدا	5 نبوی	614ء
☆ ہجرتِ حبشہ	رجب 5 نبوی	615ء
☆ حضرت حمزہ و عمر رضی اللہ عنہما کا قبول اسلام	6 نبوی	616ء
☆ شعب ابی طالب میں آمد	محرم 7 نبوی	617ء
☆ شعب ابی طالب سے خروج	محرم 10 نبوی	اکتوبر 619ء
☆ وفات ابوطالب	رجب 10 نبوی	مارچ 619ء
☆ وفات حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا	رمضان 10 نبوی	مئی 619ء
☆ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے شادی	شوال 10 نبوی	مئی 619ء
☆ طائف روانگی	شوال 10 نبوی	مئی/جون 619ء
☆ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح	شوال 11 نبوی	جون 620ء
☆ پہلی بیعت عقبہ	ذوالحجہ 12 نبوی	جولائی 621ء
☆ دوسری بیعت عقبہ	ذوالحجہ 13 نبوی	جون 622ء
☆ دارالندوہ میں قریش کا اجتماع	26 صفر 14 نبوی	12 ستمبر 622ء
☆ ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	27 صفر 14 نبوی	13 ستمبر 622ء
☆ غارِ ثور سے روانگی	یکم ربیع الاوّل یکم ہجری	16 ستمبر 622ء
☆ قباء میں تشریف آوری	8 ربیع الاوّل یکم ہجری	23 ستمبر 622ء
☆ مدینے میں داخلہ	12 ربیع الاوّل، یکم ہجری	27 ستمبر 622ء
☆ مسجد نبوی کی تعمیر کی ابتدا	19 ربیع الاوّل، یکم ہجری	12 اکتوبر 622ء
☆ مسلمانوں میں بھائی چارگی	یکم ہجری	622ء
☆ فرضیت جہاد	12 صفر 2 ہجری	16 اگست 623ء
☆ غزوۂ ودّان (ابواء)	صفر 2 ہجری	اگست 623ء
☆ غزوۂ بواط	ربیع الاوّل 2 ہجری	ستمبر 623ء
☆ غزوۂ سفوان	ربیع الاول 2 ہجری	ستمبر 623ء

☆ غزوۂ ذی العُشَیرہ	جمادی الاولیٰ/جمادی الاخریٰ 2ھ	نومبر، دسمبر 623ء
☆ سریۂ نخلہ	رجب 2 ہجری	جنوری 624ء
☆ تحویل قبلہ	17 شعبان 2 ہجری	13 فروری 624ء
☆ غزوۂ بدر	17 رمضان 2 ہجری	13 مارچ 624ء
☆ فرضیت روزہ، زکوٰۃ اور فطرانہ	2 ہجری	624ء
☆ غزوۂ بنی سلیم	شوال 2 ہجری	اپریل 624ء
☆ بنوقینقاع کی جلاوطنی	یکم ذوالقعدہ، 2 ہجری	25 اپریل 624ء
☆ غزوۂ سویق	ذوالحجہ 2 ہجری	مئی 624ء
☆ غزوۂ ذی امر	محرم 3 ہجری	جون 624ء
☆ سریۂ زید بن حارثہ	جمادی الاخریٰ 3 ہجری	نومبر 624ء
☆ کعب بن اشرف کا قتل	14 ربیع الاوّل 3 ہجری	5 ستمبر 624ء
☆ غزوۂ احد	7 شوال 3 ہجری	24 مارچ 625ء
☆ غزوۂ حمراء الاسد	8 شوال 3 ہجری	25 مارچ 625ء
☆ سانحہ رجیع و بئر معونہ	صفر 4 ہجری	جولائی 625ء
☆ غزوۂ بنی نضیر	ربیع الاوّل 4 ہجری	اگست 625ء
☆ غزوۂ نجد	جمادی الاخریٰ 4 ہجری	اکتوبر 625ء
☆ غزوۂ بدر دوم	ذوالقعدہ 4 ہجری	اپریل 626ء
☆ غزوۂ ذومۃ الجندل	25 ربیع الاوّل 5 ہجری	24 اگست 626ء
☆ غزوۂ احزاب	شوال 5 ہجری	فروری/مارچ 627ء
☆ غزوۂ بنی المصطلق (واقعۂ افک)	شعبان 5 ہجری	دسمبر/جنوری 626ء، 627ء
☆ غزوۂ بنوقریظہ	ذوالقعدہ 5 ہجری	مارچ/اپریل 627ء
☆ سریۂ محمد بن مسلمہ	10 محرم 6 ہجری	یکم جون 627ء
☆ غزوۂ بنی لحیان	ربیع الاوّل 6 ہجری	اگست 627ء

☆ صلح حدیبیہ	ذوالقعدہ6ہجری	مارچ628ء
☆ بادشاہوں کے نام خطوط	6ہجری	628ء
☆ غزوۂ ذی قرد	شعبان6ہجری	دسمبر627ء
☆ غزوۂ خیبر	محرم7ہجری	مئی628ء
☆ غزوۂ ذات الرقاع	ربیع الاوّل7ہجری	جولائی628ء
☆ عمرۂ قضاء	ذوالقعدہ7ہجری	مارچ629ء
☆ معرکۂ موتہ	جمادی الاولیٰ8ہجری	ستمبر629ء
☆ سریہ ذات السلاسل	جمادی الاخریٰ8ہجری	اکتوبر629ء
☆ فتح مکہ مکرمہ	20رمضان8ہجری	12جنوری630ء
☆ غزوۂ حنین	11شوال8ہجری	یکم فروری630ء
☆ غزوۂ طائف	شوال8ہجری	فروری630ء
☆ غزوۂ تبوک	رجب9ہجری	اکتوبر630ء
☆ سن وفود	9ہجری	630ء، 631ء
☆ حجۃ الوداع	ذوالحجہ10ہجری	مارچ632ء
☆ جیش اسامہ کی تیاری	صفر11ہجری	مئی632ء
☆ وصال	12ربیع الاوّل11ہجری	9جون632ء
☆ تجہیز وتکفین	13ربیع الاوّل11ہجری	11جون632ء
☆ تدفین	14ربیع الاوّل11ہجری	12جون632ء
☆ عمر مبارک	63سال	

(ماخوذ از ''سب سے سچی کہانی'' مؤلف: ڈاکٹر محمد افتخار کھوکھر)

اضافہ: ذی الحجہ 8ھ میں آپ ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کی ولادت ہوئی اور 10ربیع الاوّل کو اور بقول بعض حجۃ الوداع کے بعد اواخر ذی الحجہ 10ھ میں وفات ہوئی۔

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَ عَلٰى آلِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا

خلافت راشدہ

11ھ تا 40ھ 632ء تا 660ء

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	11ھ تا 13ھ	632ء تا 634ء
حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ	13ھ تا 24ھ	634ء تا 645ء
حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ	24ھ تا 35ھ	645ء تا 655ء
حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ	35ھ تا 40ھ	655ء تا 660ء

.....اسلامی حکومت دو حصوں میں تقسیم رہی۔]

حضرت حسن رضی اللہ عنہ چھ ماہ حکمران رہے بعد ازاں انھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی اور حق حکمرانی سے دستبردار ہو گئے۔

دورِ خلافت راشدہ دورِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد مسلمانوں کی تاریخ کا سب سے حسین دور ہے اور عدل و انصاف، معاشی عدل، عفت و عصمت و پاکدامنی کے ساتھ امن و امان اور احترام جان و مال کا دور ہے۔ کفالت عامّہ یعنی روٹی، کپڑا، مکان، تعلیم اور علاج معالجہ ہر شہری کے لیے تھا۔ اس میں مسلم غیر مسلم سب برابر کفالتِ عامّہ سے فیض پا رہے تھے۔ کثرتِ فتوحات سے اسلام عرب سے نکل کر ایران، افغانستان، شام، عراق، مصر تک پہنچ گیا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بیت المقدس اور ایران فتح ہوئے۔ اسلامی افواج امن، انصاف، معاشی عدل اور کفالت عامّہ کا پیغام لے کر جاتی تھیں اور عوام ظالم حکمرانوں کے مقابلے میں مسلمانوں کو خوش آمدید کہتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں مسلمانوں میں باہمی خلفشار کی وجہ سے اسلامی حکومت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔

دورِ بنواُمیہ

40ھ تا 132ھ 660ء تا 750ء

1۔	امیر معاویہ رضی اللہ عنہ	40-60ھ	661-680ء
2۔	یزید اوّل	60-64ھ	680-683ء
3۔	معاویہ ثانی	64-64ھ	683-684ء

4۔	مروان بن حکم	64-65ھ	684-685ء
5۔	عبدالملک بن مروان	65-86ھ	685-705ء
6۔	ولیداوّل	86-96ھ	705-715ء
7۔	سلیمان	96-99ھ	715-717ء
8۔	عمر بن عبدالعزیز	99-101ھ	717-720ء
9۔	یزید ثانی	101-105ھ	720-724ء
10۔	ہشام	105-125ھ	724-743ء
11۔	ولید ثانی	125-126ھ	743-744ء
12۔	یزید ثالث	126-126ھ	744-745ء
13۔	ابراہیم	126-127ھ	745-746ء
14۔	مروان ثانی (مروان الحمار)	127-132ھ	746-750ء

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور 20 سال تک رہا، فتوحات کا سلسلہ جاری رہا، مراکش میں افریقہ سے مغربی ساحل تک مسلمان جا پہنچے۔ مشرق میں ایران اور افغانستان تک مسلمانوں کی حکومت تھی۔ یزید کے دورِ میں محرم 61ھ میں واقعہ کربلا پیش آیا اور پھر مدینہ میں واقعہ حرہ۔ بنواُمیہ میں سلمان بن عبدالملک سب سے اچھا حکمران تھا۔ عدل وانصاف کے علاوہ فتوحات کا سلسلہ بھی پھیلتا چلا گیا۔ بعدازاں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی کوششیں ہیں۔ دورِ بنواُمیہ میں خلافت راشدہ سے زمانی بُعد 50 سال کی وجہ سے جو خرابیاں پیدا ہوگئی تھیں ان کو دور کر کے بیت المال کو عوام کی خدمت پر لگایا، جاگیریں ختم کر دیں۔ خود حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ بہت سادہ زندگی گزارتے تھے۔ وہ خلیفہ راشد کہلاتے ہیں۔

یہ حکومت آخری دور میں غیر مستحکم ہوگئی اور بالآخر 132ھ میں ختم ہوگئی۔

93ھ میں دورِ بنواُمیہ نے محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے سندھ فتح کیا اور طارق بن زیادہ کے ذریعے یورپی ملک سپین فتح ہوا۔ یورپ میں سپین جس کا پرانا نام اسلامی تاریخ میں اندلس

تھا وہاں مسلمانوں نے 711ء (93ھ) سے 1492ء تک آٹھ صدیاں حکومت کی اور مسلمانوں کی حکومت ملک فرانس کے قلب تک جا پہنچی تھی۔

محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں سندھ اور پنجاب کے ساتھ کشمیر کے علاقے فتح ہوئے گویا موجودہ پاکستان میں پہلی صدی ہجری میں ہی 'خالص عربی اسلام' پہنچ چکا تھا۔

دورِ بنوعباس

132ھ تا 656ھ 750ء تا 1258ء

بنوعباس نے بنواُمیہ سے حکومت چھینی، انھوں نے بڑی وسیع حکومت پائی۔ ان کے دور میں اسلامی حکومت میں توسیع تو نہیں ہوئی مگر تین براعظموں پر پھیلی حکومت سنبھالنے کا کام ہوا۔ انھوں نے فقہ حنفی کو سرکاری قانون بنا دیا اور عدل وانصاف سے لوگوں کی خدمت کی۔

بنوعباس کے دور میں بغداد دارالحکومت تھا اور دنیا کا سب سے بڑا اور ترقی یافتہ شہر تھا۔ دنیا بھر کی تجارت، صنعت وحرفت، معیشت، تعلیم، مدارس غرض ہر طرح سے ایک مرکز تھا۔

بنوعباس نے 524 سال حکومت کی۔

عیسائیوں نے بیت المقدس (جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں 636ء میں فتح ہوا تھا) واپس لینے کے لیے عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان صلیبی یعنی مذہبی جنگ کا ڈول ڈالا مگر 100 سال تک ناکام رہے۔ بالآخر بنوعباس کمزور پڑ گئے اور عیسائیوں نے 1089ء میں بیت المقدس مسلمانوں سے واپس لے لیا اور مسلمانوں پر بے شمار مظالم ڈھائے۔

بنوعباس میں تو جان وہمت نہیں تھی البتہ نورالدین زنگی وصلاح الدین ایوبی نے اپنی عسکری کوششیں کیں اور بالآخر 1192ء میں تقریباً ایک صدی بعد بیت المقدس عیسائیوں سے واپس لے لیا۔

بنوعباس بہت کمزور پڑ گئے تھے حکومتی گرفت بھی کمزور پڑ گئی، علاقائی سردار اور حکمران خود مختار بن بیٹھے، مرکزیّت ختم ہوگئی۔ منگولیا سے پہلے چنگیز خان نے حملہ کیا اور پھر ہلاکو خان نے حملہ کر کے بغداد فتح کر لیا خلیفہ وقت کو قتل کر دیا گیا اور یوں عربوں کے ذریعے اسلام کی عظمت کا سورج غروب ہوگیا۔ یہ مسلمانوں کا پہلا عروج وزوال ہے۔

دورِ بنوعباس

132ھ تا 656ھ 750ء تا 1258ء

محمد بن عبداللہ بن حسن بن علی نفس زکیہ۔ جعفر منصور کے زمانے میں قتل ہوئے امام ابوحنیفہ نے ان کی حمایت کی

عباس

علی بن ابی طالب — علوی — عبداللہ بن عباس

فاطمہ — محمد بن حنفیہ — علی بن عبداللہ

حسنؓ حسینؓ — (محمد بن علی)

زین العابدین (علی بن حسین) — ابوہاشم — محمد بن علی 126ھ

زید بن علی بن حسین 122ھ، ہشام کے زمانے میں فوت ہوئے — نے اپنے خلافت کے حقوق حوالے کیے

محمد باقر 114ھ — امام ابراہیم ۔ 1 ابوالعباس سفاح ۔ 2 جعفر منصور

جعفر صادق 148ھ — خلافت کے دعویدار نہ بنے — 3 محمد مہدی

موسیٰ کاظم 183ھ — 5 ہارون الرشید — 4 ہادی

علی رضا 203ھ — 6 امین الرشید۔ 7 مامون الرشید۔ 8 معتصم باللہ

محمد جواد رضی 220ھ — 9 واثق باللہ — 10 متوکل علی اللہ

علی نقی ہادی 254ھ — حسن عسکری 260ھ — محمد مہدی

حکومت عباسیہ کے تین ادوار

☆ 123ھ تا 247ھ۔ 734ء تا 849ء (115 سال) دورِ عروج

☆ 247ھ تا 447ھ۔ 849ء تا 1049ء (200 سال) دورِ انحطاط۔
خلفاء کمزور۔ سلطنت کا کاروبار امیر الامراء کی مرضی کے مطابق چلا۔

☆ 447ھ تا 656ھ۔ 1049ء تا 1258ء (209 سال)
آخری خلیفہ مستعصم باللہ کو ہلاکو نے قتل کیا۔ بنوعباس کے دور کا خاتمہ

مسلمان مشرق بعید میں

جزیرہ نمائے عرب عالمی تجارت کا پچھلے پانچ چھ ہزار سال سے مرکز ہے۔ مشرق بعید، ہند، دریائے سندھ کا علاقہ اور چین سے مالِ تجارت کے لدے پھندے قافلے دیبل کی بندرگاہ سے گزرتے، یہاں سے مال عدن کی بندرگاہ پہنچایا جاتا وہاں سے عرب تاجر بالخصوص کعبے کے مجاور بنی اسماعیل قریش اور ان کے موالی اس تجارت پر قابض تھے (اسی تجارت کا اشارہ قرآن پاک میں سورۃ قریش (106) میں آیا ہے) یہاں سے مال خشکی کے راستے فلسطین پہنچایا جاتا جہاں سے یہ مال شمالی ایشیا اور یورپ میں جاتا تھا۔

انڈونیشیا اور ملائیشیا کے تاجر بھی آتے تھے اور عربوں سے عدن کی بندرگاہ کی نسبت سے تجارتی روابط رکھتے تھے۔ جب رسولِ خدا سیّدنا حضرت محمد ﷺ کی تشریف آوری ہوئی تو یہ تجارت مسلمانوں کے ہاتھ آ گئی۔ اسلامی تعلیمات کی وجہ سے تجارت میں امانت، دیانت، شرافت اور باہمی رواداری کے عناصر غالب آ گئے یہ سارا کرشمہ حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات اور آپ کے سیرت و کردار کا تھا انڈونیشیا ملائیشیا کے تاجروں کی اپنی طبعی شرافت اور مقدر کی بلندی تھی کہ وہ مسلمان تاجروں کے اعلیٰ تاجرانہ کردار سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے ان کے روابط سرزمین عرب سے مزید مستحکم ہو گئے۔ عقیدت و تسلیم کے جذبات نے ان کی تعلقات میں باہمی محبت و احترام کا عنصر بھی شامل کر دیا تھا۔ اس عمل میں جنوبی ہند کے ساحلی علاقوں کے تاجروں کی بھی قسمت جاگ اُٹھی اور ہند کے دیر نشینوں میں سے بھی کئی سعید روحیں دامن اسلام سے وابستہ ہو گئیں۔

سندھ کا راجہ داہر ____ حضرت محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ

____ اور سندھ دامن اسلام میں

تجارتی تعلقات کی بنا پر مسلم تاجر مشرقِ بعید تک سمندری سفر کرتے۔ اسی طرح کے ایک سفر کے دوران (موجودہ کراچی سے مشرق کی جانب 50 کلومیٹر دیبل کی بندرگاہ تھی اور اس علاقے میں ایک مقامی ہندو راجہ داہر کی حکومت تھی) اس بندرگاہ پر راجہ داہر کے اہلکاروں نے مسافروں اور بالخصوص مسلمان عورتوں سے بدسلوکی کی۔ ایک مسلمان عورت نے فریاد کی کہ کاش کوئی یہ اطلاع

مسلم گورنر عراق حجاج بن یوسف تک پہنچادے۔ یہ خبر بالآخر کئی ماہ بعد وہاں پہنچی۔ حجاج بن یوسف نے راجہ داہر سے جواب طلبی اور سرکوبی کے لیے اپنے بھتیجے محمد بن قاسم کو بعمر 18 سال، 10 ہزار فوج کے ساتھ سندھ روانہ کر دیا۔ یہ لشکر خشکی کے راستے سفر کرتے سندھ پہنچا۔ راجہ داہر نے کسی داد رسی سے انکار کر دیا لہٰذا لڑائی کے علاوہ چارہ نہ تھا جنگ میں راجہ داہر کو شکست ہوئی راجہ داہر قتل ہو گیا مسلمانوں نے تھوڑے عرصے میں پورا موجودہ سندھ فتح کر لیا۔ سکھر کے قریب دارالحکومت بنا اور مسجد تعمیر ہوئی پھر پنجاب کا رُخ کیا گیا۔ موجودہ پنجاب اور دریائے سندھ کے دونوں اطراف کا علاقہ (کشمیر تک) فتح ہو گیا۔ پورے علاقے کو فتح کرنے کے بعد ملتان دارالحکومت قرار پایا وہاں ایک مسجد تعمیر ہوئی جو آج بھی صحیح ترین قبلہ رُخ کے ساتھ علاقے میں مثال ہے۔

سندھ میں 93ھ (711ء) میں مسلمانوں کا یہ پہلا داخلہ تھا اور یہاں کی ہندو آبادی مسلمانوں سے براہِ راست متعارف ہوئی۔ محمد بن قاسم کو جلد ہی دو سال بعد واپس بلا لیا گیا۔ راجہ داہر کا بیٹا جے سنکھ گرفتار ہو کر بغداد لے جایا گیا تھا جہاں وہ مسلمان ہو گیا۔ مسلمانوں کے حسن سلوک سے بہت سے مقامی قبائل مسلمان ہوئے۔ جو قبائل مسلمان نہ ہو سکے انھوں نے محمد بن قاسم کے بُت بنا کر پوجنا شروع کیے ہیں کہ یہ عین جوانی میں بے داغ کردار کا مالک انسان ـــــ انسان نہیں دیوتا ہے۔ موجودہ پاکستان کا سارا علاقہ اِس دور میں دارالاسلام بن گیا تھا۔ مسلمانوں کی فوج میں 93ھ میں صحابہ اور تابعین کی جماعت بھی تھی، جن کے مزارات آج بھی کراچی سے پنجاب تک دیکھے جا سکتے ہیں۔ اس وقت بنواُمیہ کی حکومت خود زوال پذیر تھی لہٰذا مسلمان ہند میں زیادہ فتوحات پر متوجہ نہ ہو سکے۔

مسلمان یورپ میں ـــــ اندلس (سپین، ہسپانیہ)

دورِ بنواُمیہ میں مسلم افواج مشرق و مغرب اور شمال میں بلا روک ٹوک بڑھ رہی تھیں۔ بقولِ علامہ اقبال ؎

مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری
تھمتا نہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا

مسلمانوں کی یہ پیش رفت آج کے امریکہ کی طرح بربریّت اور منظّم تشدد (ڈیزی کٹر بم، ایٹم بم، کارپٹ بمبنگ) کی طرح نہیں تھی بلکہ مسلمانوں کی نیک شہرت، انسانی اعلیٰ اقدار اور

کفالت عامّہ کے ساتھ عدل اجتماعی کا وہ نظام تھا جو بادشاہوں کے ظلم و جور کے تحت سسکتی دنیا اس رومی، یونانی اور ایرانی نظام میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی اور نہ آج مغربی بالادستی میں ممکن ہے کہ یہ یونانی فلسفہ اور رومی طرزِ حکومت کے علمبردار ہیں۔ 93ھ (711ء) میں ہی شمالی مغربی، افریقہ، مراکش سے طارق بن زیاد نے فوج کے ساتھ 20 میل سمندر عبور کر کے یورپ پر حملہ کیا ہے۔ ساحل سمندر پر اُتر کر کشتیاں جلانے کا واقعہ اسی موقع پر پیش آیا تھا۔ بقولِ علامہ اقبال

طارق چو بر کنارۂ اندلس سفینہ سوخت　　گفتند کارِ تو بہ نگاہِ خرد خطا ست
دوریم از سوادِ وطن باز چوں رسیم؟　　ترک سبب ز روے شریعت کجا روا ست
خندید و دستِ خویش بہ شمشیر برد و گفت
ہر ملک ملکِ ما ست کہ ملکِ خدائے ما ست

ترجمہ: طارق (بن زیاد) نے اندلس کے کنارے یورپی ساحل پر کشتیاں جلانے کا حکم دیا تو ساتھیوں نے کہا کہ عقلاً یہ کام غلط ہے، ہم وطن سے دور ہیں واپسی کا سفر کیسے ہوگا؟ اسباب کا ضیاع از روئے شریعت ناپسندیدہ عمل ہے۔ طارق بن زیاد نے مسکرا کر شمشیر کی دھار پر ہاتھ پھیرا اور کہا کہ ساری روئے ارضی کی زمین میری ہے کہ میرے اللہ کی زمین ہے۔ ع ہر ملک ملکِ ما ست کہ ملکِ خدائے ما ست۔ اور میں اللہ کا فرمانبردار بندہ ہوں۔

مسلمانوں نے اندلس فتح کیا اور 711ء سے 1492ء تک یورپ میں حکومت کو توسیع بھی دی اور حکومت بھی کی۔ مسلمانوں کے زوال کے بعد یورپ نے علمی و اخلاقی بددیانتی سے پہلے اندلس نام ختم کر کے اس علاقے کا نام ہسپانیہ کر دیا اور بعد ازاں سپین۔ تاکہ مسلم نوجوان تاریخ میں اندلس کا ذکر پڑھ کر آج کے نقشے میں ڈھونڈتا رہے اور اسے اس نام کا کوئی ملک نہ مل سکے۔

یورپ اور سپین

مسلمانوں کے ہاں علم، ترقی، خوشحالی، اخلاق، کردار، امن و امان، عدل و انصاف، کفالت کا نظام اور غیر مسلموں سے حسن سلوک تھا لہٰذا مسلمانوں نے طویل عرصے حکومت کی بقول برطانوی مصنف برٹرینڈ رسل (1872ء-1971ء) اس وقت یورپ دورِ جہالت (DARK AGES) میں تھا جبکہ مسلم یورپ سپین میں علم اور ترقی تھی اور پختہ سڑکیں تھیں رات کو

سڑکوں پر روشنی کا بھی اہتمام کیا جاتا تھا جبکہ برطانیہ میں یہ نظام برٹرینڈ رسل کی جوانی کے دور میں بھی نہیں تھا۔ پورے یورپ سے نوجوان سپین کی طرف حصولِ علم کے لیے اسی طرح کھنچے چلے آتے تھے جیسے آج ہمارا نوجوان امریکہ اور برطانیہ کی یونیورسٹیوں کا رُخ کرتا ہے۔

دورِ بنوعباس ____ یہود اور یورپ کے عیسائی

مسلمانوں کے عروج سے جو طبقات متأثر ہوئے ان میں یہود سب سے نمایاں ہیں۔ یہ طبقہ دورِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے کوئی چھ صدیاں قبل، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انکار پر عذاب کے نتیجے میں، ٹائٹس رُومی کے ہاتھوں فلسطین سے بے دخل ہوا اور جگہ جگہ مارا مارا پھرا۔ اپنے اس دور کو یہود دورِ انتشار (DIASPORA) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ فلسطین سے نکل کر صدیوں پرانے عالمی تجارتی رابطوں کی روشنی میں جہاں جہاں ممکن ہوا وہاں جا کر آباد ہوئے۔ اس آبادکاری میں ان کے اپنی صدیوں پرانے اجتماعی منصوبوں کے تقاضے شامل تھے جو انھوں نے فری میسن (FREE MASON) اور صہیونیت کے نام سے پہلے سے طے کر رکھے تھے۔

مدینے میں یہود کے تین قبائل کی آبادکاری پہلے صدی عیسوی کی ہے اور اس آبادکاری میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ان کی کتب سے درج پیش گوئیوں کی روشنی میں ان سے متعلق صہیونی منصوبوں کی تکمیل شامل تھی۔ مدینے میں قیام کے دوران یہ قبائل اہل مدینہ کو اہل کتاب ہونے کی وجہ سے اپنی برتری کا احساس دلاتے اور اہل عرب کو 'اُمّی' یعنی کتابوں سے محروم ہونے کا طعنہ دیتے۔ گفتگوؤں میں ایک آخری نبی کی آمد کی خوش خبری دیتے اور ان کے ساتھ ہو کر سیاسی غلبہ حاصل کرنے کی پیش گوئیاں کرتے۔ اہل عرب ان سے خاصے متأثر تھے۔ یہود کی یہی آخری بات سیّدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل مدینہ سے ایامِ حج (10 نبوی) کے دوران منیٰ میں ایک دعوتی ملاقات میں فیصلہ کُن ثابت ہوئی کہ اہل مدینہ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے میں یہود پر سبقت لے لی۔ تین سال بعد جب سیّدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ میں آئے تو یہود نے آپ کو پہچاننے کے باوجود ایمان لانے سے انکار کر دیا (معدودے چند افراد ایمان لائے) حقیقی وجہ تو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں مگر بظاہر یہود کی قتل انبیاء کی پرانی عادت کی وجہ سے خدا بیزاری، وحی دشمنی اور مذہب دشمنی کا عنصر نمایاں تھا پھر خاندانی تعصب بھی تھا کہ وہ بنی اسرائیل میں سے کیوں

نہیں، بنی اسماعیل میں کیوں ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہود کا آپ ﷺ سے 'میثاقِ مدینہ' کے باوجود مخاصمانہ رویہ رکھنا اہل علم کے نزدیک ناقابل فہم ہے۔ ایک توجیہ ہی ممکن ہے کہ یہود اپنے دل میں ایک خفیہ مشن اور پروگرام رکھتے تھے اور وہ حضرت مسیح علیہ السلام سے اپنے رویّے کی طرح دشمنی کا تھا اور ان کا مقصد صہیونیت کے مطابق 'قتل' ہی تھا۔ چنانچہ 'میثاقِ مدینہ' کے باوجود جنگ بدر، اُحد اور خندق کے موقع پر مشرکین مکہ سے گٹھ جوڑ اور منافقین کی سرپرستی ایسے حقائق ہیں جو اسی جانب اشارہ کرتے ہیں۔ جنگ بدر کے بعد ایک قبیلہ جلاوطن کیا گیا مگر یہود پھر بھی باز نہیں آئے جنگ اُحد کے بعد دوسرا قبیلہ جلاوطن ہوا اور جنگ خندق کے بعد آپ ﷺ نے تیسرے قبیلہ کے خلاف فوج کشی فرمائی۔ ثالثی میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے یہود سے متعلق یہ فیصلہ دیا کہ ان کے مردوں کو قتل کر دیا جائے، عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا جائے۔ مگر انھوں نے رحم کی اپیل نہیں کی۔ یہی نہیں بلکہ دو واقعات تو ریکارڈ پر ہیں کہ سازش طشت از بام ہوگئی (وگرنہ درجنوں ایسی سازشیں ناکام رہیں) تینوں قبائل پہلے خیبر بھیجے گئے، حدیبیہ میں مشرکین مکہ سے صلح کے بعد جنگ خیبر کے بعد خیبر سے بھی شمال کی طرف نکال دیے گئے اور آپ ﷺ نے وفات سے پہلے یہ فرمایا تھا کہ ان کو جزیرۃ العرب سے نکال دیا جائے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں سیاسی استحکام کے بعد یہود کو عرب سے نکال دیا گیا۔ یہ یہود مدینہ میں غلط مقاصد لے کر آئے تھے ناکام ہوئے اور اسلام دشمنی، قرآن دشمنی اور پیغمبر اسلام ﷺ کی دشمنی ان کی گھٹی میں پڑی ہے۔ قتل انبیاء کے جرم (جو قرآن مجید باصرار بیان کرتا ہے اور سب سے بڑا جرم قرار دیتا ہے) کے نتیجے میں آسمانی وحی، اخلاق، علم، انسانیت، شرم وحیا، عفّت وعصمت عام انسانی اقدار غرض ہر اچھائی کے دشمن بن گئے بلکہ ہر برائی کے داعی، اشاعت کرنے والے اور ابلیس کے فرنٹ مین (FRONT MAN) ہیں۔

یہود ہی کے زیر اثر عیسائیوں میں اکثر فرقے ہیں جو ہدایت کی راہ سے ہٹ کر شرک کے فروغ کے لیے کام کر رہے ہیں بیت المقدس پہلے یہود کے پاس تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری پر یہ مرکز ہدایت عیسائیوں کی میراث ٹھہرا اور حضرت محمد ﷺ کی تشریف آوری پر پہلے شب معراج میں یہ مرکز آپ ﷺ کے حوالے کر دیا گیا اور عملاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ مسعود میں بغیر جنگ کے مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔ پیغمبروں کی سرزمین پیغمبروں کی میراث اور ان کی

اُمت کا ہی حق ہے۔ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا (جو ان کے اپنے خاندان بنی اسرائیل تھے) انکار کیا، دربدر ہوئے اور عیسائی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول نہ کر کے بیت المقدس سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ (اب 1967ء سے یہودی بیت المقدس پر غاصبانہ قبضے کے آرزومند ہیں۔ اسرائیل کی ناجائز ریاست اسی لیے منظر عام پر لائی گئی۔ یہ مسلمانوں کی کمزوری ہے کہ وہ اس کو اپنی کمزوری اور 'وھن' کی بیماری کی وجہ سے برداشت کر رہے ہیں)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بیت المقدس 636ء میں مسلمانوں کے پاس آ گیا۔ عیسائیوں سے بڑا نرم سلوک کیا گیا حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہود کو اپنے اس متبرک مقام کے زیارتی سفروں کی (وزٹ ویزا جیسی) اجازت بخشی مگر یہود نے یورپ کے عیسائیوں کو اکسایا اور دور بنوعباس میں مسلم ریاست کی کمزوری کی بنا پر پورا یورپ ایک مذہبی جنگ (عیسائیت بمقابلہ اسلام جس کو صلیبی جنگ یا CRUSADES) کا نام دیا گیا بیت المقدس کی آزادی کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ شہزادے حکمران اور عوام برہنہ پا اس مقدس سفر میں مذہبی رہنماؤں کی قیادت میں طویل سفر کر کے سمندر کے راستے فلسطین پر حملہ آور ہوئے۔ یہ حملے کئی دفعہ ہوئے بالآخر 1089ء میں صلیبیوں نے بنوعباس سے یہ علاقہ چھین لیا اور مسلمانوں پر بڑے مظالم کیے۔

بنوعباس کی حکومت کمزور تھی چنانچہ بنوعباس سے ممکن نہ تھا کہ بیت المقدس واپس لیتے اللہ تعالیٰ نے قریبی علاقے سلطان نورالدین زنگی اور سلطان صلاح الدین ایوبی کو اٹھایا انھوں نے کئی جنگوں کے بعد بالآخر ایک صدی بعد (1192ء) بیت المقدس عیسائیوں (صلیبیوں) سے واپس حاصل کر لیا۔

ڈیڑھ صدی کے صلیبی حملوں سے عیسائیوں کو بغداد اور مسلم حکومت کے علاقوں سے متعلق معلومات حاصل ہوئیں۔ یورپ جہاں جہالت تھی، غربت تھی، پتھر کا زمانہ (DARK AGES) تھا انھوں نے مسلمانوں کے ہاں ایجادات، خوشحالی، ترقی، تجارت اور خوشنما تعمیرات دیکھیں تو ان کا تأثر قبول کیے بغیر نہ رہ سکے اور صلیبی مہمات کا بالواسطہ نتیجہ یہ نکلا کہ یورپ مسلم تہذیب وثقافت کا دلدادہ ہو گیا۔

یہود کے صہیونی سازشی ابلیسی منصوبوں کی تاریخ تین ہزار سال پرانی ہے اور اسلام

کے خلاف پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کی بلند شان کی نسبت سے بڑی سازشیں ہوئیں اور آپ ﷺ کے قیامت تک کے دورِ نبوت و رسالت کی مناسبت سے مخالفت میں بھی ایک طبقہ (یہودیت صہیونیت کی اسلام دشمنی اور خدا بیزار و وحی دشمنی پالیسیوں) کو طویل مہلت دی گئی تا کہ مقابلہ کی ایک کیفیت رہے اور بالآخران سازشوں کے باوصف قربِ قیامت میں اسلام کا غلبہ عام اسباب کی سطح پر ایک عمل اور اس کے ردّعمل یا انسانی کوششوں کا نتیجہ محسوس ہو۔

یہود نے بیت المقدس کے دوبارہ مسلمانوں کے ہاتھ چلے کے سانحے کو دل میں اپنی ناکامی محسوس کیا اور اپنے عالمی تجارتی رابطوں کی بنیاد پر منگولیا (چین) کے حکمرانوں کو پانچ صدیوں کی حکمرانی کی طویل مدت گزار کر کمزور ہونے والی مسلمان مملکت پر حملے کی دعوت دی اور اندرونی لاجسٹک سپورٹ کے وعدہ کیے۔ جس سے چنگیز خان نے سدّ ذوالقرنین کے راستے (جارجیا سے آذربائیجان کے راستے) بغداد کی طرف پیش قدمی کی اور حملے کیے اور بالآخر ہلاکو خان نے حملہ کر کے 1258ء میں عربوں کی عظیم سلطنت، بنوعباس کے مرکز بغداد کو تاخت و تاراج کر دیا اور خلیفہ کو قتل کر دیا گیا۔

صہیونیت نے چنگیز خان اور ہلاکو خان کی لاجسٹک سپورٹ کے عوض ایسے مفادات حاصل کیے اور مسلم دنیا اور یورپ میں اپنے پنجے ایسی مضبوطی سے گاڑے کہ بالآخر وہ آگے چل کر عالمی قبضے کی شکل اختیار کر گئے۔

عالم اسلام سقوطِ بغداد کے بعد

سقوطِ بغداد کے عالم اسلام میں برائے نام خلافت تو رہی مگر وہ یکجہتی اور استحکام نہ رہا علاقائی حکومتیں قائم ہوئیں خلافت جلد ہی ترکوں کو منتقل ہوگئی جنھوں نے آگے چل کر اس اسلامی اقتدار کی قیادت کا حق ادا کر دیا کہ 1453ء میں سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ ـــــ مشرقی بازنطینی چرچ (روسی چرچ) کا مرکز فتح کر کے اس پر اسلام کا جھنڈا لہرا دیا۔ یورپی چرچ پہلے ہی غیر مستحکم تھا لہٰذا مسیحی دنیا میں کھلبلی مچ گئی اور جلد ہی مشرقی یورپ اور روس تک کے علاقے اسلام کے زیرنگین آ گئے۔ صہیونی منصوبہ سازوں نے مسیحی دنیا کے ساتھ مل کر بقا کی خاطر (کہ مشرق میں یورپ کے دروازے پر عظیم ترک حکومت قائم ہے اور یورپ کے مغربی راستوں پر سپین میں پہلے

سے خاندان بنواُمیہ کی باقیات مسلمان قابض تھے) مسلمانوں کو سپین سے نکال دیا، یہود کو مسلم سپین میں بڑی عزت کی زندگی میسر تھی مگر وہ موقع پر سانپ کی طرح ڈستے ہیں کہ مُحسن اور دشمن کا فرق بھی روا نہیں رکھتے۔ سپین سے مسلم اقتدار اس طرح ختم ہوا کہ مسلمانوں کو اوّلاً عیسائی بننے پر مجبور کیا گیا ثانیاً جو انکاری ہوئے انہیں افریقی ساحل پر پہنچا کر جلاوطن کر دیا گیا اور ثالثاً باقی بچنے والوں کو قتل کر دیا گیا کہ سپین میں 1492ء کے بعد 500 سال تک کوئی نام کا مسلمان بھی نہ تھا۔

مغربی یورپ میں مسلم اقتدار کے خاتمے سے عالم عیسائیت کو کچھ سکون ملا تو یہودی ذہن نے اپنے لیے دنیا کی گہما گہمی سے دور کولمبس کے ذریعے دریافت شدہ ملک (1498ء میں کولمبس امریکہ گیا اس کا گائیڈ مسلمان تھا اور امریکہ میں پہلے سے مقامی قبائل اور مسلمان آباد تھے) میں جا کر پناہ لی اور اپنے لیے نئی دنیا آباد کرنے کا منصوبہ بنایا اوّلاً یہ برطانوی آبادی تھی مگر جلد ہی برطانیہ سے آزادی حاصل کر کے شمالی امریکہ میں صہیونی اقتدار کی داغ بیل ڈالی گئی۔ 1776ء میں امریکی آزادی کے دن سے یہ ملک USA اب ایک مکمل طور پر صہیونی ملک ہے اور وہی اس کے اقتدار پر بلاشرکت غیرے قابض ہیں۔

ایران میں سقوطِ بغداد کے بعد افراتفری رہی چھوٹی چھوٹی سلطنتیں بنتی اور بگڑتی رہیں۔ بالآخر ایران میں صفوی حکومت 1500ء کے لگ بھگ قائم ہوئی جس نے اپنے اقتدار میں شیعہ نقطہ نظر کو مضبوط بھی کیا اور فروغ بھی دیا۔ آج کا ایران اسی صفوی نقطہ نظر کے زیر اثر ہے۔ جنوبی ایشیا میں باقاعدہ مسلم حکومت سے پہلے 1206ء میں لاہور میں قائم ہوئی اور پھر دارالحکومت دہلی منتقل ہو گیا کئی خاندانوں کے حکومت اور اقتدار کے بعد بالآخر 1526ء میں افغانستان سے آئے مغل حکمران بابر نے مغلیہ سلطنت کی بنیاد رکھی جو آگے تین صدیوں تک اقتدار میں رہے۔

بظاہر مغلیہ حکومت، صفوی حکومت اور عثمانی حکومت (ترکوں کی حکومت) عالم اسلام ہی کہلاتا تھا اور عثمانی سلطنت کا حکمران خلیفہ کہلاتا تھا اور باقی حکومتیں اس سے عہد وفاداری کر کے حکومت کا پروانہ حاصل کرتی تھیں مگر داخلی طور پر یہ حکومتیں خودمختار تھیں۔ یہ خلافت برائے نام تھی مگر اس کی بھی عالم اسلام پر بڑی برکات تھیں۔

جنوبی ایشیا میں مسلم اقتدار 1526ء کے بعد

مغلیہ خاندان نے برسر اقتدار آ کر پورے ہند پر قبضہ کر لیا اور اپنے اقتدار کو مستحکم بھی کیا بابر کی وفات پر اس کا بیٹا ہمایوں حکمران بنا۔ مگر ہمایوں بڑا کمزور حکمران تھا۔ حکومت غیر مستحکم تھی۔ ہمایوں کے ہی ایک علاقائی گورنر شیر شاہ سوری موقع پا کر ہمایوں کے مقابل آ گیا اور 1540ء میں ہمایوں کو شکست دے کر مغلیہ سلطنت پر قابض ہو گیا۔ ہمایوں شکست کھا کر سندھ کے راستے ایران چلا گیا جہاں سے ایک عرصے بعد بارہ ہزار کی فوج کے ساتھ واپس لوٹا اور شیر شاہ سوری کے بیٹے کو شکست دے کر مغلیہ سلطنت کو بحال کر دیا۔ [ہندو مسلمان حکمرانوں کے مظالم کا ایک مصنوعی رونا روتے ہیں ورنہ اگر پورے ہندوستان سے صرف دس ہزار جوان مرد اکٹھے کر لیتے تو سوری خاندان سے حکومت چھین سکتے تھے۔ درحقیقت پورے ہند میں ایک نظریہ اور نقطۂ نظر تھا ہی نہیں جس کی بنیاد پر ہندو ذہن یکسو ہو۔ ثانیاً ہندو سوچ میں عوامی فلاح کا کوئی پروگرام ہی نہیں تھا (اس لیے کہ ان میں ذات پات کی دائمی تقسیم ہے) جو مسلم اقتدار اور تعلیمات کے مقابلے میں ٹھہر سکتا۔ لہٰذا مسلم حکمرانوں کے مظالم کی داستانیں سب فرضی اور من گھڑت ہیں]۔

ہمایوں کے ایران سے آنے والے سپاہی شیعہ تھے اور حکومت کی بحالی کے بعد ہمایوں کو ان سپاہیوں کو بے پناہ مراعات دینا پڑیں، انہیں بڑے بڑے عہدے، جاگیریں اور منصب عطا ہوئے۔ ہمایوں سے پہلے جنوبی ایشیا میں شیعیّت نہیں تھی ہمایوں کے ذریعے شیعیت نے یہاں قدم جمائے جو بعد میں ایک مؤثر طبقہ بن گیا۔ ہمایوں کی وفات (1556ء) پر اس کا بیٹا جلال الدین اکبر حکمران بنا وہ اس وقت ابھی نابالغ تھا۔ لہٰذا یہ بات واضح ہے کہ آج کی اصطلاح میں اتنی وسیع سلطنت اور ایک نابالغ لڑکا، گویا اس کی پشت پر کوئی مافیا یا ایجنسیز (AGENCIES) تھیں جو دراصل امورِ مملکت چلا رہی تھیں۔

اکبر کی نااہلی اور عالمی مافیا (جس میں ہندو، صفوی حکومت کے منصوبہ جات، یہودی صہیونیت اور عیسائیت کے علاوہ جین مت اور بدھ مت کے فلسفہ جات شامل تھے) کی برموقع حالات کو قابو کرنے کی پالیسی تھی کہ اکبر کے ذریعے اسلام کے خلاف سازش ہوئی اور مسلم اقتدار کو طاقت کے ذریعے میدانِ جنگ میں شکست دینے کی بجائے محلاتی سازش کے ذریعے راستے سے

ہٹانے کا منصوبہ بنا اور مسلمان عوام کے کسی یک لخت اچانک ردّعمل سے بچنے کے لیے یہود نے اکبر کے ذریعے یہ بات عام کی کہ آسمانی ہدایت کی مدت ایک ہزار سال ہوتی ہے اور اسلام کے آغاز کو 1000ھ (بمطابق 1595ء) پورے ہو رہے ہیں لہٰذا ___ اب اسلام پرانا (OUT-DATED) ہو چکا ہے۔ دنیا کو ایک نئے دین کی ضرورت ہے چنانچہ اکبر کے ذریعے 'دین الٰہی' جاری کرایا گیا اور اس کی ساری تفصیلات مختلف مذاہب سے جمع کر کے ایک معجون مرکب (COMPOUND) بنا دیا گیا۔ مسلمانوں کے نزدیک اکبر بادشاہ اس عمل کے اعلان سے اسلام سے مرتد ہو گیا۔ جبکہ اس کے اس عمل کی وجہ سے ہندو اور دوسری سازشی اکائیوں کی آنکھوں کا وہ (اکبر) تارا بنا رہا۔ اکبر نے آج کی اصطلاح میں کسی خاص مذہب کی پابندی کی بجائے روشن خیالی اور آزاد روی (لبرل ازم) یا اباحیت پرستی کا پرچار کیا اور اس طرح اکبر کا یہ اقدام اسلام کے خلاف اپنے وقت پر پورے عالم اسلام میں سب سے بڑا اندرونی حملہ اور داخلی ناسور قرار پایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا سدّ باب فرمایا اور ایسے حالات پیدا کر دیے کہ ___ اکبر کی یہ محلاتی سازش اس کی زندگی میں بھی قبول عام حاصل نہ کر سکی بلکہ اس کی زندگی کے ختم ہوتے ہی اس کے ساتھ دفن ہو گئی اور ایک صدی کے اندر (اکبر کی وفات 1605ء اور اورنگزیب کی وفات 1707ء) جہانگیر کی توبہ سے حالات بہتر ہوئے اور شاہ جہاں کے بعد اسی خاندان میں ہی اورنگزیب جیسا بادشاہ پیدا ہو گیا۔ ہندوؤں نے، برہمو سماج اور سب مذاہب ایک جیسے ہیں اور ایک ہی سچائی کو ظاہر کرتے ہیں، کے نظریے کو پھیلا کر دارا شکوہ وغیرہ کے ذریعے اسلامی تعلیمات کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی ساری سازشیں بے اثر کر دیں۔

اورنگزیب نے ایک عظیم سلطنت کا مقتدر فرمان روا ہونے کے باوجود ایک مخلص مسلمان کی زندگی گزاری اور خلافت راشدہ کے عکس درویش بادشاہت کی مثال کو زندہ کر دکھایا علامہ اقبال نے فرمایا: ع ترکش ما را خدنگ آخرین

ہمارے ترکش کا آخری (کارآمد) تیر (اورنگزیب تھا)

اسی وجہ سے اسی عالمی مافیا کی نظر میں اکبر مغل اعظم ٹھہرا اور اورنگ گردن زدنی جبکہ مسلمانوں کی نگاہ میں اکبر ___ مرتد ہو کر مرا جبکہ اورنگ زیب ایک مثالی مسلمان درویش حکمران

کے منصب پر فائز ہوا۔

بغداد اور سپین میں مسلم زوال کے بعد یورپ کی بیداری، علمی وسائنسی ترقی، صنعتی انقلاب اور عالم اسلام

انسانی تاریخ میں تجرباتی علوم اور اس کے نتیجے میں ہر دور میں صنعتی اور تہذیبی ترقی اولمپک ٹارچ (OLYMPIC TORCH) کی طرح ہوتی ہے ایک قوم ایک حد تک تجرباتی اور سائنسی علوم کو آگے بڑھاتی ہے۔ اس پر اپنی اخلاقی جرائم کی وجہ سے زوال آجاتا ہے تو دوسری قوم اُٹھ کھڑی ہوتی ہے اور تجرباتی علوم کی ٹارچ دوسری قوم سنبھال لیتی ہے۔ چینیوں، ہندوؤں اور یونانیوں سے مسلمانوں نے تجرباتی علوم لیے اور ان کو بہت آگے بڑھادیا پھر بغداد اور سپین میں خالق کائنات کے اٹل قانون کے تحت مسلمانوں نے دین سے تمسک کو چھوڑ کر دنیاداری کی راہ اپنالی تو زوال آگیا یورپ نے سپین اور بغداد سے حاصل کردہ کتابوں کو سنبھال کر رکھا اور اپنے نصاب میں شامل کر کے تجرباتی علوم کو آگے بڑھایا۔

علامہ اقبال نے فرمایا:

حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ اک عارضی شے تھی
نہیں دنیا کے آئین مُسلَّم سے کوئی چارا
مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا
''دغنی! روزِ سیاہ پیر کنعاں را تماشا کن
کہ نور دیدہ اش روشن کند چشم زلیخا را''

(حضرت یوسف علیہ السلام اپنے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں ٹھنڈی کرتے، مگر نیرنگیٔ قدرت کہ وہ زلیخا کی آنکھیں ٹھنڈی کر رہے تھے اسی طرح مسلمانوں کا علمی ورثہ مسلمانوں کے پاس ہونا چاہیے تھا مگر وہ مغربی ممالک کے پاس چلا گیا ہے)

یورپ نے ان علوم کو آگے بڑھایا سائنسی ترقی ہوئی صنعت کے میدان میں انقلاب

آ گیا۔ یورپ اس صنعتی انقلاب اور علمی پرتری کی وجہ سے دنیا میں نکل کھڑا ہوا اور 1750ء تک تک تمام دنیا کے معلوم زمینی رقبے پر قابض ہو چکا تھا۔ اس قبضے میں زیادہ حصہ صہیونی سامراج کا نمائندہ تاجِ برطانیہ کا تھا۔ سیموئیل پی ہنٹنگٹن نے بعد میں 'تہذیبوں کا تصادم' کتاب لکھی اس میں وہ یورپی اقوام کے روئے ارضی پر اس قبضے سے متعلق حیران کن انکشاف کرتا ہے:

''.....1500ء سے 1750ء کے درمیانی عرصے میں پہلی عالمی سلطنت کو قائم کرنے میں مغرب والوں کی کامیابی کا دارومدار ان کی جنگی استعداد میں اضافے پر تھا جس کو ''فوجی انقلاب'' کا عنوان دیا گیا ہے۔ مغرب نے دنیا کو اپنے نظریات یا اقتدار یا مذہب میں برتری کی وجہ سے فتح نہیں کیا تھا بلکہ اس وجہ سے فتح کیا تھا کہ منظّم تشدد کرنے میں اس کو برتری حاصل تھی۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کو مغرب کے لوگ تو بھول جاتے ہیں لیکن غیر مغربی لوگ فراموش نہیں کرتے۔''

یورپی اقوام کا یہ غلبہ 1500ء سے شروع ہو کر روئے ارضی پر پھیل گیا خصوصاً 1498ء میں واسکوڈی گاما کے ذریعے راس اُمید کے پاس سے (جنوبی افریقہ) واپس ایشیا آنے کا راستہ معلوم ہونے سے یورپی اقوام نے جنوبی ایشیا میں تیزی سے قدم جمانے شروع کر دیے۔ جنوبی ایشیا اس وقت 'سونے کی چڑیا' کہلاتا تھا میدانی علاقوں، دریاؤں، سازگار زرعی ماحول اور زراعت کی بکثرت پیداوار اور صنعت وحرفت کی وجہ سے خوشحالی کو دیکھ دنیا والے اسے 'سونے کی چڑیا' کہتے تھے۔ مغربی اقوام نے یہاں تجارت کے لیے اسفار کیے اور ساحلی علاقوں پر نوآبادیاں بنائیں، رہائشیں بنائیں۔ مغرب نے سمندری سفر میں برتری کی وجہ سے اپنے تجارتی مال کو دنیا کی مشہور بندرگاہوں تک پہنچانا شروع کر دیا۔ دُور سے لایا ہوا مال مقامی مصنوعات سے مہنگا پڑتا تھا۔ برطانیہ نے مشرق میں فوجی قبضہ کی بجائے ایسٹ انڈیا کمپنی (EAST INDIA COMPANY) بنائی مقامی مغل بادشاہوں سے امپورٹ ٹیکس معاف کروالیا اور یوں ایک طرف تجارت میں آگے بڑھ گئے اور دوسری طرف اسی ٹیکس کی چھوٹ کی آڑ میں اسلحہ لانا شروع کر دیا۔

یورپی ترقی کی زد میں سب سے زیادہ مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے مسلمان ممالک آئے کہ وہ براہِ راست یورپ کی زد میں تھے۔ وہاں یورپی مال بھی آیا اور تہذیب وتمدّن کے

ساتھ نظریات بھی۔ سیکولرازم کے ساتھ آزادئ نسواں کی تحریک بھی مغربی زہریلے تیروں میں ایک تیر ہے (مسلمانوں میں عورتوں کو اقتدار تک پہنچادیا مگر امریکہ میں 2016ء تک کوئی عورت اپنی ملکی ترقی میں حصہ وصول کر کے حکمران نہ بن سکی۔ امریکہ جیسے لبرل ملک میں تو آرمی چیف، چیف جسٹس، کانگریس اور سینٹ کے سربراہوں سے لے کر ملک کے اعلیٰ عہدوں پر خواتین ہی نظر آنی چاہئیں تھیں مگر نامعلوم کوئی مافیا ہے کہ مسلم ممالک میں ان اقدار کو فروغ دیتا ہے اور امریکی معاشرے کو ان بھلائیوں سے محروم رکھتا ہے۔ سوچنے اور غور کرنے کا مقام ضرور ہے)

جنوبی ایشیا میں مسلمان 20% ہوکر بھی صدیوں سے حکمران تھے ہندو غالب اکثریت میں ہونے کے باوجود کوئی نظریہ یا عوامی فلاح و بہبود کا پروگرام نہیں رکھتا تھا اس لیے محکوم تھا اور اس پر خوش تھا۔ برطانوی تاجروں کے آنے سے ساحلی علاقوں سے ہندوؤں نے تجارت میں آگے بڑھ کر انگریزوں کا ساتھ دیا۔ انگریز اپنے تاجروں کی عسکری سرگرمیوں کی وجہ سے مسلمانوں کو دُور رکھنا چاہتے تھے۔ لہٰذا مسلمان عوام بھی انگریزوں سے تجارت میں دُور رہے۔

انگریزوں نے درپردہ ہندوؤں کو مسلمانوں کا محکوم بن کر رہنے پر بھڑکایا اور اپنے ساتھ ملالیا۔ ہندو اندرونِ ملک برطانوی مال کی تجارت پر چھا گئے اور انگریزوں سے گھل مل گئے۔ 1753ء میں برطانوی تجارتی کمپنی نے ہندوؤں کو ورغلا کر ساتھ ملایا، مسلمانوں میں سے میر جعفر نے ساتھ دیا اور جنگ پلاسی میں مغلوں کے گورنر نواب سراج الدولہ کو شکست دے کر بنگال پر قبضہ کرلیا۔

1799ء میں ایک طویل مزاحمتی جنگوں کے سلسلے کے بعد میر صادق کو ساتھ ملا کر سلطان فتح علی ٹیپو کو دھوکے سے شہید کر کے انگریزوں نے میسور کی ریاست پر بھی قبضہ کرلیا۔ آس پاس کے ہندو راجے مہاراجے انگریزوں سے بظاہر صلح اور مفاہمت مگر درپردہ مسلم دشمنی اور مسلم اقتدار کو زک پہنچانے کے لیے انگریزوں کے دست و بازو بن گئے۔ حیرت ہے کہ کمال حسنِ اتفاق یا کامیاب سازش کہ 1753ء کی جنگ پلاسی کے بعد انگریز دہلی کی تیاری کر رہا تھا اور میسور پر حملے کا سوچ رہا تھا کہ اسی زمانے میں ہندو مرہٹہ قوت بھی جنوبی وسطی ہند سے سر اٹھا کر مسلم اقتدار کے خاتمے کے لیے منظم ہوکر دہلی کا رُخ کر رہی تھی۔ خطرہ تھا کہ وہ دہلی پہنچ کر قبضہ نہ کرلیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے خط پر احمد شاہ ابدالی نے آکر پانی پت کے میدان میں 1761ء میں مرہٹوں

کوشکست فاش سے دوچار کر دیا۔ احمد شاہ ابدالی اس فتح کے بعد جلد واپس چلا گیا۔

میسور سے لے کر دہلی تک کسی قابل ذکر علاقائی راجے مہاراجے یا مغل گورنر نے مزاحمت نہیں کی اور انگریز 1803ء میں دہلی پہنچ گئے۔ انگریز نے مسلمانوں کے شدید اور عمومی ردّعمل سے بچنے کے لیے بادشاہت کو ختم نہیں کیا نہ بادشاہ کو ہٹایا ـــــ بلکہ حکومت مغل بادشاہ کی رہی مگر ایک انگریز ریذیڈنٹ بادشاہ سلامت کے ساتھ بیٹھتا تھا کہ بادشاہ سلامت کے تمام فیصلے ریذیڈنٹ کے مشورے اور منظوری سے نافذ ہوں گے۔ اس طرح بالواسطہ مسلم اقتدار کمزور ہو گیا اور ایسٹ انڈیا کمپنی کا کردار بڑھ گیا۔

خاندانِ مغلیہ کی کمزوری اور عدمِ استحکام کی وجہ سے علاقائی راجوں اور سرداروں نے اپنی حکومتوں کا اعلان کر دیا۔ سندھ، پنجاب، سرحد اور کشمیر میں کلہوڑے، عباسی اور سکھوں نے اپنی حکومتیں بنالیں۔ سکھ آہستہ آہستہ ملتان شہر سے کشمیر اور پشاور سے آگے کابل تک قابض ہو گئے۔

انیسویں صدی کا پہلا عشرہ (1800ء-1813ء) جس میں انگریزوں نے تخت دہلی پر قبضہ کیا۔ یہ وہی زمانہ ہے جس میں انگریز برصغیر آنے کے لیے جنوبی افریقہ سے آنے کی بجائے مصر پر قبضہ کر کے نہر سویز بنانے کے لیے فرانسیسیوں سے لڑ رہے تھے۔ مشہور 'واٹرلُو' کی جنگ 1813ء میں ہے۔ اس سے ذرا قبل 1776ء میں امریکہ میں برطانوی ظالم سامراج کے خلاف جنگ کے ذریعے امریکیوں نے آزادی حاصل کر کے نیا ملک بنالیا تھا۔ 1789ء میں فرانس میں مشہور انقلابِ فرانس آیا تھا اور فرانس اپنے ملک کی تعمیر میں مصروف تھا۔

پنجاب میں سکھوں کی حکومت آئی اور یہاں کے مسلمانوں پر قیامت آ گئی۔ 1846ء تک سکھوں کی تین نسلوں نے حکومت کی ہے سردار رنجیت سنگھ، کھڑک سنگھ اور نونہال سنگھ کہ بالآخر انگریزوں نے قبضہ کر لیا۔ اس سکھا شاہی میں مسلمانوں کے لیے قرآن مجید لے کر باہر نکلنے کی پابندی تھی، نمازیں ادا کرنے پر پابندی تھی، مسجدوں کو تالے تھے اور اذان نہیں دی جا سکتی تھی۔ شاہی مسجد لاہور (جس کے پاس ہی سردار رنجیت سنگھ کی سمادھی ہے اور قلعہ لاہور جہاں سے وہ حکمرانی کرتا تھا) اس وقت سکھوں کی فوج کا اصطبل تھا۔ اس کا سارا سنگ مرمر اُتار کر امرتسر لے جایا گیا اور گولڈن ٹیمپل پر لگایا گیا۔ شاہی مسجد کے دروازے پر آج بھی وہ تصویر چسپاں ہے جو اس

مسجد کی تباہ شدہ حالت کو ظاہر کرتی ہے۔ (یہ کیفیّت انگریزوں کے غلبے کے بعد 1937ء تک رہی کہ پنجاب کے پہلے وزیراعلیٰ سر سکندر حیات نے پنجاب کے مسلمان زمینداروں پر رزعی سرچاج کے ذریعے رقم جمع کر کے شاہی مسجد کی مرمّت کا منصوبہ بنایا جو 1963ء میں موجودہ شکل میں بحال کر کے مکمل ہوا۔ اسی خدمت کی وجہ سے مسلمانوں نے سردار سکندر حیات کی وفات پر شاہی مسجد کے سامنے قبر کی جگہ دی دروازے کے دوسری طرف علامہ اقبال مدفون ہیں۔)

یورپی اقوام یورپ سے نکل کر تمام روئے ارضی پر کیوں قابض ہوگئیں؟ اور بالخصوص تاجِ برطانیہ کی آڑ میں عالمی صہیونی استعمار نے مسلم علاقوں پر قبضہ کر کے انھیں بُری طرح تاخت و تاراج کیا۔ مسلمانوں کے لیے یہ واقعات خون کے آنسو رُلانے والے ہیں۔

برطانوی جنوبی ایشیا آنے کے لیے کوئی زمینی راستہ اختیار نہیں کر سکتے تھے اس لیے کہ اس کے راستے میں 400 میل کا سارا مسلم علاقہ تھا اور عظیم عثمانی سلطنت قسطنطنیہ پر قابض تھی لہٰذا برطانوی پہلے جنوبی افریقہ سے گھوم کر اور بعدازاں 1880ء کے بعد سے نہر سویز کے ذریعے جنوبی ایشیا کے سفر کرتے رہے۔ انگریزوں نے سمندری اسفار میں جزیرہ نمائے عرب کو خاص طور پر نظروں میں رکھا اور اس کے آس پاس عالمی صہیونی سازشوں نے کئی طرح کے مضبوط جال بن دیے۔ یمن کو الگ کر دیا گیا، عمان، مسقط اور آلِ سعود کی حکومت قائم ہوئی گویا یہاں کی ہر حکومت کمزور ہو اور مغرب کی دست نگر اور غلام۔ نہر سویز کے راستے سفر کرتے مسلمانوں کے مقدس مقامات جدہ سے اُتر کر مکہ اور مدینہ کا سارا علاقہ ـــــ صہیونیت کے لیے ایک ڈراؤنا خواب ہے اس لیے کہ ابتدائے اسلام میں حضرت محمد ﷺ کے خلاف سازشوں اور میثاقِ مدینہ کے خلاف تین مرتبہ بدعہدی کی پاداش میں یہودی قبائل بنی قینقاع، بنی نضیر اور بنی قریظہ پر جو بیتی وہ یہودی کبھی بھول نہیں سکتا۔ اس لیے کہ ایسا ہونا اس کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا اسی لیے یورپی استعمار نے اس علاقہ پر خاص توجہ کی اس وقت تک یہ علاقہ سلطنت عثمانیہ کا حصّہ تھا۔

جرمنی ایک یورپی ملک ہے۔ باقی یورپی ممالک صنعتی ترقی کے نتیجے میں سمندری راستے سے چہار دانگ عالم میں پھیل گئے۔ اوّلاً تو جرمنی کو سمندری علاقہ بھی بڑا مختصر سا ملتا ہے وہ سمندر

بھی برطانوی سمندری حدود سے ٹکراتا ہے۔ فرانس اور برطانیہ کے ردمیان سمندری فاصلہ تیس کلومیٹر سے لگ بھگ ہے اسی میں جرمنی کا راستہ بھی آتا ہے۔

جرمنی کبھی سلطنت عثمانیہ کا حصہ رہا تھا اس سے الگ ہو کر بھی جرمنی نے سلطنت عثمانیہ کے وسطی ایشیا اور مشرق وسطیٰ کے علاقوں سے دوستانہ اور تاجرانہ مراسم رکھے۔ جرمنی کی مصنوعات تمام عالم اسلام میں ہند تک پھیلی ہوئی تھیں اور زمینی راستوں سے آتی تھیں۔ یہ بات دیگر یورپی اقوام بالخصوص برطانیہ کو بہت تکلیف دیتی تھی۔ اس برادرانہ تاجرانہ تعلقات سے عالمی صہیونی استعماری سازشوں میں رکاوٹیں آرہی تھیں۔ انیسویں صدی میں (1850ء-1900ء تک) روس نے سلطنت عثمانیہ کے مشرقی یورپ کے تمام مقبوضات چھین کر قبضہ کرلیا۔ جرمنی تمام عالم اسلام سے تاجرانہ تعلقات کی وجہ سے قابل اعتبار بھی تھا اور جرمنی کو اپنے تاجرانہ مفادات کا لحاظ بھی تھا۔

جرمنی کی عالم اسلام میں مصنوعات کے پھیلنے کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے خط پر 1761ء میں قندھار سے احمد شاہ ابدالی رحمۃ اللہ علیہ نے دہلی آکر مرہٹہ قوت کو دندان شکن شکست سے دوچار کیا تھا اس کے اسلحہ خانہ میں توپیں تھیں جو اس کی بظاہر برتری کا سبب بنیں۔ یہ توپیں جرمنی کی ساختہ تھیں (انہیں توپوں میں سے بعض توپیں واپسی پر احمد شاہ ابدالی یہیں دے گیا تھا جو بعد میں رنجیت سنگھ کے ہاں لگیں اور اُن میں سے ایک لاہور شاہراہِ قائداعظم پر عجائب خانہ کے سامنے نصب ہے جو بھنگیوں کی توپ کہلاتی ہے۔) اسی طرح ساری سلطنت عثمانیہ میں جرمنی ساختہ چیزوں کا چلن تھا۔ سعودی عرب میں 1926ء کے بعد برطانیہ اور امریکہ کا اثر ورسوخ چھا جانے کے باوجود، 1996ء کی شاہ فہد کی حرمین شریفین کی تعمیر جدید کے منصوبے تک، جرمنی ساختہ چیزیں مستعمل تھیں۔ 1900ء کے بعد جرمنی ہی نے استنبول سے مکہ تک ریلوے لائن بچھا رہا تھا۔ مدینہ تک ٹریک مکمل ہو گیا تھا اور مدینہ کا ریلوے اسٹیشن بھی بن گیا تھا کہ استنبول سے حرمین شریفین تک کا سفر آسان ہو جائے کہ 1911ء میں پہلی جنگ عظیم چھڑ گئی اور جرمنی کو شکست۔ نتیجہ کے طور پر یہ سارا منصوبہ تباہ ہو گیا۔ جرمنی اور عالم اسلام کے تعلّقات میں کبھی جارحیت، استحصال اور استعماری ذہنیت دخیل نہیں ہوئی اسی لیے یہ تعلقات سلطنت عثمانیہ کے اچھے پڑوسی اور قابل اعتماد تاجر قوم کی حیثیت سے صدیوں جاری ہے۔

بیسیوں صدی عیسوی کے آغاز پر عالمی صہیونی استعمار نے منصوبے کے تحت فلسطین میں جدید 'اسرائیل' کے قیام کا منصوبہ بنایا۔ جس کی بنیاد 1897ء کے جنیوا میں ایک عالمی یہودی اجتماع سے ہوا جس میں یہودی پروٹوکولز منظور ہوئے اور عمل درآمد شروع ہوا۔ حیلوں بہانوں سے عالمی صہیونی مافیا نے ایک عالمی جنگ کا منصوبہ بنایا جس میں اچھنبے کی بات یہ تھی کہ برطانیہ اور اس کے اتحادیوں اور جرمنی اور اس کے اتحادیوں کے دو فریقوں میں دونوں کی پشت پر یہودی سرمایہ کار تھے۔ برطانیہ اور جرمنی حریف بنے تو ترکی نے لامحالہ جرمنی کا ساتھ دیا اور صہیونیّت کو اپنا مقصد 'فلسطین میں یہودیوں کی آبادکاری' پورا کرنا تھا لہٰذا جرمنی کو شکست سے دوچار ہونا پڑا جس کے نتیجے میں ترکی بھی زیرعتاب آیا اور تاوانِ جنگ کے علاوہ اس کے مشرق وسطیٰ کے سارے مقبوضات بشمول حرمین شریفین، فرانس اور برطانیہ نے بانٹ لیے اور ان استعماری طاقتوں نے اپنی مرضی کے حکمران مسلط کر دیے۔ عظیم سلطنت عثمانیہ صرف ترکی ملک رہ گیا۔ مسلمانوں کے اتحاد کی نشانی 'خلافت عثمانی' کو برطانوی استعمار نے ختم کر دیا اور اپنے مہرے مصطفیٰ کمال اتاترک کو حکمران بنا دیا جس نے 3/مارچ 1924ء کو خلافت کے خاتمے کا اعلان کر دیا اور اسلامی قانون بھی ختم کر دیا۔ ملک جمہوریت اور رومن لاء کے شکنجے میں آ گیا اور سیکولر سوچ چھا گئی۔

برطانوی وزیر بالفور کے حکم نامے سے یہود کو بیت المقدس کی پاس فلسطین میں پراپرٹی خریدنے کی اجازت مل گئی جو آج کی ناجائز اسرائیلی سلطنت کی بنیاد بن گئی۔

جزیرہ نمائے عرب میں ریگستان اور صحرائی علاقوں کی وجہ سے بیشتر حصہ بے آباد تھا آج بھی 'ربع الخالی' کہلاتا ہے۔ حکومتوں کو ایک صدی پہلے تک اس علاقے میں کوئی کشش نہیں تھی مسلمانوں کے لیے جدّہ اور حرمین شریفین کی حد تک دلچسپی تھی اور زیادہ آمد و رفت یہیں تک محدود تھی۔ جنوبی اور مشرقی ساحل کے ساتھ کچھ آبادیاں تھیں جو مقامی قبائلی سرداروں کی باہمی آویزشوں تک بالعموم محدود رہتی تھیں۔ پندرھویں صدی عیسوی سے یہاں ترکوں کی حکومت تھی اور وہ حرمین شریفین کی دل سے خدمت کرتے تھے۔

آج کے سعودی عرب کے دارالحکومت کے قریب شمال میں 'درعیہ' کی بستی تھی جہاں

سے اٹھارھویں صدی میں ایک شخصیت اُبھری یہ شخصیت ایک مصلح شیخ محمد بن عبدالوہاب کی تھی۔ یہ عظیم شخصیت موجودہ سعودی حکومت کی ممدوح اور سعودی خاندان کے لیے 'رحمت کا فرشتہ' تھی۔ آج سے 200 سال قبل ہی شیخ محمد بن عبدالوہاب اور آلِ سعود کے مقامی حکمران کے درمیان یہ معاہدہ طے پا گیا تھا کہ وہ مل کر سرزمین عرب میں حکومت بنانے کی کوشش کریں گے، کامیابی کی صورت میں مذہبی معاملات اور فتاویٰ آلِ شیخ کے پاس ہوں گے اور حکومتی، سیاسی اور ریاستی معاملات آلِ سعود کے پاس ہوں گے۔ یورپ میں تقریباً سولھویں صدی عیسوی میں مذہب اور ریاست (CHURCH & STATE) کی تفریق ہو چکی تھی۔ جبکہ اسلام میں سعودی عرب کے علاوہ اور کہیں بھی آج تک ایسا نہیں ہوسکا۔ برطانوی استعماری نمائندے عرب کے جنوبی ساحل سے گزر کر خلیج فارس جاتے تو عرب کے اس جزیرہ نما کی تزویراتی جغرافیائی اہمیت پر للچائی ہوئی نگاہیں ڈالتے مگر عالم اسلام کی عرب سے نظریاتی عقیدت کی وجہ سے وہ اس سے باز رہتے مگر صہیونیت در پردہ چیونٹی کی چال سے گہری سازشوں کا جال بننے میں لگی رہی تا آنکہ 1917ء میں برطانیہ نے یہودیوں کو فلسطین میں آباد ہونے کی ناجائز طریقے پر اجازت دے دی۔

پہلی جنگ عظیم میں حرمین شریفین ترکوں کے ہاتھ سے نکل گئے اور پہلے شریف مکہ کو مغرب نے لا بٹھایا اور بالآخر 1926ء میں آلِ سعود کی حکومت قائم ہوگئی اور حرمین شریفین بھی اس حکومت کے زیر انتظام آ گئے اور 1932ء میں شاہ عبدالعزیز بانی سعودی حکومت نے 200 شتر سواروں کے ساتھ ریاض بھی فتح کر لیا اور عرب کے وسیع علاقے پر (جو آج سعودی عرب کہلاتا ہے) اپنا جھنڈا لہرا دیا۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب چونکہ خود بھی خلافت عثمانیہ کے خلاف نبرد آزما اور مرکز گریز سرگرمیوں میں (شعوری یا غیر شعوری طور پر) مگن تھے لہٰذا مقامی عثمانی حکومت کے وفادار عربوں نے انہیں 'وہابی' کے نام سے یاد کیا اور پہچان دی۔ برطانوی سامراج نے جنوبی ایشیا میں تحریک شہیدین کے مجاہدین کو (جو اصلاً انگریز کے خلاف تھے اور پہلے مرحلہ پر سکھوں سے جنگیں شروع کر چکے تھے) 'وہابی' کا خطاب دے دیا اور عوام کی نظروں میں گرانے کی کوشش کی حالانکہ یہاں مسلمان ایک غاصب قوت کے خلاف نبرد آزما تھے اور آزادی حاصل کرنے میں حق بجانب تھے۔

(جیسے اٹھارھویں صدی کے نصف آخر میں امریکیوں نے جارج واشنگٹن اور دوسرے آزادی کے متوالے رہنماؤں کی سرکردگی میں برطانوی سامراج کے خلاف لڑ کر آزادی حاصل کی اور آج افغانستان، عراق، لیبیا، کشمیر کے مسلمان غاصب قوتوں کے خلاف آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ امریکی اپنی آزادی کے لیے لڑ رہے تھے تو حق پرست تھے اور آج افغانستان کے باشندے امریکہ سے آزادی چاہ رہے ہیں تو وہ 'دہشت گرد' ہیں۔ غاصب مقتدر قوتوں کے اصول اسی طرح کے ہوتے ہیں۔)

سعودی عرب میں 1930ء کی دہائی میں آرامکو (ARABIAN AMERICAN COMPANY) نے تیل کی تلاش شروع کی۔ تیل کی دولت دریافت ہوئی تو اس کے بعد سعودی حکومت کے پاس دولت کی ریل پیل ہوگئی اور گزشتہ ستّر سال میں سعودی معیشت، طرز بود و باش، کلچر، سواریاں، مکانات اور مشغلے کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ عام آدمی اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو جب اقتدار دیتا ہے تو ان پر جس طرح جہاد فرض ہے اس فرض کا کوئی عشر عشیر بھی اس حکومت نے ادا نہیں کیا۔ (التوبہ 19:09) دنیا میں ایک مرلہ زمین پر بھی اللہ کا دین نافذ نہیں ہے۔ سعودی عرب (اور دیگر تیل کی دولت سے مالا مال ممالک) عالم اسلام کے جسد ملّی میں 'جیب' کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مگر اسلام کے نفاذ کے لیے کہیں کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو سکی۔ اب تیل کی دولت ختم ہو رہی ہے تو اسلام سے وابستگی کے بچے کچے نشانات بھی محو ہو رہے ہیں۔ (خبر ہے کہ سعودی عرب نے اسلامی قمری ہجری کیلنڈر کی بجائے رومی مغربی عیسوی کیلنڈر جاری کر دیا ہے۔ تاکہ 36 ماہ بعد سرکاری ملازمین کی تنخواہوں میں ایک ماہ کی بچت ہو سکے اگر یہ خبر صحیح ہے تو اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُون ہی پڑھا جا سکتا ہے)۔

حصہ دوم

اسلام کی نظریاتی تاریخ

اسلام کی سیاسی (مسلمانوں کی) تاریخ کی طرح اسلام کی نظریاتی تاریخ کے بھی کئی اَدوار ہیں اور دشمنوں نے پینترے بدل بدل کر وار کیے ہیں اور مسلمانوں کے تین دشمن یعنی یہود، نصاریٰ اور مشرکین ہی نظریاتی سطح پر بھی فعال کردار ادا کرتے نظر آتے ہیں۔ ان تینوں کے درمیان قدرِ مشترک اسلام دشمنی یعنی کفر ہے۔ خدا شناسی، وحی شناسی اور آسمانی ہدایت کے ساتھ چلنا یقیناً خدا بیزاری، وحی دشمنی اور آسمانی ہدایت سے اِعراض کو ختم کرنے کا نام ہے۔ لہٰذا نظریاتی سطح پر اسلام اور کفر کی جنگ خیر اور شر کی جنگ ہے جو ازل سے جاری ہے۔ یہ جنگ انسان کے اندر بھی جاری ہے اور باہر بھی۔ یہی جنگ حزبُ اللہ اور حزبُ الشیطان کی جنگ ہے اور یہی جنگ ہے جو تاریخ کی سب سے بڑی جنگ ہوگی جو (ڈکشنری کے مطابق) خیر اور شر کی قوتوں کے درمیان لڑی جائے گی۔ یہ جنگ انگریزی میں ARMAGEDDON کہلاتی ہے۔ مسلمانوں کے ہاں قرآن مجید میں بَـأْسًا شَدِیْدًا یا حدیث میں "اَلْـمَلْحَمَةُ الْکُبْرٰی یا "اَلْمَلْحَمَةُ الْعُظْمٰی" کہا گیا ہے۔

یہ جنگ آج بھی چراغِ مصطفوی ﷺ اور شرارِ بولہبی کی جنگ ہے۔ مسلمان سیّدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی نمائندگی کر رہے ہیں اور کفار آپ ﷺ کے کٹر مخالف یہودی، نصاریٰ اور مشرکین، ابولہب علیہ ما علیہ کی طرح سامنے ہیں۔

اسلام کی نظریاتی تاریخ گزشتہ چودہ صدیوں میں کئی نشیب و فراز سے گزری ہے۔ دورِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور اس کے بعد مسلمانوں کو قیامت تک جو حالات ان تینوں گروہوں کے پیروکاروں کی طرف سے پیش آنے والے ہیں ان کے صحیح اِدراک کے لیے اس جنگ کا آپ ﷺ

کی تشریف آوری سے پہلے کا ماضی کا نقشہ سامنے ہو تو آگے کی بات قیاس کرنا اور سمجھنا آسان ہو جائے گا۔

ترتیب کے اعتبار سے ہم پہلے یہود کا تذکرہ کریں گے پھر نصاریٰ کا اور سب سے آخر میں مشرکین کے طرزِ عمل کا جائزہ لیا جائے گا۔

اس ترتیب کی بظاہر ایک وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں (مائدہ 82:05) مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن یہود کو قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا یہود کا تذکرہ سب سے پہلے کرنا عقلاً اور نقلاً لازم ہے۔

اسلام کی نظریاتی تاریخ اور یہود

یہود کی تاریخ 2000 ق م سے شروع ہوتی ہے۔ تاریخ ایک ایسے موڑ پر آئی کہ اب 'آدمؑ بالغ، باشعور اور جوان ہو گیا ہے۔ ذرائع و وسائل آمد و رفت ہیں، علم ہے، انسان نے لکھنا سیکھ لیا ہے، تعمیرات، رہن سہن، زراعت میں انسان نے ایک منظّم طریقہ اختیار کر لیا ہے، تمدّن اور تہذیب کی داغ بیل ڈال دی گئی ہے، انسان باہمی روابط اور میل جول سے اچھائی برائی کی پہچان کرنے کے قابل ہو گیا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرود بادشاہوں کے دور میں ان کے مرکز URR میں مبعوث فرمایا۔ وہ سلیم الفطرت اور باضمیر تھے وہ ماحول میں گم نہیں ہوئے ماحول کو اپنے ڈھب پر چلانے کی کوشش کرتے رہے۔ ان کا حلقہ اثر بہت محدود تھا۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے کئی امتحانوں میں ڈالا تھا اور انسانی محبتوں اور تعلّقات کو پرکھ کر دیکھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے تابع ہوئے ہیں کہ نہیں؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ تمام امتحانات پاس کر لیے۔ کافی بڑی عمر میں اللہ تعالیٰ نے اولاد دی تو حکم ہوا کہ دودھ پیتے بیٹے اسماعیل علیہ السلام اور اس کی ماں کو مکّہ کی بے آباد سرزمین میں کعبے کے آثار کے پاس چھوڑ آؤ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس حکم پر عمل درآمد کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسحاق علیہ السلام بیٹا دیا ان کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فلسطین میں آباد کیا۔ پھر حضرت اسماعیل کی قربانی کا امتحان آیا تو یہاں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام ثابت قدم رہے۔ تمام امتحانات میں کامیابی کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں بیت اللہ کی تعمیر کرنے کا حکم دیا اور آئندہ نبوت اور انزالِ کتب کو ان کی اولاد کے ساتھ مختص کر دیا۔ اور سب سے بڑا نبی صلی اللہ علیہ وسلم (جن کا انبیاء کرام علیہم السلام سے وعدہ کیا گیا تھا) بھی ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کی اولاد

میں بھیجنے کی دعا قبول فرمالی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے حضرت اسحاق کی اولاد میں اگلے 1800 سال یکے بعد دیگرے تسلسل سے سینکڑوں نبی آئے۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام تھے ان کا لقب اسرائیل تھا ان کے بارہ بیٹے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام مصر منتقل ہوئے اور بادشاہ بن گئے یوں پورا خاندان مصر منتقل ہوگیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد ان کے خاندان میں حکومت رہی اس کے بعد مقامی لوگ فراعنہ بادشاہ ہوئے تو انھوں نے بنی اسرائیل کو غلام بنا لیا۔ ایک مدت بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے انھوں نے فرعون کو دعوت الی اللہ دی اور بنی اسرائیل کو آزادی دینے کا مطالبہ کیا۔ کئی معجزات دیکھنے کے باوجود فرعون اور اس کے اعوان وانصار ایمان نہ لائے تو ایک موقع حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر مشرق کی طرف روانہ ہوگئے۔ سمندر کا ایک ٹکڑا راستے میں آیا اور فرعون بھی لشکر سمیت پیچھا کرتا ہوا نظر آیا تو ایک معجزہ ظاہر ہوا کہ سمندر پھٹ گیا اور دو دیواروں کی طرح پانی رُک گیا اور بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ پار اتر گئے جبکہ اسی راستے سے فرعون اپنی فوج سمیت سمندر میں داخل ہوا تو پانی آپس میں مل گیا اور فرعون اپنے لشکر سمیت غرق ہوگیا۔ بنی اسرائیل نے سمندر پار کر کے وہاں کافی عرصہ گزارا کئی معجزات دیکھے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طور پہاڑ پر بلایا گیا اور اللہ تعالیٰ نے تورات عطا فرمائی۔ بنی اسرائیل نے ان تمام معجزات اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی موجودگی کے باوجود جہاد نہ کر کے بودا پن دکھایا اور صحرائے تیہ میں چالیس سال کی صحرانوردی کی سزا پائی۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے بعد پھر جہاد ہوا، ملک فتح ہوا، مگر پھر بھی بنی اسرائیل کا ایک بڑا طبقہ آسمانی ہدایت سے دور رہا۔ بنی سرائیل اللہ تعالیٰ اور اس کے نبیوں کی نافرمانی، حکم عدولی اور مقابلہ بازی کرتے رہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی حکومت قائم ہوئی اور بنی اسرائیل کے عروج کا سنہری دور آ گیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے چالیس سال حکومت کی مگر اس عروج کے دور میں ہی بنی اسرائیل جادو وغیرہ سیکھتے رہے اور آسمانی ہدایت تورات اور زبور سے پہلوتہی کی، حتیٰ کہ بخت نصر نے بیت المقدس پر حملہ کیا، شہر تباہ کیا اور یہودیوں کو غلام بنا کر لے گیا۔ ڈیڑھ سو سال کی غلامی کے بعد ایران کے ایک خدا ترس بادشاہ ذوالقرنین نے رہائی دلائی، مگر اس دور تک وہ انبیائے کرام علیہم السلام کے انکار اور ان

کے قتل کے مجرم بن گئے تھے اور ایسا ایک بار نہیں بار ہا ہوا۔ جرم کا احساس ہوا اللہ تعالیٰ نے نیا نبی بھیج دیا مگر اس کو بھی قتل کر دیا اور سمجھا کہ کچھ نہیں ہوگا۔ قرآن مجید نے اس قتل انبیاء کے جرم کو بنی اسرائیل کے اس بگڑے ہوئے بڑے طبقے کا سب سے بڑا جرم شمار کیا ہے دیگر نافرمانیاں آپ خود قیاس فرمالیں۔ (المائدہ 05:70-71)

بنی سرائیل کے قتل انبیاء کے اس جرم کے پیچھے سوچ کا تجزیہ کریں تو تل کی اوٹ میں پہاڑ ہے۔ اللہ پر بے اعتمادی، نبیوں پر بے اعتمادی، آسمانی ہدایت سے یقین کا اٹھ جانا۔ بنی اسرائیل کی فضیلت، تورات کا حامل ہونا، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا شاندار عہد، اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام عالم کی قوموں پر فضیلت، نبیوں کی مسلسل آمد، مگر انہی انبیاء کا قتل؟ انسان بگڑتا ہے تو ایک مرحلہ پر جا کر نصیحت اور نصیحت کرنے والے سے بھی بیزاری ظاہر کرتا ہے اسی طرح بنی اسرائیل کی آسمانی ہدایت اور انبیاء کرام علیہم السلام سے بیزاری اور نوبت بہ ایں جا رسید ____ کہ استغفر اللہ نصیحت کرنے والے بے لوث اور مخلص انسانوں کا اپنے ہی امت قوم بنی اسرائیل کے ہاتھوں قتل۔ یہ درجہ آسمانی ہدایت سے نفرت اور بیزاری کا آخری درجہ ہے کہ ہم جو چاہیں کریں۔ ہمیں ہدایت نہیں چاہیے، ہمیں INSTRUCTIONS نہیں چاہئیں کہ یوں کرو اور یوں نہ کرو۔ قتل انبیاء کا مطلب ہدایت کا دروازہ زبردستی بند کرنا تھا کہ 'بند کرو' یہ سلسلۂ ہدایت و نبوت۔ ہم جو چاہیں کریں گے۔ اسی مزاج کے مؤثر لوگوں نے تورات غائب کر دی کہ ہماری بداعمالیوں پر دوسروں کو ہمیں ٹوکنے کے لیے کوئی آسمانی ہدایت کا REFERENCE ہی نہ رہے۔ زبور بھی غائب کر دی گئی، یہ قتل انبیاء کا جرم بنی اسرائیل کا مزاج اور نفسیات بن گئی۔ (قرآن مجید میں ماضی استمراری کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔)

اہل علم اور اہل تاریخ کے نزدیک قتل انبیاء کے اس جرم کا عمل 600 ق م کے لگ بھگ شروع ہوا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مجرم قرار دے کر مصلوب کیے جانے کے لیے یہودی علماء کا مقتدر رومی گورنر کے حوالے کرنے تک زور و شور سے جاری رہا۔ آج بھی قرآن مجید یہ کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ قتل ہوئے نہ مصلوب بلکہ اٹھا لیے گئے اور زندہ ہیں۔ بنی اسرائیل نے ان کو (معاذ اللہ) تختہ دار تک پہنچانے میں کیسے کیسے قبیح عمل کر کے اپنی ہی قوم بنی اسرائیل کے ایک نبی کو

مصلوب کرنے کی اجازت دشمنوں کو دے دی۔ اعاذنا اللہ من ذالک۔

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمانی کے تھوڑے عرصے بعد 70ء میں ٹائٹس (TITUS) رومی آیا دراصل یہ یہود پر اللہ کا عذاب تھا۔ نبی قتل بھی ہوئے مگر رسولوں کے باب میں اللہ کا قانون ـــــ رسولوں کو بچا لینا اور قوم کو تباہ کر دینا تھا۔ ٹائٹس رومی نے یہودیوں کو فلسطین سے جبراً نکال دیا اور وہ ساری دنیا میں منتشر ہو گئے۔ اسی بگڑے ہوئے طبقے کے کچھ لوگ ایمان لانے کے لیے نہیں، قتل انبیاء کی عادت سے مجبور ہو کر آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں مدینے آ کر آباد ہوئے کہ اس متوقع آخری ہدایت کا راستہ بھی روک دیا جائے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے چھ صدیاں فترۃ الوحی فرما دی کہ کوئی پیغمبر مبعوث نہیں فرمایا نہ آسمان سے وحی اتری۔ اس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد کے دور سے قتل انبیاء کا سلسلہ شروع ہوا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جاری رہا گویا ـــــ مغرب میں چھپی ایک کتاب بعنوان FORCING GOD'S HANDS کے مصداق اللہ تعالیٰ کو مجبور کرنا یا باز و مروڑ کر مرضی کا کام کرانا کہ ہمیں ہدایت نہیں چاہیے بند کرو یہ نبوت اور وحی کا سلسلہ ـــــ ہم دنیا میں من مانی کرنا چاہتے ہیں اور اللہ کی سرزمین پر اپنا حکم، انسانی حکم اور عوامی حاکمیّت کا دور لانا چاہتے ہیں۔ گویا یہ چھ صدیاں اسی طرز عمل کی عکاس ہیں جیسے کوئی آدمی 30 سال کی عمر میں چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ کر قتل ہو جائے تو یہ قتل ایک ناجائز فعل ہے، چوری ہو جائے اور کسی چور نے کسی کا جائز ملکیتی مال چرا لیا ہے وہ مال مالک کے کام آتا۔ اسی طرح قتل انبیاء کے جرم سے انسانیت کو آسمانی ہدایت سے جبراً محروم کر دیا گیا۔ 600 ق م سے حضرت مسیح تک یہ چھ صدیاں قتل انبیاء کے جرم کی وجہ سے مصنوعی انقطاعِ وحی ہے۔ جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک اللہ تعالیٰ نے خود چھ صدیوں کا وقفہ دے کر آخری نبی بھیج دیا۔ یہ فترۃ الوحی اللہ تعالیٰ کی مشیت اور حکمت میں بہت اہمیت کا حامل ہے۔

معلوم تاریخ انسانی میں یہ بارہ صدیاں بہت اہم ہیں اور فکر انسانی کا ابلیسی اشاروں پر ناچنے کا دور ہے۔ پہلے اللہ تعالیٰ کی سنت اور ضابطہ یہ رہا کہ کسی قوم میں اللہ تعالیٰ نبی مبعوث فرماتا وہ

قوم کو سمجھاتے حتیٰ کہ کچھ لوگ ایمان لے آتے کچھ مخالف ہوتے۔ نبی علیہ السلام اہل ایمان کی تربیت فرماتے، کافروں کے رویوں پر صبر کرتے اور اپنی زندگی گزار کر رخصت ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ اور نبی علیہ السلام مبعوث فرما دیتے جو لوگوں کو نیکی اور بھلائی کی طرف دعوت دیتے اور یوں یہ سلسلہ ہدایت جاری رہتا۔ قتل انبیاء کے جرم سے یہ وقفہ اور وحی کی عدم دستیابی (جب کہ تورات اور زبور بھی غائب کر دی گئی تھیں) کا یہ دور ابلیس کے لیے سنہری موقع اور خدا پرست انسانوں کے لیے سخت آزمائش کا دور بن گیا۔

فطرت انسانی میں اللہ تعالیٰ نے کچھ شر یا EROTICS تو الہامی طور پر رکھے ہیں مسلسل نصیحت سے یہ داعیات دبے رہتے ہیں غلطی ہوتی ہے، گناہ سرزد ہوتا ہے مگر انسان جلد یا بدیر توبہ کر لیتا ہے۔ آسمانی ہدایت رہنمائی کرتی ہے اور انسان راہ راست پر آ جاتا ہے جبکہ قتل انبیاء کے اس مصنوعی چھ صدیوں کے وقفے میں کیا ہوا؟ انسان بگڑے اور پھر بگڑتے ہی چلے گئے اور برائی ایک عفریت بن گئی۔

عام انسان بھی غلطیاں اور گناہ کرتا ہے مگر فطرتِ انسانی میں احساس ندامت ہے اور نیکی کا جذبہ عود کر آتا ہے اور انسان ایک وقفے کے بعد توبہ کر لیتا ہے غلطیاں اور گناہ کرنے کے مواقع اور ان گناہوں کو چھپانے کے اسباب، امراء، رؤساء، شہزادوں اور بادشاہوں کے پاس کہیں زیادہ ہوتے ہیں عام آدمی غلطی کرے تو حکمران، سرکاری اہل کار اور علماء و صوفیاء تنبیہ کرتے ہیں مگر آسمانی ہدایت نہ رہے، نبی قتل ہو رہے ہوں اور کئی نسلیں گزر جائیں، بُرائی کے مواقع بھی ہوں تو بُرائی طاقتور ہو جاتی ہے۔ اگر کسی کے دل میں GUILTY CONSCIENCE پیدا بھی ہوا تو بُرے مشیروں نے اسے وہم و گمان قرار دے کر اس بے چینی کو دُور کر دیا۔

یہی دور ہے جب لوگ بگڑے، حکمران بگڑے تو ذہین اور فلسفیانہ ذہن رکھنے والوں نے سمجھانے کی بجائے اسی برائی اور خدا بیزاری کے ساتھ وحی دشمنی اور اخلاق دشمنی کو مدلّل کر کے پیش کیا اور مزید کئی صدیوں کے تعامل سے یہ غلط فلسفے نظریۂ حیات اور ضابطہ حیات اور ابلیسی فلسفے بن گئے اور ان کے پیش کرنے والوں کے نام سابقہ ادوار انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح زبان زد عام

ہوگئے اور یہی شخصیات لوگوں کی محبوب شخصیات اور عوام نوجوانوں کے لیے IDEAL قرار پائیں۔ پہلے چھ سو سال انبیاء آتے رہے اور قتل کیے جاتے رہے۔ مگر بعد کی چھ صدیاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد سے 600ء تک روئے ارضی پر کوئی نبی نہیں آیا آسمانی ہدایت نہیں اتری۔ لہٰذا ــــــ برائی کو پنپنے اور عیاش، بے حیا، بے شرم، بے اصول، فلاسفہ کو اپنے دنیاداری اور عیاشی کے بے شرم اور حیا سوز فلسفے گھڑنے، بادشاہوں کو پیش کرنے، ان کی دلی خواہشات کو سند جواز بخشنے پر انعامات وصول کرنے کے بے شمار مواقع ملے اور یوں انسانوں کی آزمائش آخری نبی کے آنے سے پہلے ہی برائی کا ایک وسیع 'نیٹ ورک' سرگرم عمل ہوگیا۔

دنیا میں فلسفے کے تمام مراکز یعنی یونان، ایران، ہند اور چین کے تمام قابل ذکر فلسفی اسی منحوس دور میں پیدا ہوئے۔ یہود چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کے دور سے ہی عالمی تجارت میں گھس گئے تھے پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور میں اس تجارت پر چھا گئے تھے لہٰذا زمانہ قدیم سے ان کے ساری دنیا میں روابط، تعلقات، آنا جانا اور کاروباری مفادات تھے۔ یہود نے ان ابلیسی اور EROTIC خیالات کو نظامِ حیات اور فلسفہ ہائے حیات بنانے میں ان عناصر کی نہ صرف حوصلہ افزائی کی بلکہ سرپرستی کی، ان کے رابطے اور سہولت کاری کا فریضہ سرانجام دیا۔ کجا یہ کہ بنی اسرائیل تورات اور زبور کی تعلیمات عام کرتے، ابلیسیت اور دنیا پرستی کا راستہ روکتے، حضرت سلیمان علیہ السلام کے طرز حکومت اور عدل وانصاف کو عام کرتے، انھوں نے قتل انبیاء کے جرم کی وجہ سے دل سخت ہونے کی بنا پر حق کی بجائے باطل کی حمایت وسرپرستی کا فیصلہ کرلیا اور بدقسمتی سے آج تک اسی طرزِ عمل پر قائم ہیں۔

اہل علم اور اہل نظر کے لیے غور طلب بات (FOOD FOR THOUGHT) ہے کہ آپ تاریخ میں فلسفہ کی تاریخ پر نگاہ دوڑائیں (آج کل کمپیوٹر پر بہت آسان ہے) فلسفہ اور فلسفی حضرات کی TIMELINE دیکھیں آپ کی حیرت کی انتہا نہیں رہے گی کہ دنیا کے فلسفہ کے مشہور امام 600 ق م سے 600 عیسوی کے درمیان ہیں اور دوسری حیرت کی بات یہ ہوگی کہ حضرت محمد ﷺ کی تشریف آوری (آغاز وحی 610ء بعمر 40 سال قمری) سے مسلمانوں کے زوال (سقوط بغداد 1258ء) ان چھ صدیوں میں دنیا کے غیر مسلم ممالک کے علمی مراکز میں کوئی

عالمی سطح کا فلسفی موجود نہیں ہے۔ کچھ نامور فلسفی ہوئے تو غیر مسلم فلاسفہ کے نظریات کے زیر اثر مسلمانوں میں ہوئے اسلامی دنیا سے باہر کوئی نامور اور فکر و فلسفہ کا بانی امام فلسفہ پیدا نہیں ہوا۔

اس پس منظر میں مزید ایک رُخ یہ ہے کہ عیسائیت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام پر تثلیث ایجاد کر لی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا بنا دیا یعنی شرک کے حد درجہ مرتکب ہوئے اور عیسائیت کا آج بڑا حصہ کتھولک ہیں تثلیث کے قائل اور مبلغ ہیں اور دوسرے مشرکین نے بھی دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات پر ایک طویل عرصہ گزرنے پر آہستہ آہستہ شرک اختیار کیا اور اس میں اضافہ کرتے کرتے شرک کو بھی ایک فلسفہ بنا دیا۔ مشرکین عرب، ہندوستان میں ہندو مذہب اور جین مذہب اس شرک کی علامت ہیں اور عجیب بات ہے کہ دنیا میں شرک کرنے والے 'خدا' کے نام پر انسانوں کے بت بنا کر رکھ دیتے ہیں۔ بقول اقبال

مرا بر صورت خویش آفریدی
بیرونِ خویش آخر چہ دیدی

ترجمہ: اے انسان تو نے خدا بنانا چاہا تو اپنے جیسا انسان بنا دیا۔

اور ـــــ اس پر مزید حیرت انگیز تعجب کہ جب مندروں اور مشرکین کی عبادت گاہوں میں بت بنا کر رکھے جاتے ہیں وہ بالعموم ننگے اور لباس سے عاری بت بنائے جاتے ہیں۔ خدا جانے مشرکین کی اس میں خدا کی معرفت تخلیق کا کوئی پہلو ہے یا ابلیس کی تعلیمات کی بلا چوں و چرا اطاعت ہے کہ انسان جب حق پرستی کے راستے سے ہٹتا ہے تو لازماً شیطانِ لعین ہی کے راستہ پر چل پڑتا ہے۔

مشرکین ہند ـــــ سومنات اور مشرکین مکہ

انسان کے خمیر میں ہی یہ بات داخل ہے کہ جب وہ اپنے ضمیر اور فطرت کے تقاضوں کے مطابق آگے بڑھ کر حق کو قبول نہیں کرتا اور اپنے آپ کو اس کے حوالے نہیں کرتا (بعض انسانوں کا حق کو قبول کر کے اپنے اپ کو اس کے حوالے کر دیتے والا روّیہ اور طرزِ عمل اختیار کر لینا اس بات کا ثبوت ہے کہ ایسا کرنا ہی فطرتِ انسانی ہے) تو اس کی سوچ راہِ حق کو چھوڑ کر غیر فطری، غیر منطقی اور غیر حقیقی راستوں پر چل نکلتی ہے پھر اس راہ میں جو اہم نشانِ راہ آتے ہیں ہو بہو وہی نشان ان تمام گمراہ انسانوں اور معاشروں کے سامنے آجاتے ہیں جو بعد میں ان راہوں کے مسافر

بنتے ہیں اور جہنم کی ان گھاٹیوں میں سرگرداں محوِ سفر رہتے ہیں۔

غیر محسوس خالق کائنات سے محسوس کی طرف ذہنی سفر میں بت تراشی، بت پرستی، بتوں کے استھان، بت خانے، سجدے، نذریں، نیازیں، چڑھاوے، بے لباس بتوں کی پرستش، بے حیائی اور بے شرمی وغیرہ وغیرہ سارے نشانِ راہ انسان کے سامنے ہوتے ہیں اور خوشی خوشی یہ خلافِ عقل وفطرت کام اس سے صادر ہوتے رہتے ہیں اور شیطان اس کے لیے یہ سب کچھ مزین بنا دیتا ہے۔ میکسیکو سے لے کر مشرق بعید کے ممالک تھائی لینڈ، کوریا اور جاپان کے بت خانوں میں ایک ہی طرح کا کلچر ملتا ہے۔ فرق صرف مختلف علاقوں میں دستیاب تعمیراتی سامان کا ہے کہیں پتھر ہیں، کہیں قیمتی لکڑی ہے، کہیں اینٹیں اور گچ ہے، کہیں کنکریٹ اور لوہا وغیرہ وغیرہ۔ مادہ پرستی میں یہ مشرکین، بے دین اور ملحد لوگوں سے بھی گئے گزرے ہوتے ہیں۔ بے حیائی میں بھی ڈارون اور فرائڈ کے معتقدین سے پیچھے نہیں ہوتے۔

'شرک' اور مشرکین کا مذہب حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں بڑا سادہ تھا۔ بت بھی آرٹ کے تراشیدہ فنکارانہ نمونوں کی بجائے بچگانہ قسم کے ہوتے تھے۔ البتہ شرک کے ساتھ استحصال کا ایک نظام اور استحصال کرنے والا ایک طبقہ موجود تھا جو اپنے جیسے دیگر انسانوں کی ایک ماورائی حُسن کی پرستش کے جذبے کا استحصال کرتے تھے اور ان سے مختلف حیلوں سے نذرانے وصول کر کے اپنی دنیا بنا لیتے تھے۔ رہی آخرت ـــــ تو اوّل تو آخرت اور محاسبہ اُخروی ہے ہی نہیں اور ہوگا تو جو سب بھگتیں گے وہ بھگت لیں گے اب تو آرام سے بغیر مشقت کے رزق آتا ہے ساتھ عزت واحترام اور خدمت وسیوا بھی ہے اور قدم بوسی اور شیرینی وتبرک بھی۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے آسمانی ہدایت اور کتاب کے اولادِ ابراہیم میں مختص ہوگئی۔ یہ نظامِ شرک اولادِ ابراہیم کے اثر اور INTERACTION سے محروم علاقوں میں خوب پھیلا۔ قوموں کے بگڑے ہوئے ذہین افراد نے لوگوں کو بے حیائی، بے لباسی، بت پرستی کے ساتھ ساتھ فحاشی پر مبنی بت پرستی پر راغب کر لیا۔ عوام کے لیے اس بے حیائی اور عریانیت والی بُت پرستی میں کشش پیدا کرنے کی کوششیں کامیاب ہوگئیں۔ عریاں بت پرستی ایسی عام ہوئی کہ ہر مشرکانہ تہذیب میں اس کے آثار پائے جاتے ہیں۔

جزیرہ نمائے عرب سے لے کر ہند اور مشرق بعید تک معبد خانے مجسم بے حیائی کے سنگ تراشی کے نمونوں سے اَٹ گئے۔ سیکنڈے نیوین علاقوں سے لے کر میکسیکو تک بت پرستی کا ایک ہی انداز فروغ پا گیا گویا دنیا میں فطرت انسانی سے کھیلنے والی ایک ایسی قوت ہے جو انسانوں کو EROTICS اور بے حیائی کی طرف لے جاتی ہے۔ وہ قوت ابلیس ہے۔ یہ ابلیسی قوت برائی کے طلب گار انسانوں کے لیے مشرق و مغرب میں ہر جگہ مشترک ہے بلکہ تمام مشرک معاشروں میں اَخلاقی گراوٹ کا انداز اور اس کا RATIONALE بھی ایک جیسا ہے۔

دوسرے مرحلے میں 600 ق م سے دنیا میں اگلے 1200 سال جب آسمانی ہدایت کا فقدان رہا تو اس گمراہی میں حکمت فرعونی اور حکمت ابلیس کا مسلسل اور روز افزوں سلسلہ بھی جاری رہا تا آنکہ مشرق و مغرب میں حکمرانوں کے محلات سے لے کر عبادت گاہوں تک اور حکومتی ایوانوں سے لے کر مارکیٹوں تک سب عمارات بت پرستی کے ساتھ ساتھ جنسی اختلاط اور فحش مناظر کے 3D مجسّموں کی آرٹ گیلریاں بن گئیں۔

وقت کے ساتھ ساتھ عوام کے سستے آرٹ کے نمونوں سے اٹھ کر امراء، رؤساء، شہزادوں اور راجوں مہاراجوں سے آگے بادشاہوں اور شہنشاہوں کے لیے بت تراشی اور عریانی و فحاشی و جنسی اختلاط کے 3D مجسّمے ایسے نفیس اور شاندار بننے لگے کہ عقل انسانی حیران و پریشان اور انسانیت نوحہ کناں اور شرافت ماتم کناں۔

ان بارہ صدیوں میں شرک بھی ایک نظریۂ حیات اور طرز زندگی قرار پایا اور اس کے حق میں کرائے کے دانشوروں اور اخلاق سے گرے ہوئے باصلاحیّت اہل علم و فضل نے دلائل کے بھی انبار لگا کر عوام کَالْاَنْعَام کو مطمئن کر دیا۔

ہر نظریے کے ماننے والے لوگوں کے بارے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے اور انسانی صلاحیتوں کے اظہار کا اندرونی دباؤ بھی ہو سکتا ہے کہ ہر نظریہ کے لوگوں کو جب اپنے نظریے کے مطابق طویل سیاسی غلبہ، اِستحکام اور خوشحالی میسر آتی ہے تو یہ نظریہ اپنے مضمرات (POTENTIALS) کے مطابق ایک تہذیب اور کلچر کو جنم دیتا ہے۔ گویا اس نظریے کے ماننے والوں کا لباس رہن سہن، طرز تعمیر، مکانات، دکانات، سیر گاہیں، سرکاری عمارات، مذہبی عبادت

گاہیں، تعلیمی ادارے اور مکانات اسی نظریے کے سائے میں پروان چڑھتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ غور فرمائیں کہ مکان بنانا ہر انسان کی بنیادی ضرورت ہے اور آسودہ حال لوگ خوب بنا سنوار کر مکان بناتے ہیں۔ مگر اس مکان کا طرز تعمیر اور اس کے نقوش و نگار ابھار، قوسین، محرابیں وغیرہ اس قوم کے نظریے کی اچھائی برائی کے مطابق ہوں گی۔ گویا وہ نظریہ مجسم شکل میں تعمیراتی فن میں نمایاں ہو کر سامنے آجائے گا۔ ایک مسلمان مکان بنائے یا معبد خانہ (مسجد) اس کا ڈیزائن آرکیٹیکچر اور فنی تفصیلات اور ہوں گی جبکہ ایک ہندو مکان یا معبد خانہ بنائے گا تو اس کے خصائص اس کے نظریے کے عکاس ہوں گے۔

مشرکانہ نظریات، مشرکانہ طرزِ زندگی (LIFE STYLE) کے تہذیبی اثرات اس قوم کی رہائش گاہوں کے آرائشی چیزوں (DECORATION PIECES) اور چوکوں، سیر گاہوں اور یادگاروں میں بھی نمایاں طور ہر ظاہر ہوں گے۔ یونانیوں کی بت پرستی کی مشرکانہ تہذیب کے اثرات آج بھی کتابوں اور پرانی عمارتوں میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

جزیرہ نمائے عرب اور ہند کے تجارتی و ثقافتی تعلقات زمانہ قدیم سے چلے آرہے ہیں۔ جنوبی ایشیا میں آریہ آئے (1750 ق م) تو انھوں نے مقامی باشندوں کو محکوم بنا کر بت پرستی کو رواج دیا اور آہستہ آہستہ جب یہ نظریات اور طرز زندگی پھیلا اور اس سوچ کے حامل افراد کو اقتدار ملا تو ان مشرکانہ عقائد و نظریات نے ایک کلچر، تہذیب اور تمدن کی شکل اختیار کر لی ہے۔

جنوبی ایشیا میں تقریباً 300 ق م سے 800ء تک ہندو ذہن وسطی ہندوستان میں مقتدر قوت تھا اور اپنے نظریات کے فروغ و استحکام کے لیے یکسوئی کے ساتھ مگن و مصروف۔ وسطی ہند کے کھجوراہو مندر (KHAJURAHO TEMPLES) جو گزشتہ کچھ عرصے سے عالمی ادارہ UNO کے تحت مسلمہ آثار قدیمہ کا درجہ حاصل کر چکے ہیں، تمام روئے زمین کے معلوم بت پرستی کے مندروں میں سے قدیم بھی ہیں اور آج تک آباد بھی۔ فن تعمیر کا بھی نادر نمونہ ہیں اور انسانی محنت اور فنکاری کا بھی منہ بولتا ثبوت ہیں مگر اس کے ساتھ یہ بات بھی ان عبادت گاہوں سے جھلک رہی ہے کہ اگر یہ انداز اور ڈھنگ ہندو ذہن کے مطابق عبادت گاہوں اور مندروں کا ہے تو

کلبوں، آرٹ کونسلوں، تھیٹروں، عیاش شہزادوں اور آسودہ حال طبقے کے لوگوں کی رہائش گاہوں کے نقشے کیا ہوں گے۔ کوئی باضمیر انسان بیوی بچوں کے ساتھ ان عبادت گاہوں (مندروں) کا آج کی بے حیائی کے ماحول میں بھی دورہ نہیں کرسکتا، شاید ہالی وڈ اور بالی وڈ کے فلمی ستارے بھی وہاں جا کر شرما جائیں اور اپنے آپ کو اپنی نگاہوں میں حقیر سمجھنے لگیں۔

بت پرستی اور مشرکانہ تہذیب کے تحت زندگی گزارنے والے لوگوں کی گری ہوئی ذہنیت کا اندازہ اس طبقہ کا تصور کر کے ذہن میں لا سکتے ہیں جس نے بے حیائی کے یہ مجسّمے اور فحاشی کے 3D ماڈلز آج سے 1500 سال سے 2000 سال قبل تراش کر ایستادہ کر دیے اور یہ عمارتیں بطور عبادت گاہ تعمیر ہوئیں۔ وہ فنکار اور سنگ تراش جو ان مجسّموں کو برسوں اور نسل در نسل تراشتے رہے وہ ان کے نابالغ بچے بچیاں گھر کی خواتین وغیرہ جن کے سامنے یہ بت تراشے جاتے تھے اور سجائے جاتے تھے اس پوری تہذیب اور قوم کے اخلاق کی سطح شاید حیوانوں سے بھی گری ہوئی ہوگی۔ اَعاذنا اللّٰہ من ذالك

دنیا بھر میں روئے ارضی پر جتنی مشرکانہ تہذیبیں دریافت ہوئیں یا جن کے آثار دریافت ہوئے یا جو ابھی بھی موجود ہیں ان سب میں بھارت کی مشرکانہ تہذیب کئی اعتبارات سے ایک منفرد اور سب سے الگ تہذیب ہے۔

مشرکانہ تہذیبیں سب کی سب کسی نہ کسی نبی علیہ السلام کی تعلیمات کی بگڑی ہوئی شکل کو ظاہر کرتی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اب کئی مشرکانہ تہذیبیں اپنے نظریات میں سے اللہ، خدا، یا GOD کا تصور محو کر چکی ہوں تاہم یہ بات اصولِ موضوعہ کے طور پر دنیا بھر میں تسلیم ہے کہ مشرک وہی کہلاتا ہے جو اس کائنات کے ایک خالق اور ربّ کو مانتا ہے اور اس کے ساتھ اوروں کو شریک کرتا ہے اور ان ہستیوں کے بت بنا کر ان کی پوجا کرتا ہے۔ جبکہ کسی خالق ہستی کا انکار الحاد کہلاتا ہے کہ دنیا خود بخود بن گئی ہے اور کسی AUTO نظام کے تحت چل رہی ہے، نہ اس کا کوئی پیدا کرنے والا ہے اور نہ چلانے والا۔ اسی طرح سیکولر طبقہ خدا کا نہ انکار کرتا ہے نہ اقرار۔ (عملاً یہ رویہ اِلحاد ہی سے زیادہ قریب اور ہم آہنگ ہوتا ہے) حالیہ مغربی تہذیب مجموعی طور پر ایک سیکولر تہذیب ہے کہ جس

نے مذہب کو ہر انسان کا ایک ذاتی معاملہ (PRIVATE AFFAIR) قرار دے کر اجتماعیت کو رواج، پارلیمنٹ یا دراصل عالمی مافیا کی مرضی اور نظریات کے مطابق چلانے کا فیصلہ کیا ہوا ہے جبکہ ذاتی زندگی میں چاہے کسی مذہب کو مانے اور اس کے تحت زندگی گزارے یا لبرل ازم کی زندگی یہ ہر شخص کی اپنی مرضی ہے مگر اجتماعی زندگی میں کسی مذہب کا کوئی عمل دخل نہیں ہوگا۔

بھارت کے ہندوؤں کی مذہبی روایات میں بعض ایسی ہیں جو آسمانی ہدایت ہی ہوسکتی ہیں اس کے علاوہ کوئی دوسرا ذریعہ اس کا اظہار نہیں کرسکتا۔

ہندو ذہن نے 300 ق م سے 800 عیسوی تک جو مندر تراشے وہ زیادہ تر وسطی ہند میں تھے اگرچہ اس کے قبل کے مندر اور بھارت کے دوسروں علاقوں اور مشرق بعید کے ممالک کے مندر بھی اسی نوعیت کے ہیں ذرا درجے اور فنی مہارت کی کمی بیشی کا فرق ہے ورنہ بنیادی کوئی فرق نہیں۔ انہی کھجوراہو مندروں کی طرح کا ایک مندر ممبئی سے ذرا شمال کی طرف ریاست جوناگڑھ کے ساحلی علاقے میں سومنات کے مقام پر تھا۔ اس کی اصل حیثیت کسی عبادت گاہ کی تھی یا نہیں بعد میں یہ مندر بھی دیگر مندروں کی طرح بنا دیا گیا۔

مسلمان حکمران سلطان محمود غزنوی نے یہ مندر 1026ء میں فتح کرلیا اور بت توڑ دیے تھے۔ ہندو روایات میں ہے کہ یہ سومنات کا مندر بھارت کے تمام مندروں سے زیادہ مقدس ہے اور اس سے بھی زیادہ مقدس ایک مندر [مندر کے لفظی معنی ایک عبادت گاہ کے ہیں۔ من کے معنی SELF یا روح اور دَر کے معنی دروازہ یعنی مندر ایسی جگہ ہے جہاں انسان جائے، بیٹھے، اعتکاف کرے، عبادت کرے تو من (باطنی زندگی یا اللہ کی معرفت) کا دروازہ کھلتا ہے۔]

عرب کی سرزمین میں 'مکہ' ہے اور ہندوؤں کو کبھی وہاں جانا ہے۔ کعبہ حضرت ابراہیم نے آج سے 3900 سال پہلے (1900 ق م) میں دوبارہ تعمیر کیا جو بعد میں بنوا سماعیل نے آسمانی ہدایت سے دوری کی وجہ سے توحید کے گھر کی بجائے بت پرستی کا اڈہ بنا دیا اور سیّدنا حضرت محمد ﷺ کی بعثت کے وقت وہاں 360 بت رکھے ہوئے تھے۔ یہ بات پہلے تفصیل سے آچکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب رکھ دی اور بڑے آخری پیغمبر بھی

انہی کی اولاد میں بھیجنے کی دعا بھی قبول فرمالی۔ حضرت ابراہیم کے دوسرے بیٹے حضرت اسحاق کے بیٹے حضرت یعقوب (اسرائیل) کی اولاد بنی اسرائیل خوب پھلی پھولی اور ان میں 18 صدیاں مسلسل بے شمار پیغمبر مبعوث ہوئے جبکہ حضرت اسماعیل کی اولاد میں صرف حضرت محمد ﷺ تشریف لائے جو حضرت اسماعیل سے تقریباً 2500 سال بعد تشریف لائے۔ سومنات کا مندر آج انٹرنیٹ پر گوگل ارتھ پر دیکھیں تو یہ بات حیرت انگیز طور پر صحیح ہے کہ سومنات کے عرض بلد پر ہی مکہ واقع ہے (یعنی سومنات کے عین مغرب میں سرزمین عرب میں) یہ خبر آج سے 3000 سال قبل تک کسی عام انسان کی معلومات کی بس کی بات نہیں تھی۔ یہ یقیناً پیغمبرانہ بات ہے اور آسمانی وحی اور مکہ سے اہل ہند کے زمینی رابطوں کے ذریعے ہی ممکن ہے اگر یہ بات مان لی جائے کہ یہ اطلاع کہ سومنات کے عین مغرب میں ایک بڑا مندر مکہ میں واقع ہے تو چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد پیغمبری صرف اولادِ ابراہیم میں رکھ دی گئی تھی اس لیے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ یقیناً بنی اسرائیل کا گروہ بھارت میں آیا ہوگا اس لیے کہ بنی سرائیل سے باہر کسی نبی کا ہونا نص قرآنی کے خلاف ہے۔ اسی طرح اگر بعض لوگ مہاتما گوتم بدھ کے نبی ہونے کے دلائل لاتے ہیں یقیناً ایسا ہوسکتا ہے اگر مہاتما گوتم بدھ کو بھی بنی اسرائیل میں سے ثابت کر دیا جائے۔

اسی طرح ہندو روایات میں کئی باتیں آسمانی ہدایت اور پیغمبرانہ کلام کی وجہ سے موجود ہیں۔ دنیا کی دوسری مشرک تہذیبوں کے مقابلے میں بھارت کی مشرکانہ تہذیب کے خصائص میں یہ بات بھی بڑی اہم ہے۔ بھارت کے ہندوؤں نے نامعلوم ماضی کے کس زمانے میں ذات پات کی مستقل تقسیم کا فیصلہ کرلیا کہ انسان چار قسم کے ہیں: برہمن، کھتری، ویش اور شودر (دلت وغیرہ) ویسے مذہبی قیادت کے ساتھ فوجی، فنی ماہرین، زراعت پیشہ لوگ اور عام مزدور خدمتگار طبقہ تو ہر معاشرہ میں ہوتا ہے مگر شودر کا بیٹا شودر اور برہمن کا بیٹا برہمن کی مستقل تقسیم روئے ارضی پر صرف بھارت میں ہے، اس کے لغو ہونے میں ہمارے نزدیک کوئی دو رائیں نہیں ہوسکتیں مگر اس مستقل تقسیم کا ایک فائدہ جو ہندو تہذیب کو ہوا وہ یہ کہ ہندو کی مذہبی کتابوں کا صرف برہمنوں تک محدود ہونے کی وجہ سے وہ کتابیں محفوظ رہ گئیں اور سینہ بہ سینہ اور ذاتی میراث اور ذاتی ملکیت کے طور پر نسل در نسل (وہ تحریریں اور کتابیں) آج تک منتقل ہوتی چلی آرہی ہیں ورنہ دوسری تہذیبوں

میں مذہب کی اصلیت، پیغمبر کا نام، نبیوں کا تصور، وحی، اللہ، فرشتوں وغیرہ کا تصور ختم ہو چکا ہے۔

ہندوں روایات میں سومنات اور کعبہ کا تعلق یقیناً الہامی بات ہے اسی طرح ان کے ہاں حضرت محمد ﷺ کا تذکرہ ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کا تذکرہ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ ہے۔ اس کے علاوہ اور کئی قرائن اسی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل کا کوئی گروہ ادھر آیا تھا اور یہیں بس گیا۔

اس کی حقیقت پر مزید روشنی ڈالنے کے لیے ہم یہاں بھارت میں شائع شدہ ایک کتاب 'اگر اب بھی نہ جاگے تو.....' (تصنیف: شمس نوید عثمانی صاحب، ترجمانی: ایس عبداللہ طارق، شائع کردہ: مکتبہ تعمیرات انسانیت اردو بازار، لاہور) کے چند صفحات نقل کر رہے ہیں، جو قارئین کے لیے اس باب میں معلومات افزا ثابت ہوں گے۔ ان شاء اللہ

یہ راز ___ راز کیوں رہے؟

ہندوؤں میں چلے آ رہے چند سربستہ راز

ہم اپنے آپ کو حضرت محمد ﷺ کا پیرو کہتے ہیں۔ ہم دنیا سے جہالت کے اندھیرے کو دور کرنے کے لیے اٹھے تھے۔ ہم نے اس زمین پر خدا کی بادشاہت قائم کرنے کا عزم کیا تھا۔ ذرا سوچیے کیا ہم اب بھی اس منصب کے اہل ہیں؟ لاعلمی کے اندھیرے کو دور کرنے کے دعوے دار خود کتنی عظیم مجرمانہ لاعلمی کا شکار ہیں؟ اس کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ ہم جو کچھ بہت بڑی تحقیق کی شکل میں آپ کے سامنے پیش کر رہے ہیں (اور ممکن ہے کہ آپ کو یقین کرنے میں بڑی دِقت پیش آ رہی ہو) ان تمام حقیقتوں سے ہندو خواص خوب اچھی طرح واقف ہیں۔

☆ ہندو اس بات سے واقف ہیں کہ ان کا سب سے بڑا تیرتھ (اسے یہ آدِ پُشکر تیرتھ کہتے ہیں) مکہ میں ہے۔ ان کا اصلی شیولنگ مسلمانوں کا حجر اسود ہے۔ (شیولنگ کسی گندی چیز کا نام نہیں ہے۔ شیو کے معنی خدا، اور لنگ کے معنی نشان، یعنی خدا کی نشانی)۔

☆ یہ بات بھی ہندوؤں میں مسلمانوں سے راز میں رکھی گئی کہ جان کنی کے وقت نزع کی تکلیف سے بچانے کے لیے مرنے والے کے کان میں ''اَن کہی'' کی سرگوشی کی جاتی تھی۔

''بیان کیا جاتا ہے کہ پرانے زمانے میں ہندو حضرات پر جب نزع کا عالم طاری ہوتا تھا تو انہیں پلنگ سے اٹھا کر زمین پر لٹا دیا جاتا تھا.....اور نزع کی تکالیف سے بچانے کے لیے چپکے چپکے مرنے والے کے کان میں 'اَن کہی' کہی جاتی تھی مگر اس 'اَن کہی' کے الفاظ عام ہندوؤں کو معلوم نہ تھے۔لیکن اکبر اعظم کے عہد میں ایک برہمن نے الفاظ بتا دیے تھے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ الفاظ اتھر وید میں موجود ہیں۔چنانچہ دبستان المذاہب مطبوعہ نول کشور پریس میں بھی موجود ہے

لا اِلٰہ ہَرنی پاپن اِلا لمبا پرم پدم
جنم بیکنٹھ پر اب ہوتی تو جپے نام محمدم

ترجمہ:''لا الٰہ کہنے سے پاپ مٹ جاتے ہیں۔اِلا اللہ کہنے سے پرم پدوی (امامت عالم) مل جاتی ہے۔اگر ہمیشہ کی بہشت چاہتے ہو تو محمد (ﷺ) کا نام جپا کر۔''

یہ ہے اَن کہی کا مفہوم جو مرتے وقت کسی زمانے میں عالم نزع میں مرنے والوں کے کان میں کہی جاتی تھی۔

ترجمہ کرنے والوں نے اس 'اَن کہی' کے ترجمے میں حضور ﷺ کے دوسرے دور اور مقامِ محمود کا راز نہ جاننے کی وجہ سے حالانکہ تھوڑی سی تبدیلی کر لی ہے لیکن پھر بھی ملتا جلتا مفہوم سامنے آ گیا ہے۔آئندہ کسی موقع پر اس منتر کی اصل اہمیت ہم بیان کریں گے۔

☆ ہندو خواص کا یہ مسلمہ عقیدہ ہے کہ ایک دن پوری ہندو قوم قرآن پر ایمان لائے گی۔ لیکن یہ بھی ان رازووں میں سے ہے جنھیں ہندو عوام سے اور بالخصوص مسلمانوں سے پوشیدہ رکھا جاتا ہے۔

☆ ڈیوبائس لکھتا ہے: جب برہمن اپنے بچوں کو اپنا وارث بناتے ہیں تو بچے کو اس طرح بٹھاتے ہیں کہ اس کا منھ مشرق کی طرف ہو اور خود مغرب کی طرف منھ کر کے اپنے بچے کے کان میں سرگوشی کرتے ہیں۔''اے بیٹے یاد رکھنا خدا ایک ہے۔وہی پیدا کرنے والا، پالنے والا اور بچانے والا ہے اور ہر برہمن کو خفیہ طریقے سے اسی کی عبادت کرنی چاہیے۔لیکن یہ بھی جان لو کہ یہ ایک ایسا راز ہے جو اگر تم نے لوگوں کے سامنے بیان کر دیا تو تمہاری.....خوش قسمتی کے دن ختم ہو جائیں گے۔''

☆ سیلاب والے منو کو حضرت نوح علیہ السلام کی حیثیت سے ہندو اتنی اچھی طرح جانتے ہیں کہ قصے کہانیوں میں بچوں کو سناتے ہیں۔ مثلاً رسالہ ''ٹنکل'' کا اداریہ پڑھیں۔

'' میرے ننھے منے دوستو! ایک بار پرلینکاری (قیامت خیز) باڑھ آئی۔ ساری پرتھوی ڈوب گئی۔ یہ کتھا کئی لوگوں نے کئی طرح سے کہی ہے۔ ویدوں اور متسیہ پُران میں بھی اس کا ورژن (بیان) ملتا ہے۔ اس باڑھ کی کتھا بائبل میں بھی ہے۔ ایشور نے **حضرت نوح** علیہ السلام سے کہا ایک بڑا جہاز بنا کر اس میں اپنے پریوار کے سدسیوں (افراد) کے علاوہ دو دو ہر پرانی (جاندار) کو چڑھا لو۔ نوح علیہ السلام نے ویسا ہی کیا۔ اس کے بعد چالیس دن تک لگا تار بارش رات دن ہوتی رہی۔ صرف حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے جہاز میں سوار پرانی (جاندار) ہی بچے۔ اس اَنک (شمارے) میں حضرت نوح علیہ السلام اور باڑھ پر آدھارِت (مبنی) ایک روچک (دلچسپ) کتھا پرست (حاضر) ہے۔ کیسی لگی تمہیں؟ اسنیہہ (پیار)

تمہارا آنند چاچا۔''

مندرجہ بالا عبارت میں نوح علیہ السلام سے پہلے 'حضرت' کا لفظ بتا رہا ہے کہ لکھنے والے حضرت نوح علیہ السلام کو مسلمانوں کے پیغمبر کی حیثیت سے جانتے ہیں لیکن پھر بھی انھوں نے بچوں کے سامنے بائبل کا ذکر تو کیا اور مسلمانوں و قرآن کا ذکر نہیں کیا۔

☆ اس بات کے ثبوت موجود ہیں کہ چند ہندو علماء ایودھیا کی اصل حقیقت سے واقف ہیں اور دیگر ہندو خواص کے سامنے انھوں نے اِسے اس حیثیت سے پیش کیا ہے کہ ان کی اصل ایودھیا پر مسلمانوں کا قبضہ ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی نگاہیں ایودھیا کی بابری مسجد کی بازیابی کی تحریک سے آگے نہیں ہیں۔ لیکن چند ہندو خواص کے سینوں میں یہ آرزو پل رہی ہے کہ انھیں اپنی اصل ایودھیا کو ایک دن مسلمانوں کے قبضہ سے آزاد کرانا ہے۔ یہ ان کے سینوں میں چھپا ایک انتہائی خفیہ راز ہے جو چند لوگوں کی زبان پر بھی آیا ہے۔

ساجد رشید کو انٹرویو دیتے ہوئے شیوسینا کے چیف بال ٹھاکرے صاحب کی زبان پر یہ خواہش ایک مرتبہ آئی لیکن پھر وہ الفاظ کو دبا گئے اور ساجد صاحب نے بھی آگے نہیں کریدا۔ ایک سوال کے جواب میں بال ٹھاکرے صاحب نے کہا تھا:

''دیکھئے آپ اتنا پیچھے مت جایئے۔ابھی کی بات کیجئے تاریخ میں بہت پیچھے جائیں گے تو میں آپ کو ایسی بہت سی مسجدیں بتا سکتا ہوں جو پہلے مندر تھے جن کے نشانات ابھی بھی باقی ہیں۔کیا آپ انہیں ہندوؤں کو دینے کو تیار ہیں۔میں کہنا تو نہیں چاہتا اور نہ میں کوئی ادھیکار جتا رہا ہوں۔آپ کی بات پر کہہ رہا ہوں۔اگر آپ بہت پیچھے جائیں گے تو آپ کا جو مکہ ہے اس میں پہلے بت تھے۔اب اگر ہم کہیں کہ یہاں پہلے ہمارے لوگوں کے بت تھے اس لیے یہ ہم کو دو تو کیا آپ اس بات کو مانیں گے۔میں کہتا ہوں آج کی بات کرو، پرانی بات چھوڑو۔''

اس طرح کی بہت سی اور بھی مثالیں موجود ہیں۔ہم بہت خوشی اور فخر کے ساتھ اُن کو ان کا یہ پرانا معبد واپس کریں گے لیکن اسی وقت جب وہ ویدوں اور قرآن واحادیث کی پیشین گوئی کے مطابق اپنا کھویا ہوا اصل دین پا چکے ہوں گے۔

ہماری غفلت

ابھی عام ہندو ان حقیقتوں سے لاعلم ہیں۔یہ تمام حقیقتیں انھیں کی کتابوں کی تفصیلات سے مکمل ثبوتوں کے ساتھ پیش کی جائیں گی تو موجودہ شکل میں رام اور موجودہ شکل میں رام جنم بھومی کا وجود ہی نہیں رہے گا اور تاریخ اس طرح خود کو دہرائے گی جس طرح بت پرست عرب اور تین سو ساٹھ بتوں والی اصل ایودھیا (کعبہ) میں چودہ سو سال پہلے دہرائی جا چکی ہے۔

الغرض ان تمام رازوں کو ہزار سال سے ہندو خواص سینہ بہ سینہ مسلمانوں اور ہندو عوام سے چھپاتے آ رہے ہیں۔ہندو خواص سے نکل کر اب یہ راز بہت سے ہندو عوام تک بھی پہنچ رہے ہیں لیکن قوموں کو ہدایت دینے والے والی قوم مسلمان قوم کو ان کی خبر نہیں۔

ہندو علماء یہ بھی جانتے ہیں کہ تبدیلی کا وقت قریب ہے (ان کی انانیت ان کو روکے ہوئے ہے کہ وہ ہندو عوام کے سامنے حق کا اعلان کر سکیں) لیکن مسلمانوں کے سامنے تحقیقی ثبوت پیش کرنا پڑ رہے ہیں اور پھر بھی وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ سب مجہول روایتوں پر مبنی ایک خیالی افسانہ ہے۔اوپر بیان کیے ہوئے تمام رازوں کے تحریری حوالے نہیں پیش کیے جا سکتے۔کیونکہ حتی الامکان ان کو چھپانے کی کوشش کی جاتی ہے جس کی وجہ سے زبانی تذکرے ہی ہوتے رہتے ہیں لیکن ان تمام انکشافات کو ہم ثابت کر سکتے ہیں۔ہمیں ثابت کرنے کی بھی ضرورت نہیں

پڑے گی۔ آپ کفار کہہ کر نفرت کرنے کے بجائے قریب جا کر تو دیکھیں آپ کو بھی ثبوت مل جائیں گے۔

قرآن، رسول اور بیت اللہ کی حقیقتوں کو جاننے والے جانتے ہوئے بھی چھپا رہے ہیں اس بات کو قرآن نے اس طرح بیان کیا ہے: یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاءَ هُمْ ''وہ اسے ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں''۔

ہندوستان کی ہندو قوم کے علماء بھی بطورِ خاص اِن حقیقتوں کو اپنی کتابوں اور روایتوں کی روشنی میں خوب اچھی طرح سے پہچانتے ہیں۔

ہزاروں سال سے ساتھ رہنے والے پڑوسیوں کے افکار و خیالات کا جب تک ہمیں صحیح علم نہیں ہوگا ہم ان کی نفسیات کو نہیں سمجھ سکتے اور نفسیات کو سمجھے بغیر صحیح رُخ پر دعوت بھی پیش نہیں کر سکتے۔ کیا اسے مجرمانہ لاعلمی نہیں کہا جائے گا؟ کیا اس لاعلمی پر اللہ کی عدالت میں ہمیں مواخذہ کا خوف نہیں ہونا چاہیے؟ کیا اب بھی ہمارے جاگنے کا وقت نہیں آیا ہے؟۔

اسلام کی نظریاتی تاریخ

اسلام کے نظریہ اور ایمانی کیفیات کے اعتبار سے اعلیٰ دور آپ ﷺ کا دور مبارک ہے اس کے بعد یقیناً اس میں کمی آتی چلی گئی۔ اس لیے کہ آپ ﷺ کی صحبت اور مجالس کی ایمانی کیفیات کا بعد کے اَدوار میں کسی صحابی اور غیر صحابی کی صحبت اور ہم نشینی سے کسی درجے میں بھی تقابل نہیں کیا جاسکتا۔ ایک فرمان میں آپ ﷺ نے فرمایا:

خَيْرُ أُمَّتِي الْقَرْنُ الَّذِينَ يَلُونِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ .....

''میری اُمت کا بہترین زمانہ وہ ہے جو میرا ہے پھر وہ جو اس کے بعد ہے اور پھر وہ جو اس کے بعد ہے''۔ (صحیح مسلم، عن عبداللہ)

اسلام کے ایمانی کیفیات کے اعتبار سے تین اَدوار ہیں سب سے اعلیٰ دور، دورِ نبوت علیہم الصلوٰۃ والسلام ہے، پھر دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم ہے اور اس کے بعد دورِ تابعین رحمۃ اللہ علیہم ہے۔

خیر اور شر کی جنگ میں آپ ﷺ کے دور میں خیر کا پہلو غالب رہا اور بالآخر سرزمین عرب میں دین حق غالب ہوگیا۔ قرآن مجید کا اشارہ ہے:

جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا O (81:17)

''حق آ گیا اور باطل نابود ہوگیا بے شک باطل نابود ہونے والا ہے''

خیر کے مقابلے میں شر کی قوتیں نہ اُس وقت چین سے بیٹھی تھیں اور نہ بعد کے کسی دور میں۔ یہ کشاکش تو مسلسل جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گی۔

اس دورِ سعادت میں آپ ﷺ کے تربیت یافتہ اور فیض یافتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی سب ایک درجے کے نہیں ہیں، ان میں بھی درجہ بندی ہے۔ اسی طرح پوری اُمت میں درجہ بندی ہے۔ ایمانی کیفیات اور اسلام سے وابستگی کی نظر سے اہلسنّت کے نزدیک یہ درجہ بندی اس طرح ہے۔

1۔ آپ ﷺ کا دورِ نبوت و رسالت صرف آپ کی حیاتِ طیبہ تک نہ تھا بلکہ آپ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور کامل و اکمل و مکمل ترین نبی تھے اور آپ کو قرآن مجید عطا ہوا جو آخری کلام اور رہتی دنیا تک ہدایت کا منبع و سرچشمہ ہے۔ لہٰذا آپ کی اُمت قیامت تک رہے گی اور قرآن مجید بھی اور اس پر عمل بھی رہے گا۔ اللہ نے اس قرآن مجید کی حفاظت کا ذِمہ لیا ہے تو گویا دوسرے الفاظ میں یہ حفاظت اہل ایمان اور مسلمانوں کی ہے کہ مسلمان اُمت دشمنوں کی چالوں کے باوصف محفوظ و مأمون رہے گی۔ علامہ اقبال مثنوی اسرار و رموز میں فرماتے ہیں:

اُمتِ مسلم ز آیاتِ خدا ست — اصلش از ہنگامۂ قَالُوا بَلٰی ست
از اجل ایں قوم بے پرواستے — استوار از نَحنُ نَزَّلنَا ستے
ذکر قائم از قیامِ ذاکر است — از دوامِ او دوامِ ذاکر است
تا خدا اَنْ یُّطفِئُوا فرمودہ است — از افسردن ایں چراغ آسودہ است
اُمتے در حق پرستی کاملے — اُمتے محبوبِ ہر صاحب دلے
حق بروں آورد ایں تیغِ اصیل — از نیامِ آرزو ہائے خلیلؑ

☆ ساری اُمت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو افضلیت کاملہ حاصل ہے اور کوئی غیر صحابی صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا۔

☆ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں فتح مکہ سے پہلے ایمان لانے والے، فتح کے بعد ایمان لانے والوں سے افضل ہیں۔

☆ فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ کے ہم رقاب دس ہزار صحابہ تھے اور افضل ترین انسان تھے۔

☆ ان میں سے 1400 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو صلح حدیبیہ کے موقع پر موجود تھے اصحابُ الشجرہ کہلاتے ہیں، وہ افضل ہیں۔

☆ ان میں 700 صحابہ رضی اللہ عنہم جنھوں نے اُحد کی لڑائی میں شرکت کی وہ افضل ہیں۔

پھر اصحابِ بدر 313 صحابہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت ہے، ان میں سے مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم افضل ہیں۔ ان میں سے عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم ہیں، پھر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم ہیں اور ان خلفائے راشدین کی فضیلت اہلسنّت کے نزدیک علیٰ ترتیب الخلافہ ہے یعنی انبیاء علیہم السلام کے بعد اُمت

محمد یہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت ہے جو منطقی طور پر تمام غیر نبی افراد میں فضیلت مطلقہ کی متقاضی ہے اور یقیناً ایسا ہی ہے۔

نظریاتی اسلام کے خلاف سازشیں

اپریل 571ء ولادتِ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم (مکہ)، دورِ خلافت راشدہ، دورِ بنواُمیہ 750ء تک

یہود کا بگڑا ہوا طبقہ جو بنی اسرائیل پر حاوی تھا اور بعد میں صہیونیت (ZIONS) کے نام سے مشہور ہوا اس کے آغاز کے آثار تین ہزار سال پرانے ہیں۔ سورۃ البروج کی تفسیر میں جو روایات آئی ہیں اور تفصیلات مفسرّین کرام نے درج کی ہیں اس کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے تین صدیاں پہلے حجاز کے جنوبی علاقے یمن میں یہود کی حکومت تھی اور وہ اس وقت کے برحق نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں پر اسلام پر کاربند رہنے کی وجہ سے مظالم ڈھا رہے تھے۔ 'اَصحابُ الاُخدود' کے نام سے یہی قوم بعد میں عذابِ الٰہی کا نوالہ بنی اور ختم ہوگئی اور عیسائیت آ گئی۔ جزیرہ نمائے عرب کے مغرب اور جنوب میں اسکندریہ سے لے کر یمن اور خلیج فارس کے ساحلی علاقے میں عیسائی حکمران بن گئے۔ یہود عالمی تجارت کے بل بوتے پر اس علاقے میں مؤثر تھے لہٰذا یمن کی عیسائی حکومت میں بھی کلیدی عہدوں پر فائز تھے۔ مدینے کے یہودی اپنی کتابوں میں دی گئی تفصیلات کے مطابق مدینہ اس لیے آئے تھے کہ وہ آخری پیغمبر کھجوروں کی سرزمین میں آئے گا۔ انھیں اس بات کا اندازہ تھا اس پیغمبر کی ولادت کا وقت قریب ہے۔ اسی لیے انھوں نے یمن کے عیسائی حکمران ابرہہ کو مکہ پر حملہ پر اُکسایا اور وہ بڑی تیاری کر کے اس حملے کے لیے آیا۔ قرآن مجید میں سورۃ الفیل (105) میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ اس بادشاہ کے حملے کے وقت معجزانہ طور پر مکہ کی حفاظت کی ہوئی اور مکہ میں بیت اللہ اور مکہ کے باسی سب اس حملہ آور کے ظلم وستم سے بچ گئے۔ اس واقعہ کو 'اصحاب الفیل' کا نام دیا گیا ہے اور اُس سال کو عام الفیل کہا جاتا تھا۔ اس حملہ کے واقعے کے چھ ہفتے کے لگ بھگ بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہے۔ اس واقعہ میں اگر وہ حملہ آور مکہ داخل ہو جاتا تو قتل وغارت اور عورتوں کی بے حرمتی ہوتی جس سے حضرت آمنہ (والدہ محترمہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے بھی متاثر ہونے کا

امکان تھا جس سے اللہ نے انھیں محفوظ رکھا۔ اس حملے کا ٹائم فریم اور آپ کی ولادت سے قرب یہودی ذہن کی سازش کا پتہ دیتا ہے۔

☆ مکہ میں حضرت محمد ﷺ کا بچپن کا دور ہے اور آپ کے چچا ابوطالب کے ساتھ آپ فلسطین کے عیسائی علاقے میں تجارتی سفر پر ہیں کہ ایک عیسائی راہب مشورہ دیتا ہے کہ اس بچے کی حفاظت کریں اور دشمنوں کی دست بُرد سے بچائیں۔ گویا تورات اور انجیل میں آپ ﷺ کی آمد کے وقت کے بارے میں تفصیلات درج تھیں اور یہ باتیں نصاریٰ میں بھی متداول تھیں۔

☆ مکہ میں آپ ﷺ پر جو کچھ گزر رہی تھی اس سے مدینہ میں رہنے والے یہود واقف تھے اور امتحاناً کئی غائبانہ (PROXY) سوالات کرکے آپ کو جانچ کر پہچانتے تھے بالخصوص اصحابِ کہف، ذوالقرنین اور 'روح' سے متعلق سوالات بہت اہمیت رکھتے ہیں۔

☆ سفر ہجرت کے بعد آپ ﷺ کی مدینہ تشریف آوری کے لیے اہل قبا کئی دن سے انتظار میں تھے اور جس دن آپ قبا پہنچے تو معمول سے ذرا دیر سے پہنچے کہ لوگ انتظار ختم کرکے گھروں کی طرف لوٹ چکے تھے۔ ایک یہودی کھجور کے درخت پر پھل اُتار رہا تھا کہ دُور سے شتر سوار مسافر آتے نظر آئے تو اس نے وہیں سے پکارا کہ تمہارے 'نبی' آ گئے۔ گویا وہ بھی پہچانتے تھے مگر وہ ایمان نہ لائے، نہ معلوم کیا وجہ تھی؟

☆ حضرت محمد ﷺ نے مدینہ پہنچ کر جلد ہی یہود کے تین قبائل، دو انصار کے قبائل اوس اور خزرج اور مہاجرین (جو اب مدینہ کے باسی تھے) کے درمیان ایک معاہدہ 'میثاقِ مدینہ' کے نام سے کرا دیا۔ یہود کے تینوں قبائل نے اس معاہدے میں شمولیت کے باوجود کبھی دل سے اس پر عمل نہ کیا اور در پردہ سازشوں میں مصروف رہے۔ میثاقِ مدینہ کے خلاف یہود نے اہل مکہ کو مدینہ پر حملہ کی دعوت دی اگرچہ یہ لڑائی بدر کے مقام پر ہوئی مگر اس بدعہدی کے نتیجے میں بنی قینقاع کو مدینہ سے نکال دیا گیا۔ جنگ اُحد کے موقع پر دوسرے قبیلہ بنی نضیر نے بدعہدی کی اور جنگ اُحد کے بعد انھیں بھی جلاوطن کر دیا گیا۔ بدنیتی کی وجہ سے 'توبہ' کا راستہ اختیار کرنے کی بجائے پہلے سے طے شدہ منصوبہ کے مطابق خندق کی لڑائی کے موقع پر تیسرے قبیلہ بنی قریظہ نے بدعہدی کی اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے ذریعے ثالثی کے فیصلے کے بعد ان کے تمام قابل جنگ افراد قتل ہوئے

اور جلاوطنی بھی ہوئی۔ صلح حدیبیہ کے بعد خیبر کی جنگ میں وہاں سے بے دخل کر دیے گئے۔

☆ مدینے میں آپ ﷺ کے قیام کے دوران یہود نے آپ ﷺ کو قتل کرنے کے کئی منصوبے تیار کیے مگر دو منصوبوں پر عمل درآمد ہوا اس لیے تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہیں۔ یہود کا یہ طرزِ عمل دراصل 'قتل انبیاء' جیسا ہی تھا جس کے وہ عادی تھے اور مدینے میں آ کر بسنے والے 'یہود' دراصل بگڑے ہوئے بنی اسرائیل کے طبقے سے تھے اور 'صہیونیت' کے پروگرام کے دلدادہ تھے۔

☆ قتل انبیاء کا جرم یہود نے اپنایا تو اس سے اُن کے کئی عزائم سامنے آ گئے۔ جب تک آسمانی ہدایت جاری تھی اور نبی آ رہے تھے تو یہود آسمانی ہدایت سے دشمنی اور خدابیزاری کی وجہ سے انبیاء کو قتل کر کے ہدایت روکتے رہے اور 'من مانی' کرنے کے راستے ہموار کرتے رہے۔ آپ ﷺ پر سورۂ احزاب 6ھ میں نازل ہوئی، جس میں آپ ﷺ کو خاتم النّبیین اور آخری نبی کا خطاب عطا ہوا اور اعلانِ عام ہو گیا تو اب یہود نے وحی دشمنی کے جرم کا دوسرا رُخ اختیار کر لیا۔ اصل جرم تو یہی تھا کہ اللہ کا کہنا یا وحی کی تابعداری یا نبیوں کے انسان دوست اور اخلاق دوست فرامین سے پہلوتہی کر کے من مانی کرنے کا راستہ صاف کرنا ہے اور آسمانی ہدایت تورات، زبور اور انجیل غائب کر کے مزید ہدایت کا راستہ روکنا کہ ان کی من مانی کرنے کے لیے کوئی ریفرنس باقی نہ رہے اور اگر آسمانی ہدایت کا کہیں تذکرہ ہو تو اس کو مشکوک بنا دیا جائے۔ لہٰذا جیسے ہی ختم نبوت کا اعلان ہوا ـــــ مدینہ سے دور بیٹھے یہود نے جعلی نبوت کا منصوبہ بنا کر آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں ہی آپ کے مدمقابل لا کر جھوٹے مدعیانِ نبوت کو صف آرا کر دیا کہ لوگوں کی نگاہوں سے 'نبوت' کا ادارہ گر جائے اور لائق اعتناء نہ رہے۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ یہود آج تک وقتاً فوقتاً ایک تسلسل سے ایسے جھوٹے مدعیانِ نبوت اور دیگر اسلام دشمن کردار کے افراد کو سامنے لاتے ہیں اور ان کو پالتے ہیں اور ان کی سرپرستی کرتے ہیں۔ جیسے ماضی قریب میں مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کی جماعت وغیرہ وغیرہ۔

گویا قتل انبیا اور جھوٹے مدعیانِ نبوت کے پیچھے ایک ہی ذہن کارفرما ہے اور وہ ہے صہیونیت اور بنی اسرائیل کا بگڑا ہوا خدابیزار اور وحی دشمن طبقہ۔

☆ آپ ﷺ کی وفات پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں جھوٹے مدعیانِ نبوت کا

قلع قمع ہوگیا تو کچھ عرصے یہ لوگ سہم گئے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے مطابق یہود و نصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے نکال دیا گیا تو یہ آپ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کے دشمن بن گئے۔اسی طرح کسریٰ کی سلطنت کے ٹکڑے ہوئے تو اس شاہی خاندان کی باقیات اور ان سے قلبی تعلق رکھنے والے اور اس سلطنت کی بحالی کے آرزومند بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دشمن ہو گئے اور انھیں قتل کرادیا۔تاہم اسلام کی عظمت کے نشانات اور فتوحات میں کوئی فرق نہ آیا۔پھر سیاسی افراتفری پھیلائی گئی اور اندرونی خلفشار پیدا کیا گیا۔عبداللہ بن سبا کا فتنہ کھڑا کیا گیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوگئی۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں 84000 مسلمان دشمنوں کی سازشوں کی بنا پر غلط فہمیوں کے نتیجے میں باہمی خانہ جنگی میں شہید ہو گئے۔حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں پھر اسلامی ریاست ایک ہوگئی اور فتوحات کا سلسلہ بھی جاری ہوگیا۔

اسلامی فتوحات میں کسریٰ اور قیصر کی عظمتیں خاک میں مل گئیں اور اس کے بعد روئے ارضی پر کوئی طاقت اسلام کا راستہ روکنے والی نہ تھی۔علامہ اقبال نے فرمایا

مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری
تھمتا نہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا

کہ یہود و نصاریٰ نے سازش کی۔پہلے واقعہ کربلا اور اس کے ساتھ ہی مدینہ میں واقعہ حرّہ پیش آ گیا وجوہات کوئی بھی ہوں ان دو سانحات کے آثار آج تک اُمت کو جمع نہیں ہونے دیتے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خاندان کی حکومت 132ھ سے 750ء تک رہی۔ دور بنواُمیہ تک خیر القرون کے آثار تھے اور تابعین کا دور تھا اور اُموی حکومت خالص عربی حکومت تھی ابھی جذبہ اور حرارتِ ایمانی تھی۔حکومتی ایوانوں میں اضمحلالِ ایمانی پر حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ جیسی نادر روزگار شخصیت سامنے آ گئی جس نے خلافت راشدہ کی یاد تازہ کردی۔

تابعین کے دور کے بعد ایمانی کیفیات میں مزید اضمحلال آیا تو اس کا تریاق اور علاج بھی ناگزیر تھا۔لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بھی نشاندہی فرمادی اور اُمت سے ہمدردی اور اُمت کی غم خواری وغم گساری آپ ہی کے لیے سزاوار ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَأْسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا

دِیْنَھَا (رواہ ابوداؤد، عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ)

''بے شک اللہ تعالیٰ بھیجتا رہے گا اس امت کے لیے ہر سو سال پر ایسا شخص جو اس کے لیے اس کے دین میں تجدید کر دے گا''

اُمت کی ایمانی کیفیات میں زوال بھی آیا اور مجدّدین تجدید ایمان بھی کرتے رہے۔

دورِ بنوعباس 750ء تا 1258ء

مسلمانوں کے ایمان و یقین کی کیفیات میں کمزوری آ رہی تھی اور دور نبوت سے دُوری کے باعث یہ عمل (PHENOMENON) ایک فطری اور نفسیاتی معاملہ ہی تھا اور اللہ تعالیٰ نے اہل حق کا ایک گروہ اس صورت حال سے نمٹنے کے لیے ہمیشہ تیار رکھا اور وہ اپنا کام کرنے میں مشغول رہے۔

یہود ـــــ در پردہ سازشوں کے ماہر اور استاد ہیں اور دنیا بھر کی خفیہ تنظیمیں، خفیہ پروگرام اور ابلیسی نوعیت کے کاموں کا سہرا یہود اور صہیونیت کے سر ہی بندھتا ہے۔ چنانچہ دورِ بنوعباس میں مسلمانوں میں دین سے دُوری کے اسباب میں سب سے بڑا سبب یونانی فلاسفہ کے مردُود اور اَز کار رفتہ بے حیائی، جہالت اور شرک کے نظریات کے حامل ارسطو کے نظریات کو مسلمانوں میں پھیلا دیا گیا۔ مسلمانوں میں ترقی اور تحقیق کے نام پر تجرباتی علوم کا دور آیا تو یونانیوں کی سائنس کی کتابوں کے ترجموں کے ساتھ یونانی فلاسفہ کے نظریات پر مبنی کتب کے بھی ترجمے ہو گئے جس سے مسلمانوں میں اپنی مابعد الطبیعات اور ایمانی کیفیات کو ارسطو کی منطق پر پرکھا جانے لگا اور اس سے مسلمان حکماء اور ذہین افراد میں الحاد و تشکیک، دین سے بیزاری، آخرت اور ایمان کی کیفیات کے انکار کا رنگ غالب ہونے لگا۔ اس معرکہ روح و بدن اور وحی و عقل میں مخلص مسلمانوں کا سخت امتحان آ گیا۔

چنانچہ ایک طرف مسلمانوں نے اپنے عقائد اور ایمان کی حفاظت کے لیے عقل کے معیار پر کتب تیار کرنا ضروری سمجھا اور دوسری طرف صرف عقل پرستی سے نکل کر روح، روحانی ترفُّع، اللہ سے محبت، ربّ سے تعلق اور اللہ کے سامنے حاضری اور حضوری کے تصورات نے ایمان کی حفاظت کے لیے زوایے، خانقاہیں اور اہل اللہ کی صحبت میں بیٹھنے کے راستے تلاش کرنا

شروع کیے۔ اسی دور میں اسلام کے اصلی سرمایۂ ہدایت قرآن اور حدیث کے متون کو بھی تختۂ مشق بنا دیا گیا۔ چنانچہ اس سلسلے میں بھی مسلم اہل علم اور مجدّدین نے اپنی ذمہ داریاں باحسن پوری کیں اور امت کے بڑے حصے کو الحاد اور زندقہ سے بچالیا اور باقیوں کے لیے رہنمائی چھوڑی کہ وہ مزید گمراہی سے بچ سکیں۔

تاریخ میں یہ سب کچھ یہود اور بنی اسرائیل ہی کا کیا دھرا تھا اور مقصد بڑا واضح تھا کہ آسمانی ہدایت کی دشمنی کی وجہ سے آسمانی ہدایت کو غائب کر دینا یا مشکوک بنا دینا تاکہ وہ اپنی من مانی کر سکیں۔

دورِ بنوعباس میں ہی 'ہند' سے بھی اہل علم اور ان کی کتب بغداد لائی گئیں مگر 'ہند' کی کتب میں اتنی جان نہیں تھی کہ اسلام پر حملہ آور ہو سکتیں اور نہ ان کے نظریات اتنے انسان دوست، اخلاق دوست اور خداشناس تھے کہ وہ مسلمانوں میں راہ پاسکتے۔ اس دور میں علمی گہما گہمی، مناظرے، بحثیں اور ارسطو کی منطق نے بے راہ روی اور آزاد خیالی کے ساتھ عقل پرستی اور عقلیت کا وہ طوفان کھڑا کر دیا کہ خطرہ تھا کہ اُمت میں انتشار اور خلفشار نہ ہو جائے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے جو رجالِ دین اس دور میں پیدا کیے اُن کی ہمت ہے کہ انھوں نے قرآن مجید کے متن کو غیر مبدل منوایا اور قرآن کے متن کے ساتھ اس کا لہجہ اور قرائت بھی محفوظ ہو گئے، علم حدیث اور اس کے ذخیرہ کی حفاظت کے لیے اسماء الرجال کا فن ایجاد ہوا اور اس طرح حضرت محمد ﷺ کے فرمودات اور مسلم روایات کی حفاظت ہو گئی۔ فقہ میں اختلافات کے طوفان میں چار مکاتب فقہ پر اتفاق ہو گیا۔ عقائد کی دنیا میں تیرھویں صدی آتے آتے کئی نشیب و فراز سے گزر کر امام غزالی اور امام ابن تیمیہ کا نقطۂ نظر مستند قرار پائے اور امت کے صلحاء اور رجالِ دین ان چار فقہی مکاتب میں ایک اور عقائد کے میدان میں سے غزالی و ابن تیمیہ رحمہما اللہ میں سے کسی ایک کے حامی بنتے چلے گئے۔ صحت مند روایات اور علمی گفتگو کا دروازہ تو کبھی بند نہیں ہوا مگر عملاً راہیں متعین ہو گئیں ارسطو کی منطق اور یونانی علوم کے حملہ سے اسلام اور مسلمان بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہود اور دیگر فتنہ پرور طاقتوں کے لیے یہ حوصلہ شکن مرحلہ تھا کہ ان کا وار کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکا۔

☆ یہودیوں نے عیسائیت (صلیبیوں) کو اسلام سے ٹکرانے کی بڑی کوشش کی اور جنگیں

بھی ہوئیں مگر عیسائیت اسلام کا مقابلہ نہ کرسکی۔ یہود نے منگولیا سے چنگیز خان اور ہلاکو خان کے ذریعے عسکری طور پر مسلمانوں کو نقصان پہنچایا اور ان کا خیال تھا کہ چنگیز خان اور ہلاکو خان کی لاجسٹک سپورٹ کے عوض انہیں اسلام کے خاکستر سے اپنی برتری اور عالمی حکومت کے قیام کی راہ ہموار کرنے کا موقع مل جائے مگر یہ خیال خیالِ خام ہی رہا۔ بلکہ جلد ہی قسطنطنیہ فتح کرکے مسلمانوں نے عیسائیت کے پھیلاؤ کو جبراً روک دیا۔

☆ ہوا یوں کہ عسکری طور پر ہلاکو خان نے مسلمانوں کو شکست دے دی مسلمان خلیفہ کو قتل کردیا گیا اور تباہی پھیلا دی گئی مگر نظریاتی اسلام نے ایک صدی کے اندر چنگیز خان و ہلاکو خان کی اولاد کو فتح کرلیا اور وہ مسلمان ہوگئے وہ تازہ دم تھے نومسلم تھے جذبہ جوان تھا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اگلی پانچ صدیوں کے لیے اسلام کی سربلندی کا جھنڈا ان تاتاریوں کے ہاتھوں تھما دیا۔ علامہ اقبال نے فرمایا:

ہے عیاں یورشِ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

چنانچہ سلطنت عثمانیہ، صفوی سلطنت اور سلطنت مغلیہ تینوں تاتاری حسب ونسب رکھتے ہیں اور اسلام ایک نئے رنگ اور نئے جذبے سے دنیا کو امن سکون، روحانی بالیدگی اور عدل وانصاف دلانے کے لیے سامنے آگیا (اور تاریخ گواہ ہے کہ 1924ء میں ترکی میں خلافت کے خاتمے تک مسلمان کبھی یورپی اقوام سے مرعوب نہیں ہوئے اور ترکی میں خلافت کے خاتمے کے اعلان پر برطانوی استعمار کی ناک تلے اور فوجی بوٹوں کے عین نیچے جنوبی ایشیا میں 25% آبادی پر مشتمل غلام قوم مسلمانوں نے ایسی تحریک خلافت چلائی کہ ہندوؤں کو بھی مسلمانوں کے اس مطالبے کا ساتھ دینا پڑا کہ برطانوی اقتدار ڈول گیا اور اس پر لرزہ طاری تھا جنرل ڈائر کو 1919ء میں جلیانوالہ باغ میں گولی چلا کر عوام کا قتل عام کرنا پڑا تاکہ وقت کا فرعون تاجِ برطانیہ اپنا رعب قائم رکھ سکے مگر ایسا نہ ہوسکا)۔

☆ ہند میں محمد بن قاسم کی آمد مختصر بھی تھی اور عارضی بھی۔ ہند میں دوبارہ اسلام کا وُرود درّۂ خیبر سے تین چار صدیوں بعد ہوا۔ درمیان میں صوفیاء آتے رہے اور اسلام پھیلاتے رہے

انہی صوفیاء کی کوششوں سے برصغیر میں اسلام پھیلا۔ 1206ء سے 1526ء تک مسلمان حکمران رہے اور ذاتی کردار کے اعتبار سے ان میں اکثر نہایت پاک باز، انسان دوست اور اخلاق دوست ہونے کے ساتھ عدل و انصاف قائم کرنے والے اور شرافت و دیانت کے پیکر تھے۔ تا آنکہ 1526ء میں مغل بادشاہ بابر نے لودھی خاندان کو شکست دے کر مغل حکومت کی بنیاد رکھی۔

☆ 1526ء سے پہلے مسلمان حکمرانوں کے کردار کی پختگی اور عدل وانصاف کی فراہمی تھی کہ ہندو قوم غالب اکثریت میں ہونے کے باوجود کوئی اقدام نہ کرسکی۔ مسلمانوں کے خلاف مقامی لوگوں کا پہلا اقدام بابا گورونانک کے ذریعے ایک نئے مذہب کی تشکیل تھی جس میں کچھ ہندومت کی باتیں، جین مت کی باتیں، اسلام کے بعض احکام اور اچھائیاں اکٹھی کرکے سکھ مذہب سامنے لایا گیا۔ بابا گورونانک اپنے دور جوانی میں عراق، بلاد اسلامیہ اور بلاد عرب بھی گئے تھے اور واپسی پر نئے مذہب کو تشکیل دیا ان کا دور 1469ء سے 1539ء تک ہے اور ان کے اثرات بھی دہلی سے مغرب کی طرف کے علاقے میں ہی محدود رہے۔ اس مذہب کے مذہبی رہنما مدتُ العمر تین صدیاں مغل حکومت سے عسکری طور پر نبرد آزما رہے مگر کامیاب نہ ہوسکے۔

نظریاتی سطح پر دوسری بڑی کوشش اکبر کی کم عمری میں تخت نشینی سے ہندو ذہن نے فائدہ اٹھا کر اسلام کو پیچھے کرنے اور 'ہمہ مذہبیت' کے نام پر 'دین الٰہی' ایجاد کرنے کا پروگرام اکبر کے ذہن میں ڈالا۔ اکبر کی بدقسمتی کہ اُس نے اپنی سلطنت کے استحکام اور بادشاہی کے دوام کے لیے اسلام سے رُوگردانی کرکے (مرتد ہوکر) نیا دین بنادیا اور سرکاری سطح پر اس کی ترویج بھی کرتا رہا۔

☆ اسلام کی نظریاتی بنیادوں پر اس 'دین الٰہی' کا اکبر کی حکمرانی کے زور پر وار بڑا کاری وار تھا اسلام کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے خود کی ہے لہٰذا ہندو کا یہ وار بھی خالی گیا اور اکبر کی وفات کے ساتھ دفن ہوگیا۔ اکبر۔ ہندو کے نزدیک مغل اعظم ہے اور مسلمانوں کے نزدیک اسلام سے مرتد۔

مغل حکمران اکبر کی برما سے لے کر کابل تک حکومت، شان وشوکت، ہندو کی تائید، اسلام کی تنسیخ اور نئے دین کا اعلان، نظریاتی اسلام کے لیے ایسا حملہ تھا کہ تاریخ اسلام میں اس کی مثال نہیں ہے۔ لہٰذا نظریاتی اسلام کی حفاظت اور مخلص مسلمانوں کی دلجوئی کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی اور دست قدرت نے کئی اقدامات کردیے۔

☆ ہر صدی کے عروج پر مسلمانوں میں مجدّدین کا سلسلۃ الذہب پہلی صدی ہجری سے جاری ہوا اور ابتدائی دس صدیاں سارے مجدّدینِ اُمت مشرق وسطیٰ یعنی بلادِ عرب اور وسطی ایشیا میں آئے۔ اکبر کے فتنہ کے سر اٹھانے کے بعد اس فتنے کے علاج اور تریاق کے لیے اللہ تعالیٰ نے آئندہ تمام مجدّدین کا سلسلہ جنوبی ایشیا میں منتقل کر دیا۔ گویا اسلام کی احیائی سرگرمیوں اور تجدیدی مساعی کا مرکز ثقل اب مشرق وسطیٰ سے ہند منتقل ہو گیا۔

☆ اکبر کے اسلام سے اعلانِ براءت و بغاوت کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اس کے مقابلے کے لیے ایک عظیم صوفی اور مصلح حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو اٹھایا جنھوں نے اکبر بادشاہ (جس کے دماغ میں اپنی وسیع حکومت اور مالی وسائل کے ساتھ ہندو تائید کا غرور سما گیا تھا) کو لگام دی اور اس کے نئے دین الٰہی کو سرکاری ایوانوں تک محدود کر دیا اور روشن خیالی کا یہ شاہکار نیا دین اور ماڈریٹ اسلام (MODERATE ISLAM) کا اکبری نمونہ اکبر کی وفات کے ساتھ ہی دفن ہو گیا یہ پھول، اچھا ہوا، بن کھلے مُرجھا گیا۔

یاد رہے کہ عربی میں ہزار کو اَلف کہتے ہیں، اَلف ثانی کے معنی اسلام کی تاریخ کی دوسری ہزاری ہے۔ مجدد الف ثانی کا مطلب ہوا وہ مجدد جو اسلام کے دوسرے ہزار کے آغاز میں سامنے آئے ہیں۔ یہ بات اکبر کی اس منطق کے جواب میں سامنے آئی کہ اکبر کے مشیروں نے اُسے یہ پڑھایا کہ آسمانی ایک دن دنیا کے ہزار سال کا ہوتا ہے اور اسلام کو آغاز سے اب ہزار سال ہو رہے ہیں (1000ھ قریباً 1594ء یا 1595ء میں تھی) لہٰذا اب نئے دین کی ضرورت ہے۔ جیسا منہ ویسا تھپڑ کے مصداق اللہ تعالیٰ نے حضرت مجدد الف ثانی کے نام سے ایک مردِ درویش کو کھڑا کر دیا جس کے نام میں الف ثانی شامل ہے وہ الفاظ آج تک اس نام کے ساتھ یاد کیے جاتے ہیں جبکہ اکبر کا نام اور اس کا دین حرفِ غلط کی طرح مٹ گیا اور ہندو بھی شاید اسے یاد نہ کرتے ہوں۔ اس لیے کہ غداروں اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے غدّاری کرنے والوں کا انجام ایسا ہی ہوتا ہے۔

☆ حضرت مجدّد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی بروقت کوششوں سے اکبری الحادی فتنہ پنگھوڑے میں ہی دَم توڑ گیا۔ انھوں نے فرعونِ وقت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کی اور

اس کی ساری چالوں کو ناکام بنادیا اسے ہر سطح پر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ حضرت مجدد اکیلے نہیں تھے ان کے ساتھ مخلص علماء، عوام اور مخلص خدا ترس سرکاری اہل کار بھی تھے۔ آپ نے اشرافیہ اور شاہی خاندان میں کام کیا اور اپنے خطوط کے ذریعے سے حق بات کا اِبلاغ کیا اور لوگوں کی اصلاح فرمائی۔

☆ اس عظیم کام میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے ایک ساتھی شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں انھوں نے برصغیر میں علم الحدیث کا پودا لگایا اور قرآن مجید کے ساتھ اشتغال بالحدیث کی طرف لوگوں کو متوجہ کیا۔ شیخ مجدد اور شیخ عبدالحق دونوں حضرت باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔

☆ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی حیات میں سرکار کی طرف سے اور فرعونِ وقت کے اہلکاروں کے ہاتھوں (اس لیے کہ اہل کار ہمیشہ "LOYAL TO THE KING, THAN THE KING HIMSELF" کے اصول پر کام کرتے ہیں) بڑے مصائب برداشت کیے۔ اکبر کی وفات سے اُمت مسلمہ ایک فتنہ سے بچ گئی۔ جہانگیر تخت نشین ہوا اور آغاز میں اپنے باپ ہی کے نقش قدم پر چلا۔ حضرت مجدد کو اتنا بڑا فتنہ اور خطرناک انسان سمجھتا تھا کہ جہانگیر انہیں قید میں ہونے کے باوجود سفر و حضر میں اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ لیکن حضرت مجدد کی مساعی نے رنگ دکھایا اور جہانگیر نے باپ کے دین سے توبہ کرلی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے وفاداری کی طرف لوٹ آیا، شراب سے توبہ کی، حکومتی سطح پر عدل و انصاف کا دامن پکڑا، عدل جہانگیری کی اصطلاح زبان زدعام ہوگئی۔ جہانگیر کی بیوی نور جہاں شیعہ ہونے اور موثر ہونے کے باوصف جہانگیر نے توبہ کے لیے کوئی لالچ اور خوف آڑے نہیں آنے دیا۔ اسی کا نتیجہ یہ نکلا جہانگیر کے بعد شاہ جہاں حکمران بنا تو ـــــ اکبر کی ضلالت سے اسلام کی حقّانیت اور اکبر کے تراشیدہ 'دین الٰہی' کی ظلمتوں سے اسلام کے نور کی طرف سفر میں اس حکمران کے کردار کی روشنی نے اُمت مسلمہ کو جگمگا دیا۔

پہلے ذکر آچکا ہے کہ ہندومت نے اپنے دورِ عروج اور آسمانی ہدایت سے انحراف کے دور میں بت پرستی کو عریانیت، بے حیائی، فحاشی اور ابلیسیت کے ساتھ ملا کر بے راہ روی کی انتہا کردی اور مذہب اور عبادت وعبادت گاہوں کے نام پر مجسم بے حیائی کو عام کردیا۔ اللہ تعالیٰ نے احیائے اسلام کی مساعی اور مسلمانوں کے 1000ھ کے بعد نشأۃ ثانیہ کے سفر میں شاہ جہاں سے بڑا کام لیا۔ ایک طرف شاہ جہان کا دور بڑا پُرامن تھا، ملک خوشحال اور عوام بھی خوشحال تھے اس نے

یکے بعد دیگرے ملک میں کئی مساجد اور عمارات تعمیر کرادیں۔ نظریہ ہی کسی قوم کے عروج اور خوشحالی کے دور میں اس قوم کی تہذیب وروایت، رہن سہن، تعمیرات اور لائف سٹائل سے جھلکتا ہے۔ مسلم نظریۂ حیات اور مسلم ذہن کی پاکیزگی کے کیا کہنے! شاہ جہاں کی بنائی ہوئی عمارات آج بھی مسلم طرز تعمیر میں مسلم کردار کی طرح صاف شفاف دکھائی دیتی ہیں۔ شاہ جہان پورے ہند کا مطلق العنان بادشاہ تھا مگر وہ اللہ کا بندہ اور مسلم ذہن کا مالک تھا کردار بہت پاکیزہ تھا۔ بادشاہ ہوکر صرف ایک شادی یعنی ایک بیوی کے ساتھ عمر گزاری۔ اسی سے اس کی 14 ولادتیں ہوئیں جن میں سے چار بیٹے حیات رہے۔ آخری ولادت کے موقع پر ممتاز محل کا انتقال ہوگیا تو شاہ جہاں کو بڑا دکھ ہوا (عیاش بادشاہ ہوتا تو ــــــ تو نہیں اور سہی اور سہی کرتا مگر) اس نے وفادار اور نیک بیوی کی موت کو محسوس کیا اور اس کی یادگار بنانے کا فیصلہ کیا اور اس کی بے لوث پاکیزہ اور فطری محبّت کی یاد میں تاج محل تعمیر کردیا۔ تاج محل آج بھی موجود ہے اور یہ ایک بڑی سلطنت کے مطلق العنان بادشاہ کی محبت کی یادگار اور ایک خوشحال ملک کے بادشاہ کی یادگار ہے۔ مگر اس کی تعمیر کی رعنائی اور پاکیزگی کے کیا کہنے! دنیا کا ہر ذی شعور آدمی اس کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکا (اس لیے کہ طرز تعمیر کسی قوم کے نظریات کا عکاس ہوتا ہے۔ تاج محل مسلم نظریات اور مسلم ذہن کا عکاس ہے)

علامہ اقبال نے ''درفن تعمیر مرد آزاداں'' میں پاکیزہ نظریہ کے پاکیزہ فن تعمیر کی تشریح میں تاج محل سے متعلق فرمایا:

یک نظر آں گوہر نابے نگر — تاج را در زیر مہتابے نگر
مرمرش ز آبِ رواں گردندہ تر — یک دم آنجا از ابد پائندہ تر
عشق مرداں سرّ خود را گفتہ است — سنگ را بانوکِ مژگاں سفتہ است
عشق مرداں پاک ورنگیں چوں بہشت — می کشاید نغمہ ہا از سنگ و خشت
عشق مرداں نقد خوباں را عیار — حسن را ہم پردہ در ہم پردہ دار
ہمت او آں سوئے گردوں گزشت — از جہانِ چند و چوں بیروں گزشت
زانکہ در گفتن نیابد آنچہ دید — از ضمیر خود نقابے برکشید

(ترجمانی: ایک نظر اس خالص موتی کو دیکھ، تاج محل کو چاند کی چاندی میں دیکھ۔ اس کا سنگ مرمر

جاری پانی سے زیادہ شفاف ہیں۔ وہاں ایک دَم ابد سے زیادہ پائندہ ہے۔ مردوں کے عشق نے اپنے راز کو خود بیان کیا ہے۔ پتھر کو پلکوں کی نوک سے پرویا ہے۔ مردوں کا عشق بہشت کی طرح پاک اور رنگین ہے۔ وہ سنگ وخشت سے نغمے پیدا کرتا ہے۔ مردوں کا عشق حسینوں کے نقد کی کسوٹی ہے۔ وہ حسن کا پردہ پھاڑنے والا بھی ہے اور حسن پر پردہ رکھنے والا بھی۔ اس عشق کی ہمت آسمانوں سے اُس طرف گزر گئی۔ اسباب کے جہان سے باہر نکل گئی۔ چونکہ جو کچھ عشق نے دیکھا ہے وہ بیان میں نہیں آ سکتا اس لیے اس نے اپنے ضمیر سے خود پردہ اُٹھا دیا۔)

عام مسلمان بادشاہ کی محبت کی یادگار میں اگر بت ہوتے، تصویریں ہوتیں، عشقیہ اشعار ہوتے، شراب وکباب کا ذکر ہوتا تب بھی لوگ خاموش رہتے کہ یہ تو ہے ہی محبت کی یادگار۔ مگر نظریہ کی پاکیزگی نے ہنر کو وہ جلا بخشی کہ اس سفید رنگ کے پتھر کی عمارت میں وہ حسن ہے، ہم آہنگی ہے کہ بیان سے باہر۔ دریائے جمنا کے کنارے تین صدیوں سے کھڑی یہ عمارت وسطی ہند کے مندروں کا منہ چڑا رہی ہے اور ہندو نظریۂ حیات کو شرمندہ وشرمسار کر رہی ہے کہ تمہاری عبادت گاہیں ایسی متعفن کہ آج کا مغرب بھی بے حیائی میں وہاں تک نہیں پہنچا۔ جب کہ ایک نظریۂ حیات وہ بھی کہ جس میں مطلق العنان بادشاہ کی محبت کی نشانی اتنی پاکیزہ اور شفاف کہ رشک آجائے۔ 1920ء کے لگ بھگ ایک غیر ملکی حکمران اپنی بیگم کے ساتھ رات کی چاندنی میں تاج محل دیکھ رہا تھا اس کی بیگم نے کہا کہ: ''اگر تم میری ایسی ایک یادگار تعمیر کرنے کا وعدہ کرو تو میں ابھی مرنے کو تیار ہوں''۔

شاہ جہاں کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے وسطی ہند کے کھجوراہو مندروں والے مذہب اور اس کے پیروکاروں پر ایک ایسا نظریاتی طمانچہ رسید کیا اور اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کا ایسا نشان چھوڑا کہ دوقومی نظریہ کے عرفان وپہچان کے لیے کسی بحث وتکرار اور تصنیف وتالیف کی ضرورت نہیں رہی۔

☆ شاہ جہاں کے بعد ہندو ذہن ہمہ مذہبیت اور برہمو سماج کے فلسفے کے تحت مسلمانوں کو گلے لگا کر ختم کرنا چاہتا تھا جس کے لیے اس نے شاہ جہاں کے بیٹے دارا شکوہ کو تیار کیا تھا مگر قدرت کو کچھ اور منظور تھا اسلام کے احیائی عمل میں مگن مجدّدین کی نگاہیں کچھ اور دیکھ رہی تھیں۔ اورنگزیب حکمران بنا اور اس نے اسلام کے نفاذ اور ذاتی سطح پر بادشاہ ہونے کے باوجود تنخواہ نہ لے

کر درویشی کی حکومت کر کے خلافت راشدہ کی یاد تازہ کر دی۔ اللہ تعالیٰ اس پر اپنی خصوصی رحمتیں فرمائے، آمین۔ ہندو نے مرہٹہ قوت کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا اور وہ 50 سال کی حکمرانی میں 25 سال دہلی نہیں آ سکا اور مرہٹہ قوت کا راستہ روکے رکھا کہ اس نے ایک صدی بعد سر اٹھایا تو اسلام کے نظریاتی حصار میں سے مجدد وقت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے دہلی میں بیٹھ کر احمد شاہ ابدالی کو دعوت دی اور بلا کر پانی پت کی تیسری لڑائی میں مرہٹہ قوت کو شکست فاش دی۔ احمد شاہ ابدالی کو بوجوہ جلد اپنے ملک لوٹنا پڑا ورنہ ـــــ اس مرہٹہ قوت کا پیچھا کر کے MOPPING UP OPERATION کے ذریعے اس قوّت کے مراکز تباہ کر دیتا تو جنوبی ایشیا کی تاریخ بہت مختلف ہوتی ـــــ تاریخ کا یہ قرض ابھی باقی ہے اور ہمیں یقین کامل ہے کہ افغانستان سے کوئی مسلم قوت اٹھے گی اور وہ امت مسلمہ کی طرف سے اس قرض کو چکا دے گی۔ (اسی مرہٹہ قوت نے انگریز کے دور میں انگریزوں کا ساتھ دیا اور تجارت پر قبضہ کر لیا اور تقسیم ہند کے وقت برطانوی سامراج کی بددیانتی اور صہیونی عزائم میں مسلم دشمنی کے عنصر سے بھرپور فائدہ حاصل کیا۔ اسی قوت نے انگریزی دور میں ہندو مسلم فسادات کا آغاز کیا جو اب بھی بھارت میں آئے دن ہوتے رہتے ہیں۔ بابری مسجد کا واقعہ ہو یا گجرات کے فسادات یہ اسی روایتی مسلم دشمنی کا شاخسانہ ہے)

اسلام کی نشأۃ ثانیہ اور احیائی عمل کے لیے مجدّدین کا سلسلہ ہند میں شروع ہوا تو وہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ انگریز نے ہندو سے مل کر مغلیہ حکومت کو معطّل کر کے دہلی پر قبضہ کر لیا تو یہ قبضہ دراصل ہندو اور انگریز کا مشترکہ قبضہ تھا کہ انگریز مسلم دشمنی میں مسلمانوں کی سرکوبی کے لیے ہندو کو استعمال کرتا رہا اور ہندو کے ذہن میں یہی تھا کہ انگریز جب بھی یہاں سے دفع ہو گا تو 'ہندو' پورے جنوبی ایشیا پر راج کریں گے اس لیے وہ انگریز کی خوشامد کرتے رہے۔

انگریز کے 1803ء میں دہلی پہنچنے اور انگریز ریذیڈنٹ کے مغل بادشاہ کے ساتھ بیٹھنے کے فیصلے پر خانوادہ ولی اللّٰہی سے غیر مسلم حکومت آجانے پر اسلامی حکومت کی بحالی کے لیے جہاد کا فتویٰ آیا، جمعہ کی عدمِ ادائیگی کا اعلان ہوا اور اسی کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ جہاد کے لیے اٹھے اور تحریک شہیدین کی صورت میں لوگ افغانستان کے راستے پہلے سکھوں سے جنگ اور بعد ازاں انگریز سے جہاد کے لیے نکل کھڑے ہوئے افسوس کہ یہ کوشش کامیاب نہ ہو سکی اور 6 مئی 1831ء کو

بالاکوٹ کے مقام پر اس تحریک کا باب ختم ہو گیا۔ تحریک شہیدین کے اثرات و باقیات ختم نہیں ہوئے دب گئے چنانچہ 1857ء میں بعض وجوہات کی بنا پر غیر ملکی سامراج کے خلاف لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور اس ہنگامے نے ایک تحریک آزادی کی شکل اختیار کر لی یہ تحریک خالصتاً مسلمانوں کی تحریک تھی ہندو تو انگریز سے مفادات حاصل کر رہا تھا، وہ من حیث القوم اس میں شامل نہیں تھے۔ یہ تحریک ناکام ہوئی تو 1857ء کے بعد مغل حکمران بہادر شاہ ظفر کو رنگون جلاوطن کر دیا گیا اور مسلمانوں کی پکڑ دھکڑ ہوئی تو اگلے پانچ چھ سال میں جہاں جہاں انگریز قتل ہوئے تھے اور تحریک کے اثرات تھے وہاں مسلمانوں کی جائیدادیں ضبط کر لی گئیں اور پھانسیاں دی گئیں کہ مسلم قیادت ختم ہو گئی صرف 18 سال سے کم عمر کے جوان یا بوڑھے افراد بچے۔ اسی لیے 1870ء اور 1910ء کے درمیان ملکی سطح پر کوئی مسلمان قیادت دکھائی نہیں دیتی۔

برطانیہ نے 1860ء کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی ختم کر کے اقتدار براہِ راست تاج برطانیہ کے حوالے کر دیا۔ لہٰذا ـــــ اب یہاں برطانوی قانون اور عدالتیں بنا دی گئیں اور اصلاحات کا عمل شروع ہوا اور مسلم اُمت میں احیائی کوششیں بھی ایک نیا رُخ اختیار کر گئیں یعنی آئینی اور قانونی جدوجہد کا راستہ۔

برطانیہ نے مغلیہ حکومت پر قبضے کے بعد یہاں اپنے اقتدار کو طول بخشنے کے لیے طویل المیعاد منصوبے شروع کیے۔ کلکتہ میں انگریز افسروں کے لیے مقامی زبانوں کو سیکھنے اور اس غلام قوم کو غلام رکھنے کے طریقے سکھانے کے لیے ایک فورٹ ولیم کالج قائم کیا گیا۔ بعد ازاں 1832ء کے لگ بھگ لارڈ میکالے کے ذریعے مقامی لوگوں کے روایتی نظامِ تعلیم کو بدل کر نیا سرکاری نظامِ تعلیم لایا گیا جس کے تحت یونیورسٹیاں، کالج، سکول وغیرہ بنے۔ لارڈ میکالے کے نظامِ تعلیم میں غلام قوم کے افراد کی غلامانہ ذہنیت کے فروغ کے ساتھ ساتھ یونانی حکمت اور رومی طرزِ حکومت اور قانون کی عظمت کا نقش ذہنوں پر بٹھانے کا کام کیا گیا۔ اسلام، اسلامی اقدار، نظریات سوچ وغیرہ جدید نظامِ تعلیم میں جگہ نہ پا سکے اور آہستہ آہستہ قصۂ ماضی بن گئے یہ اثراتِ بد آج دو صدیوں بعد بچشم سر دیکھے جا سکتے ہیں۔

☆ برطانوی حکومت ایک غیر ملکی سامراج ہی نہیں ایک ظالم استعمار تھا اور صرف حکومت

اور ملک گیری پیش نظر ہوتی تو خیر تھی ـــــ یہ سامراج سفّاک ہونے کے ساتھ صہیونی عزائم کی تکمیل کے لیے لایا گیا تھا اور اس کے مقاصد میں مسلمانوں کو دبانا، مسلمانوں کو وسائل رزق اور عزت سے محروم کر دینا شامل تھا اور اس کے ساتھ غیر مسلم قوت کو ابھارنا اور مسلم دشمنی کے جذبات کو بھڑکا کر کبھی کبھی آگ لگاتے رہنا بھی اسی پروگرام میں شامل تھا اور انگریز نے یہاں عیسائیت کی زور و شور سے تبلیغ کی۔ انگریز نے یہاں 1860ء کے بعد سرکاری ملازمتوں، عدلیہ اور فوج میں مسلمانوں کے لیے ہر حیلے بہانے سے راستے بند کر دیے جبکہ ہندو اور دیگر غیر مسلم افراد کو گلے لگایا گیا۔

مسلمانوں میں نئے نظامِ تعلیم، برطانوی سامراج کے استحکام اور 1857ء کی تحریک آزادی کی ناکامی کے بعد دو نقطہ ہائے نظر پیدا ہوئے۔ نظریاتی لحاظ سے ان دونوں نقطہ ہائے نظر نے اسلام اور مسلمانوں کو بے حد متاثر کیا۔

ایک نقطۂ نظر یہ تھا کہ اب برطانوی سامراج نے قانون کی عملداری قائم کر دی گئی ہے لہٰذا مسلمانوں کو سکون سے رہنا چاہیے۔ جدید علوم حاصل کریں اور اپنی آزادی اور دین کے تحفظ کے لیے آئینی اور قانونی جدوجہد کریں۔ یہ نقطۂ نظر سرسیّد احمد خان مرحوم کا تھا۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ مسلمان تلوار پھینک کر مغربی علوم کی تحصیل کریں اور علم کے میدان میں آگے بڑھ کر اسلام کا بھی مطالعہ کریں تو آج کے عالمی معیار کے مطابق مغرب کے سامنے اسلام کو پیش کریں۔ سرسیّد احمد خان چاہتے تھے کہ مسلمان سائنسی علوم حاصل کریں اور سرکاری ملازمتیں اختیار کریں ان کو یہ فکر تھی کہ ہندو جو پہلے ہی مسلمانوں سے دُگنے سے بھی زیادہ ہیں، دیگر غیر مسلم اقوام بھی اُن کی ہمنوا ہیں وہ سب برطانوی سامراج کے سائے میں مسلمانوں سے آگے بڑھنے کی دوڑ میں آگے نکلنے کی کوششیں کر رہے ہیں۔ برطانیہ نے چونکہ اقتدار مسلمانوں سے چھینا تھا لہٰذا برطانیہ مسلمانوں کو بالارادہ دبا رہا تھا اور غیر مسلموں کو آگے بڑھا رہا تھا۔ سرسیّد احمد خان کو خوف لاحق تھا کہ جمہوریت اور عددی برتری کا دور ہے اور مسلمان علم میں پیچھے رہ گئے تو وہ سماجی اور اقتصادی لحاظ سے بھی پیچھے رہ جائیں گے کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلمان سپین کی طرح یہاں سے بھی ختم ہو جائیں وہ نیک نیتی سے سب کچھ کر رہے تھے ان کے خلوص و اِخلاص میں شک نہیں تھا۔

دوسری طرف علماء کرام تھے اور ان کے زیر اثر طبقات تھے جو برطانیہ، برطانوی حکومت سے تعاون، حکومت کی ملازمت، حکومت کی تعلیم اور حکومتی مراعات کے خلاف تھے کہ اس طرح ہمارا دین اور دینی علم زوال پذیر ہو جائے گا۔ لہٰذا ان کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ ہمیں اقتصادی مفادات نہیں دینی مفادات کا تحفظ کرنا ہے، ہمیں سرکاری ملازمتیں نہ ملیں مگر دین ضرور بچانا ہے۔

چنانچہ دہلی سے شمال کی طرف جانے والی ریلوے لائن پر پہلے علی گڑھ آتا ہے اور بعد میں دیوبند۔ قدرت کی نیرنگی کہ ایک ہی استاد کے دو شاگرد تھے: ایک سرسیّد احمد خان اور دوسرے مولانا قاسم نانوتوی۔ ایک نے علی گڑھ میں پرائمری سکول کھول کر جدید تعلیم کا آغاز کیا (1867ء) اور دوسرے نے دیوبند میں دینی مدرسے کا ایک استاد ایک شاگرد سے آغاز کیا (انار والی مسجد 1867ء)۔ علی گڑھ کا پرائمری سکول ترقی کر کے ہائی سکول، کالج اور 1920ء میں علی گڑھ یونیورسٹی بن گیا۔ دارالعلوم دیوبند ترقی کر کے عالمی سطح کا جامعہ ازہر کے مقابلے کا مدرسہ بنا۔ ان دو علمی درسگاہوں سے دو مختلف انداز کے مسلمان تیار ہو کر نکلے جن کی سوچ میں بظاہر فرق تھا مگر مطمع نظر ایک ہی تھا۔

مغربی برطانوی صہیونی سامراج کا ظاہر و باطن

عام محاورہ تو یہ ہے کہ آدمی ظاہر میں اچھا نظر آتا ہے مگر باطن میں خلافِ توقع بُرا ثابت ہوتا ہے یا کبھی ایسی صورت بھی آ جاتی ہے کہ بظاہر آدمی اپنے طرزِ عمل سے بُرا محسوس ہوتا ہے مگر رابطے اور معاملات (INTERACTION) سے پتہ چلتا ہے کہ اتنا بُرا نہیں ہے۔

مغربی برطانوی صہیونی سامراج جس معصومانہ طریقہ پر جنوبی ایشیا میں وارد ہوا، مشرق وسطی، وسطی ایشیا، مغربی افریقہ اور وسطی جنوبی افریقہ میں عثمانی مقبوضات پر شاطرانہ طریقے سے قبضہ کیا اور مشرقی بازنطینی چرچ کے زیر اثر روسی عیسائی دنیا کو بھی سلطنت عثمانیہ کے خلاف صف آرا کیا اور بالآخر سلطنت عثمانیہ ختم کر کے ترکی نام کا ملک باقی رکھا جس پر اپنا ہی مہرہ مصطفےٰ کمال اتاترک مسلّط کر دیا جس نے خلافت منسوخ کر کے مغربی صہیونی نظام نافذ کر دیا اور اسلامی شریعت منسوخ کر کے رومن لاء کا نفاذ کیا۔ پھر یہ منحوس سامراج، عسکری تسلّط کے ساتھ مشنری عیسائیت بھی ساتھ لایا اور یہاں عیسائیت کو فروغ دیا اور ہر جائز و ناجائز طریقے سے عیسائیت کو

پھیلایا۔ یہی نہیں بلکہ ہند میں جھوٹی نبوت کا فتنہ کھڑا کر کے مسلمانوں کی دل آزاری کی۔ یہ سارے اشارے اس بات کی نشاندھی کرتے ہیں کہ بظاہر بھی اس استعمار کا مُنہ کالا تھا اور باطن اس سے بھی سیاہ تھا۔ اس سے کوئی خیر سرزد ہونے کی کوئی توقع لگانا ہی غلطی تھی۔

دیوبند کے حلقہ نے برطانوی سامراج سے قطع تعلق کر کے کوئی توقع نہ رکھی تو کافی حد تک اس کے شر سے بچ گئے جبکہ سرسیّد احمد خان اور علی گڑھ والوں نے برطانوی سامراج کو اندر سے دیکھا اور اُن سے خیر کی توقعات وابستہ کیں لہٰذا یہ مؤخر الذکر طبقہ اس صہیونی سامراج کے زہریلے اثرات سے نہ بچ سکا۔ تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے کچھ سازگار اسباب پیدا فرما دیے۔

ابتدائی طور پر دیوبند اور علی گڑھ دو تعلیمی ادارے تھے مگر وقت نے ثابت کر دیا کہ یہ دو تعلیمی ادارے ہی نہیں دو دبستانِ فکر ہیں۔ جو اسلام کے اشتراک پر تو جڑے ہوئے ہیں مگر باقی تمام امور میں متضاد خیالات رکھتے ہیں اور طرزِ عمل، پالیسی، اہداف، طریق کار اور سوچنے کے انداز (ذہنی ساخت) اور سوچنے کے پیمانے (TERMS OF REFERENCE) بھی مختلف ہیں۔

ایک طرف دیوبند تھا جس کے قائدین اور اکثر متبعین علم دین سے آراستہ، اسلام پر عمل سے منور زندگیاں، اسلام کے برحق مذہب اور آخری دین ہونے پر یقین کامل اور حضرت محمد ﷺ پر ایمان رکھتے تھے، مغرب سے بالکل مرعوب نہیں تھے۔ جبکہ دوسری طرف علی گڑھ کے دبستان کے افراد دینی علم سطحی سہی حالات حاضرہ پر نظر اور مغربی علوم سے واقفیت میں دیوبند سے آگے تھے۔ انگریزی بین الاقوامی زبان بن گئی تھی اس سے بھی خوب واقف تھے۔ مغربی انداز فکر اور ترقی کے معترف بلکہ اس سے مرعوب تھے۔ مغرب کے جلو میں سائنسی علم تھا۔ سائنس آج سے دو صدی قبل ایک معین، حتمی اور ناقابل تردید ہونے کا دعویٰ رکھتی ہے لہٰذا علی گڑھ کے وابستگان اس سائنس سے مرعوب ہو گئے۔ خود سرسیّد احمد خان مغربی سائنس کی حتمیّت سے اس حد تک مرعوب تھے (اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ مسلمان گزشتہ کئی صدیوں سے علم و تحقیق، آیاتِ الٰہی (آفاق و انفس) پر غور و تدبُّر، زندہ قوم کی طرح مسابقت کا جذبہ اور دنیاوی ترقی اور خوشحالی کی نعمتوں میں مغرب سے پیچھے تھے) کہ سائنس کی روشنی میں قرآن مجید کی مروّجہ، متواتر اور نصوص سے ثابت باتوں کا بھی سائنسی

نقطۂ نظر سے از سرِ نو تجزیہ کیا کہ اس کو سائنس کے مطابق بنا دیا جائے۔ مذہب اور مذہب کی نئی تشریح کی اور احکام کو بدل دیا جبکہ سائنس کی ہر چیز کو یقینی اور حتمی سمجھا کہ ردّ و بدل نہیں ہو سکتا۔

سرسیّد احمد خان نے قرآن مجید کی تفسیر بھی لکھی جس میں اپنی سوچ کے مطابق ہر آیت کا مفہوم بدل دیا اور حدیث کو اِعتناء کے قابل نہ سمجھا۔ علی گڑھ کی اس سوچ سے اُمت میں خلفشار پیدا ہوا اور نئے نئے فتنے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ سوچ جدید مغربی علوم کی حتمیّت کے نقطۂ نظر سے اسلام (قرآن وحدیث) کی کتر و بیونت (REMODELLING) کا نام تھا اور اسی سوچ کے زیرِ اثر کئی شخصیات ماضی قریب تک اُمت کے ذہین افراد کو گمراہ کرتی رہیں جیسے نصف صدی قبل غلام احمد پرویز اور حالیہ جاوید احمد غامدی۔

دیوبند کے حلقے میں سنت رسول ﷺ کا اہتمام اور اسلامی روایات و آداب کا لحاظ تھا۔ اسلامی معاشرت اور اقدار کی عزت افزائی تھی، قرآن و حدیث سے شغف تھا، اسلام کی تعلیمات اور مسلمان ہونے پر فخر کرنا تھا۔ جبکہ علی گڑھ کے وابستگان میں بالعموم شعائرِ اسلام کا فقدان، انگریزی لباس، انگریزی زبان، انگریزی کلچر، مغربی کھانے، شراب وغیرہ کا رواج تھا (اشرافیہ کا یہی حال تھا)۔

دیوبند کے حلقے میں غیر ملکی سامراج کے مظالم کا تذکرہ، مسلمانوں کی غلامی کا دُکھ اور سامراج کی غلامی سے آزادی کے لیے ہر ممکن طریقے پر جدوجہد 'استخلاصِ وطن' ایک مستقل عنوان تھا۔ جبکہ علی گڑھ میں سرسید احمد خان کے ہاں انگریز سے مفاہمت، انگریزی حکومت سے وفاداری، ملک میں امن وامان کی وجہ سے حکمرانوں کے لیے مسائل کھڑے نہ کرنے کی تلقین بہت نمایاں تھی۔

دیوبند ایک دینی مزاج کے طبقہ کی علامت تھی۔ علماء کے ہاتھوں میں اس کی قیادت تھی۔ دیوبند خانوادۂ شاہ ولی اللّٰہی کے جذبہ حرّیت کا وارث تھا اور تحریک شہیدین کے بانیان کے افکار کا امین۔

تحریک شہیدین میں مسلمانوں نے تحریک جہاد شروع کی تھی اور اصل مقصد تو انگریز کو گھر کا راستہ دکھانا تھا مگر تعداد کی کمی اور فنونِ جنگ کی رُو سے جنگ کے محاذ کے چناؤ میں ایسی جگہ کا انتخاب جہاں پشت پر کوئی دوست قوت ہو، دہلی سے بنگال تک انگریز تھا۔ دہلی سے مغرب میں

تھوڑے فاصلے پر سکھ ریاست شروع ہوجاتی تھی لہٰذا تحریک شہیدین کی قیادت نے کابل جا کر درّۂ خیبر کے راستے حملہ کر کے پہلے چھوٹے دشمن 'سکھ حکومت' سے جہاد کا فیصلہ کیا۔[اس فیصلہ سے کسی کو اختلاف بھی ہوسکتا ہے اور انگریزوں کے گماشتوں (نوابوں، جاگیرداروں، وظیفہ خواروں) کا شعوری یا غیر شعوری 'لقمہ یا مشورہ' بھی کہ انگریز سے ٹل جائیں چاہے جس سے مرضی جہاد کریں]۔

حالات و واقعات جو کچھ بھی ہوئے یہ تحریک کامیابیوں اور ناکامیوں کے کئی مراحل گزار کر بعض داخلی اور بعض خارجی کمزوریوں کی بنا پر بالاکوٹ کے مقام پر مئی 1831ء میں ختم ہوگئی اور اس میں شامل لوگ منتشر ہو کر چھوٹے چھوٹے علاقائی گروپوں میں تقسیم ہوگئے۔ آج کے فاٹا میں جہادی جذبہ اور کے پی کے صوبہ کے علاقہ میں دین کا شغف اسی تحریک کے اثرات ہیں۔ اسی تحریک کی باقیات نے سکھ حکومت کے خاتمے (1849ء) کے بعد تحریک آزادی کا روپ دھار لیا اور ایک دفعہ تو برطانوی سامراج اور استعمار کی نیندیں حرام کر دیں۔

برطانوی سامراج کے نمک خوار (بااثر نوابین، رؤسا اور جاگیردار وغیرہ) نے سامراج قوت سے اپنی توقعات وابستہ کرلیں۔ ہندو راجے مہاراجے بھی مسلمانوں کے دوبارہ قوت پکڑنے اور اقتدار پر قبضہ کرنے کے دل سے خلاف تھے لہٰذا کئی مذہبی، نفسیاتی، علاقائی اور مالی استفادہ کے عوامل نے مل کر اس تحریک آزادی کو کمزور کر دیا اور بالآخر یہ کوشش بھی ناکام ہوئی۔

دیوبند بھی ایک تحریک تھی اور تحریک شہیدین کا تسلسل تھا۔ 1860ء کے بعد مسلمانوں کو بے دریغ پھانسیاں ہوئیں تو 18 سال سے کم عمر لوگ بچے۔ مسلمانوں میں اگلے چار عشرے 1910ء تک قیادت کا فقدان رہا (سرسیّد احمد خان کے مکتبہ فکر کے لوگ نمایاں رہے اور اپنے افکار کو فروغ دیتے رہے)۔ دیوبند کے پہلے شاگرد محمود حسن جو بعد میں دیوبند کے شیخ الحدیث بنے 'شیخ الہند' کے نام سے پہچانے جاتے تھے اور اس وقت پورے ہند کی مذہبی قیادت اکٹھی تھی۔ علماء کی کل ہند تنظیم جمعیت علمائے ہند کے شیخ الہند متفقہ بانی صدر تھے اور اس میں تمام مکاتب فکر شامل تھے۔ شیعہ، اہل حدیث کے علاوہ دیگر علمی مراکز، اجمیر، فرنگی محل، بدایوں وغیرہ کے علماء بھی اس کا حصہ تھے۔ بریلی کے علمی خانوادے کے سپوت مولانا عبدالعلیم میرٹھی بھی اس جمعیت کا حصّہ تھے (مولانا عبدالعلیم میرٹھی صاحب مولانا احمد رضا خان صاحب کے داماد اور مولانا شاہ احمد نورانی کے

والداور مولانا انس نورانی کراچی کے دادا تھے)

شیخ الہند حضرت محمود حسن ـــــ آزادیٔ ہند کے لیے ہمہ تن مستعد اور فعّال شخصیت تھے۔ آپ جیسی شخصیت دیوبند نے کوئی اور پیدا نہیں کی۔ آپ نے آزادی کے لیے تحریک ریشمی رومال شروع کی، ازسرنو جہاد کے امکان پر سوچتے تھے۔ کابل کی طرف ہجرت کر جانا زیرغور رہا۔ ترکی سے مدد حاصل کر کے جہاد شروع کرنے کے لیے حج پر تشریف لے گئے، انہیں دنوں پہلی جنگ عظیم جاری تھی، وہاں سے ترکی جانا چاہتے تھے مگر مخبری پر گرفتار کر کے جزیرہ مالٹا (بحیرہ روم) میں قید کر دیا گیا چار سال کی قید کے بعد رہائی ملی۔ جون 1920ء میں وطن واپسی ہوئی۔ نومبر 1920ء میں آپ نے وفات پائی۔

بظاہر علی گڑھ کا راستہ جدا تھا اور دیوبند کا الگ۔ تاہم ان کے درمیان مفاہمت کی کوشش وقت کی ضرورت تھی۔ سب سے بڑی رکاوٹ سرسید احمد خان کے افکار و نظریات تھے جو امت کو قرآن اور سنت متواترہ کے علاوہ اسلاف کے خیالات سے بھی بدظن کر رہے تھے۔ یہ ایک جدید قسم کی عقلیت پرستی تھی۔ جیسے کبھی دور بنو عباس میں یونانی فلسفیانہ خیالات کے فروغ کے وقت معتزلہ پیدا ہو گئے۔ یہ اسلام کے صراط مستقیم سے جدید قسم کا اعتزال ہی تھا یعنی راہ حق سے علیحدہ ہو جانا۔ اس لیے کہ دین تو نام ہے قرآن مجید کی تعلیمات کا اور اس کی وہ تشریح جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذریعے احادیث صحیحہ کی شکل میں ہم تک پہنچی ہیں یا مزید برآں خلافت راشدہ سے لے کر آج تک کے تسلسل کے ساتھ تمسّک بالسُّنہ کا ـــــ جو اہل سنت کا موقف تھا۔

حضرت شیخ الہند نے وفات سے پہلے علی گڑھ کا دورہ کیا اور وہاں اپنے خطاب میں علی گڑھ اور دیوبند کے درمیان اختلافات ختم کرنے کی راہ ہموار کرنے کا اشارہ دیا۔ دیوبند اور علی گڑھ کے درمیانی راہ تلاش کرنے کی کئی کوششیں کی گئیں۔ دارالندوہ لکھنو کا قیام اور جامعہ ملّیہ دہلی کا قیام اسی سلسلے کی مخلصانہ کوششیں تھیں۔

علی گڑھ تحریک کے عقلیّت پسندی کے اثرات، جدید اعتزال اور سرسیّد احمد خان کے آغاز کردہ جدید علم کلام سے اسلاف سے بیزاری، دین سے دوری اور اسلام سے ذہنی ارتداد کی راہ ہموار ہو رہی تھی اور اس مرحلہ پر دیوبند کی انگریز مخالفت کی وجہ سے اسلام کی صحیح تصویر اہل مغرب

کے سامنے رکھنے کا فقدان تھا۔ سرسیّد احمد خان کا فکر بھی اس صلاحیّت سے عاری تھا دیوبند کے زیر اثر مخلص لوگ مخالفت کی وجہ سے کسی مفاہمت اور مثبت انداز میں تبلیغ اسلام کے جذبے کی ضرورت محسوس کر بھی رہے تھے تو اس کی صلاحیّت نہیں رکھتے تھے۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے بیسویں صدی کے آغاز پر جدید تعلیم یافتہ حضرات، علی گڑھ کے تعلیم یافتہ مذہبی رجحانات کے حامل افراد اور عصر حاضر میں اسلام کی تعلیمات کو دین کے حقیقی تقاضوں کے مطابق پیش کرنے کی دینی ضرورت کے تحت ایک 'مردِ قلندر' ـــــ علامہ اقبال کو کھڑا کر دیا جس نے اسلام کے حقیقی انقلابی تصور کو واشگاف الفاظ میں بہ بانگ دہل بیان بھی کیا اور خواص و عوام کے ذہنوں میں بھی اتار دیا۔

علی گڑھ کی مغرب نوازی اور مغربی افکار سے مرعوبیت کے پس منظر میں بیسویں صدی کے آغاز میں شجر اسلام کی آبیاری کے لیے کئی شخصیات برطانوی ہند میں پیدا ہوئیں جنھوں نے مختلف میدانوں میں کام کیا۔ شیخ الہند کے بعد مولانا محمد الیاس کاندھلوی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی جوہر، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی وغیرہم جن میں سب سے نمایاں اور مؤثر تھے علامہ ڈاکٹر محمد اقبال۔ رحمت اللہ علیہم اجمعین۔

ہمارے نزدیک علی گڑھ کی عقلیّت پرستی اور دین کے منقول علم کو عقل پر پرکھنے کی تحریک کی بنا پر جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کا ایک مؤثر طبقہ دین سے برگشتہ ہوا جا رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی مغربی تعلیم سے آراستہ مغرب کی یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ بیرسٹر ایٹ لاء ایک شخص کو دین کا محافظ بنا کر اٹھایا جس نے دین کی حقیقی تعلیمات کو جدید مغربی ذہن کی اُٹھان کے مطابق آشکارا کر کے اِتمامِ حجّت کر دیا اور علی گڑھ کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کو ـــــ جو پہلے آزاد روی، لبرل ازم اور سیکولرازم کی طرف لڑھکتے جا رہے تھے یکا یک ـــــ اسلام کا سپاہی، قرآن کا مردِ مؤمن اور اقبال کا شاہین بنا دیا علامہ اقبال نے اپنی شاعری کے ذریعے قرآن کو ایسا عام کیا کہ جدید تعلیم یافتہ حضرات پر گویا اتمامِ حجت ہو گیا کہ جدید تعلیم یافتہ آدمی بھی مذہبی اور دینی اقدار کا پابند اور مبلّغ ہو سکتا ہے انھوں نے قدیم دینی علوم کے حاملین اور عوام کو بھی اسلام کا شیدائی بنا دیا۔

علامہ اقبال نے برطانوی استعمار کے سائے میں برطانوی راج کے نصف النہار پر (مغربی) برطانوی افکار سے متأثر مسلمانوں کی جدید نسل کو جو علی گڑھ اور سرکاری سکولوں کالجوں

یونیورسٹیوں سے نکلی، مسحور کر دیا۔ مرد ہو یا عورت، کسان ہو یا زمیندار، نواب ہو یا نوکر، سرکاری ملازم ہو یا دکاندار، نوجون ہو یا بوڑھا، بچہ ہو یا جوان، صوفی ہو یا متکلم، طالب علم ہو یا استاد، عالم ہو یا سامع، بریلوی ہو یا دیوبندی، اہل حدیث ہو یا مقلد، شیعہ ہو یا سنی، لاہور کا ہو یا حیدرآباد کا، پنجابی ہو یا بنگالی، سندھی ہو یا بلوچی، پختون ہو یا افغان، یوپی کا ہو یا بہار کا، گجرات کا ہو یا سرہند کا، علی گڑھ کا یا دیوبند کا ـــــ سب کی زبان پر علامہ اقبال کا کلام رواں ہو گیا جس نے سب کے دلوں کے تاروں کو ایسا چھیڑا کہ سب بے خود ہو گئے۔

سرسیّد احمد خان کی فکری لغزشوں کا مداوا علامہ اقبال نے کر دیا اور یوں ملت اسلامیہ کے ایک بڑے حصے کو ذہنی وفکری ارتدار کے گھٹن سے نکال کر قرآن اور عشق رسول کی رُوح پرور فضاؤں میں لا کھڑا کیا۔ جزاہ اللّٰہ عنا احسن الجزاء

گزشتہ تین صدیاں اور ـــــ عالم اسلام

جنوبی ایشیا کے علاوہ ان صدیوں میں عالم اسلام مغربی استعمار کی چیرہ دستیوں کا ہی شکار رہا۔ اس وقت عالم اسلام میں خلافت عثمانیہ سارے براعظم افریقہ (اس لیے کہ خط استواء سے نیچے کا افریقہ بے آباد اور کسی بھی سیاسی اور فوجی گہما گہمی کا مرکز نہیں تھا)، نصف مشرقی یورپ یوکرائن تک، مشرق وسطیٰ اور کل جزیرۃ العرب پر مشتمل تھی۔ ایران اپنا ایک تشخص رکھتا تھا جہاں کے حکمران افغانستان اور ہند کی سرحد کے ساتھ فوجی کارروائیوں میں علاقے پر فتح کرتے اور خالی کر دیتے تھے۔ عالمی استعمار نے یورپ سے نکل کر دنیا کے تقریباً تمام متمدّن علاقوں پر قبضہ کر لیا (جو علاقے عالم اسلام سے باہر تھے) اور یہ قبضہ رومیوں کی طرح منظّم اور بے رحم تشدد کے ذریعے ہی ممکن ہوا۔ مغرب کے پاس عوام کے لیے کوئی فلاحی نظریہ یا پروگرام نہیں تھا اس استعمار کے پیچھے صہیونی مافیا تھا جس کے اپنے خاص مقاصد تھے اور وہ صرف یہود ہی جانتے تھے۔ یورپی ممالک اور طاقتیں صہیونی مافیا کے ہاتھوں میں شطرنج کے مہروں کی طرح تھے۔ علامہ اقبال نے سیاست کے عنوان سے ایک رباعی میں فرمایا:

؎ اس کھیل میں تعیین مراتب ہے ضروری
شاطر کی عنایت سے تو فرزیں میں پیادہ

بے چارہ پیادہ تو ہے اِک مہرۂ ناچیز
فرزیں سے بھی پوشیدہ ہے شاطر کا ارادہ

(رومی تشدد دیکھنا ہو تو انٹرنیٹ پر TORTURE اور ROMAN TORTURE سرچ کر کے ملاحظہ کر لیجیے۔ رومن حکومت نے جنگوں کے علاوہ امن کے زمانے میں اپنے ہزار سالہ دور میں گیارہ لاکھ حکومت مخالف آدمی اسی طرح تشدد سے ہلاک کر دیے۔ یہ اندازِ تشدد آج بھی مغرب نے مسلمانوں اور تھرڈ ورلڈ کے لیے CIA کے ذریعے جاری رکھا ہوا ہے۔)

عالمی صہیونی مافیا کا اٹھارھویں صدی تک یہی منظّم ظلم وتشدد تھا جو وہ دنیا بھر میں روا رکھتے تھے اور اس ظلم وتشدد کو جاری رکھنے کے لیے برطانیہ کے آئین کا ایک حصہ غیر تحریری (UNWRITTEN) اور BLANK چھوڑا ہوا تھا جو صرف سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا رہا تا کہ دنیا برطانوی سامراج کے مکروہ چہرے سے واقف نہ ہو سکے۔ برطانوی آئین کا ایک حصہ غیر تحریری ہونے کا بھی وہ فخر کے طور پر تذکرہ کرتے ہیں۔)

یورپی طاقتوں نے اٹھارھویں صدی میں جنوبی افریقہ کے ساحلوں پر قبضہ کر کے ایک تو امریکہ کے لیے سیاہ فام غلام مہیا کرنے کا کام شروع کیا۔ پھر آہستہ آہستہ سلطنت عثمانیہ کی کمزوری کا فائدہ اٹھا کر سونے کی کانوں والے ممالک پر قبضہ کر لیا اور اپنی صنعتی ترقی کے زور پر افریقہ کی شمالی پٹی پر بھی انیسویں صدی کے نصف تک پورا قبضہ جما لیا۔

سلطنت عثمانیہ کو مصروف رکھنے کے لیے افریقہ میں برطانیہ، روس، اٹلی، پرتگال وغیرہ عسکری کارروائیوں میں آگے بڑھ رہے تھے تو مشرقی یورپ میں روس آگے بڑھ کر سلطنت عثمانیہ کے علاقے قبضہ کرتا جا رہا تھا۔

انیسویں صدی کے اختتام تک عثمانی سلطنت یورپ کے تھوڑے سے علاقے، مشرق وسطیٰ، جزیرہ نمائے عرب کے شمالی حصہ تک محدود ہو گئی تھی۔

افریقی ممالک پر یورپی قبضہ ہوا تو مقامی لوگوں میں اسلام کی حکومت کی بحالی اور احیائے اسلام کے جذبات بیدار ہوئے۔ چنانچہ سوڈان، لیبیا، الجزائر وغیرہ میں ایسے افراد اٹھے جنھوں نے بڑا کام کیا۔ سوڈان میں مہدی سوڈانی (1844ء-1885ء)، لیبیا میں محمد بن علی

سنوسی (1791ء-1851ء) مصر میں حسن البنا (اخوان المسلمون) (1906ء-1949ء) اور جمال الدین افغانی (1839ء-1897ء) نے بڑا وسیع کام کیا۔

پہلی جنگ عظیم 1912-1916ء کے آنے سے پہلے ہی سلطنت عثمانیہ کے گرد یورپی اقوام نے گھیرا تنگ کر دیا تھا اور صہیونی طاقتیں سلطنت عثمانیہ کو ختم کر کے فلسطین میں اپنی ریاست قائم کرنا چاہتی تھیں۔ اسرائیلی ریاست کا قیام اُنیس صدیاں قبل یہود کے 70ء کے دورِ انتشار سے فلسطین سے جلاوطنی کے وقت سے ہی ایک خواب تھا، جس کے لیے 1897ء میں جنیوا میں عالمی یہودی کانفرنس منعقد کر کے طریق کار وضع کیا تھا۔ اس کانفرنس میں دنیا بھر کے معتمد ترین یہودی مندوبین شریک ہوتے تھے۔ (برطانوی ہند سے آغا خان سوم بھی اس کانفرنس کے مندوب تھے)

مہدی سوڈانی اور محمد بن علی سنوسی نے اُنیسویں صدی میں کام کیا تھا انہیں کوئی نظریاتی تصادم اور جدید نظریات سے ٹکراؤ کا سامنا نہیں تھا۔ لیکن انھوں نے اسلامی حکومت قائم کر دی۔ جبکہ مصر میں حسن البنا نے بیسویں صدی میں کام کیا جہاں جمہوریت، سرمایہ داری اور سوشلزم کے نظریات سے واسطہ پڑا یہ تحریک مصر میں ابھی تک پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکی۔

علامہ اقبال اور معاصرین

علامہ اقبال 1905ء میں 28 سال کی عمر میں انگلستان گئے تھے اور انگلستان، جرمنی وغیرہ کی یونیورسٹیوں سے تحصیل علم، برطانوی نظام کا آنکھوں سے مشاہدہ اور نظریات کا براہِ راست مطالعہ اور تجزیہ کیا۔ مغربی تہذیب کے انجام کا ایک نقشہ لے کر 1908ء میں واپس آئے تھے۔ علامہ اقبال ایک GENIUS تھے اور آنے والے حالات و واقعات کو اپنی خداداد بصیرت سے بھانپ لیتے تھے۔ انھوں نے برطانوی منصوبہ جات، صہیونی عزائم اور برطانوی ہند میں مسلمانوں کے مستقبل پر بہت سوچا۔ 1900 سے لے کر قیامِ پاکستان تک برطانوی ہند کے مسلمانوں کے لیے یہ ایک BURNING ISSUE تھا اور ہر ذی شعور اور باصلاحیت مسلمان اس سے لاتعلق نہیں تھا چاہے کوئی حل نظر نہ آئے اور عملاً کچھ نہ کر سکے مگر یہ مسئلہ اپنی جگہ ہر محفل اور ہر گفتگو کا محور تھا۔ اس گفتگو کو ہندو اپنے مسلم کش اور مسلم دشمنی کے رویہ سے اور زیادہ اہم بنا رہے تھے۔ علامہ اقبال نے بھی یہی دور پایا تھا اور یہ ان کی بھرپور عمر کا دور ہے (تیس سے چالیس سال

کی عمر) اس ماحول میں انھوں نے مسلمانوں کے زندہ مسائل پر سوچنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے ہر اجتماعی مسئلے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور ہر دفع صحیح اور بروقت مشورے دیے۔ انجمن حمایت اسلام کے جلسوں میں بھی ان کی حاضری ہوتی تھی۔

انھوں نے انجمن کے سالانہ جلسہ منعقدہ جولائی 1911ء میں اپنی مشہور نظم 'شکوہ' پڑھی اس کے بعض اشعار پر علماء اور اکابرین کی طرف سے لے دے بھی ہوئی مگر مجموعی طور پر معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ 1912ء میں شمع و شاعر نظم لکھی، 1913ء کے انجمن حمایت اسلام کے جلسے میں جوابِ شکوہ پڑھی گئی۔ شکوہ پر اعتراضات کی وجہ سے حاضری زیادہ تھی اور مضمون بھی مسلمانوں کی زبوں حالی کے اس بھنور سے نکلنے کا علاج تھا لہٰذا ــــ لوگوں نے بڑے غور سے سُنی اور داد دی۔

علامہ اقبال نے 1913ء میں مسلمانوں کے لیے آزادی کے بعد حکومت کے لیے خلافت کا لفظ استعمال کیا اور اس خلافت کے عالمی اور جہانگیر ہونے کی پیشگوئی بھی فرمائی۔ ہمیں حیرت ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد 1912ء سے 1916ء البلاغ الہلال کے ذریعے برطانوی ہند میں پہچانے جاتے تھے اور حق گوئی و بیباکی کی وجہ سے قید و بند کی صعوبتیں اور رسالے کی بندش و ضبطی کے مراحل بھی آئے مگر انھوں نے مسلمانوں کے اجتماعی مسائل کے لیے خلافت کی نہیں حکومت الٰہیہ (جو غالباً عیسائیت کے لٹیریچر میں آسمانی بادشاہت سے ماخوذ ہے) کی اصطلاح استعمال کی۔ یہ اصطلاح قرآن و حدیث سے ماخوذ تو کہی جاسکتی ہے مگر بالکل یہی الفاظ قرآن و حدیث میں وارد نہیں ہوئے۔ (واللہ اعلم)

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے 1932ء میں ترجمان جاری کیا اور 1941 میں جماعت اسلامی تشکیل دی ان کا فکر مغربی طرز حکومت کے پس منظر میں اسلام کی رہنمائی یا قرآن و سنت کی رہنمائی پر مبنی ہے مگر بوجوہ ــــ مولانا مودودی بھی مستقبل کی اسلامی حکومت کے لیے خلافت کا لفظ نوک قلم پر نہ لا سکے۔ جبکہ علامہ اقبال یہ الفاظ نہ صرف شاعری میں بلکہ نثر میں بھی ستعمال کر گئے اور اس کی تشریح بھی فرمائی۔ جواب شکوہ (1913ء) میں آخری بند یہ ہے

عقل ہے تیری سپر، عشق ہے شمشیر تری ۔۔۔ مرے درویش! خلافت ہے جہانگیر تری
ماسوا اللہ کے لیے آگ ہے تکبیر تری ۔۔۔ تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

علامہ اقبال کی شاعری میں اسلامی جذبہ، معروف روایتی اصطلاحات، عشق رسول ﷺ کی چاشنی اور عالمی اسلامی غلبہ کی مسحور کن نوید جانفزا تھی جو خواص و عوام کے دلوں کو مسخّر کیے دیتی تھی اور لوگ کلامِ اقبال سُن کر بے خود ہو جاتے تھے۔

ان وجوہات کی بنا پر ہمارے نزدیک علامہ اقبال اپنے معاصرین سے اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کے جذبوں کی بیداری، آبیاری اور جذبہ و حرکت کے ساتھ آمادۂ عمل کرنے میں بہت آگے ہیں۔ اور علی گڑھ کے دبستان کے وابستگان کو مغربی افکار کی مرعوبیت کی دلدل سے نکال کر اسلام کے چشمہ صافی کے گھاٹ پر پہنچانے والے ہیں۔ آپ ہی ہیں جس کے کلام سے ہر علیگ کی آنکھیں پُرنم اور دل آمادۂ عمل ہوا تھا اور یہی 'علیگ' مسلم لیگ کا ہراول دستہ بنے اور اسے کامیابی سے ہمکنار کر دیا تھا۔

باب 4

کلام اقبال کے اجزائے ترکیبی

علامہ اقبال کا کلام خود آپ کے دعوے کے مطابق قرآن مجید اور عشق رسول ﷺ پر مبنی ہے۔ ''عرضِ حال مصنف بحضور رحمت للعالمین ﷺ'' میں عرض پردار ہیں:

گر دلم آئینۂ بے جوہر است ور بحرفم غیر قرآن مضمر است
پردۂ ناموس فکرم چاک کن ایں خیاباں را ز خارم پاک کن
روز محشر خوار و رُسوا کن مرا بے نصیب از بوسۂ پا کن مرا
گر دُرِ اسرارِ قرآن سفتہ ام با مسلماناں اگر حق گفتہ ام
عرض کن پیش خدائے عزوجل عشق من گردد ہم آغوشِ عمل

اے رحمت للعالمین! اگر میرے کلام اور پیغام میں قرآن کے نقیض کچھ ہے تو روز قیامت مجھے اپنے قرب (بوسۂ پا) سے محروم رکھئے گا۔ (یہ دعویٰ اپنی بات پر صدفی صدیقین رکھنے والا ہی کرسکتا ہے)

کلامِ اقبال میں قرآن مجید کے ساتھ دوسری رچی بسی چیز 'عشق رسول ﷺ ہے اور اس عشق کا خمیر اطاعت رسول ﷺ سے ہی اُٹھتا ہے۔ علامہ اقبال کا مشہور شعر ہے

بمصطفیٰ ﷺ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی ، تمام بولہبی است

یعنی قرآن مجید کے ساتھ اطاعت رسول ﷺ اور عمل بالحدیث یا عمل بالسُنّہ ہے یعنی قرآن وسنت، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جانثاری اور اطاعت رسول کا جذبہ عشق رسول کے ہی مظاہر تھے۔

اس 'عرض' میں آگے جا کر اظہارِ خیال کرتے ہیں:

اے ز یادِ غیر تو جانم تہی برلبش آرم اگر فرماں دہی
زندگی را از عمل ساماں نبود پس مرا ایں آرزو شایاں نبود

شرم از اظہارِ او آید مرا　　شفقت تو جرأت افزاید مرا
ہست شانِ رحمت گیتی نواز　　آرزو دارم کہ میرم در حجاز
از درت خیزد اگر اجزائے من　　وائے امروزم خوشا فردائے من
کوکبم را دیدۂ بیدار بخش　　مرقدے در سایۂ دیوار بخش

ترجمانی: اے پاک ذات! تیرے سوا کسی کی یاد سے میری جان خالی ہے۔ اگر اجازت ہو تو ایک آرزو زبان پر لے آؤں۔ میری زندگی میں عمل کا کوئی سامان نہیں ہے اس لیے میں اس آرزو کے لائق نہیں ہوں۔ مجھے اس آرزو کے ظاہر کرنے سے شرم آتی ہے۔ البتہ حضور کی شفقت سے میرا حوصلہ بڑھتا ہے۔ آپ ﷺ رحمت للعالمین ہیں۔ میری آرزو یہ ہے کہ میرا آخری سانس حجاز میں نکلے۔ اگر (روزِ قیامت) میرے اجزاء آپ ﷺ کے دَر سے اُٹھیں گے تو میرا آج کتنا ہی باعث افسوس ہو، میرا کل خوش نصیبی کا ہوگا۔ حضور والا! میرے ستارے کو روشن آنکھ بخش دیں۔ مجھے اپنی دیوار کے سائے میں قبر کی جگہ عطا کر دیں۔

گویا کلام اقبال بنیادی طور پر اللہ پر یقین، آپ ﷺ پر یقین کامل کے ساتھ محبت، اطاعت، جانثاری، وارفتگی اور آپ کے مشن کی خاطر ہر قربانی پر تیار اور آپ کے ہر فرمان پر بچھ جانے کا طرزِ عمل، قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے پر یقین، عظمت صحابہ رضی اللہ عنہم، خلافت راشدہ کے دور مسعود اور مثالی دور کا ہونے کا بیان، صلحائے اُمت کی عظمت، اسلام کی تاریخ میں مسلمانوں کی عظمت، تہذیبی وثقافتی برتری اور بہتری کا احساس اور اسلام کے دوبارہ دنیا میں غلبے اور نشأۃ ثانیہ کے کامل یقین کا دوسرا نام ہے اور ان عناصر سے کشید شدہ ہے۔ آج کا عام قاری چونکہ قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور تاریخ اسلام کا کما حقہ علم اور ادراک نہیں رکھتا لہٰذا چند بنیادی باتوں کا تذکرہ خیر سے خالی نہیں ہوگا۔

☆ ہند میں 1000ھ کے بعد اسلام مخالف طاقتوں اور عالمی صہیونی، سبائی، حسن بن صباحی اور حشاشینی طبقہ کی مشترکہ سازشوں سے اکبر کا 'دین الٰہی' کی ایجاد کا نعرہ اور اس کا پرچار گویا اسلام سے ارتداد کی علامت تھی اور یہ واردات کوئی عام کرتا تو درخورِ اعتناء بھی نہ ہوتی، ایک ایسے شخص کی جو خود ایک عظیم، خوشحال اور پرامن سلطنت کا حاکم مطلق بھی تھا اور اوپر درج قوتوں کے

ہاتھوں میں کھیل بھی رہا تھا۔ لہٰذا یہ اقدام عالم اسلام کے لیے روئے ارضی پر سب سے بڑا 'داخلی وار' تھا جو خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل ناحق اور واقعہ کربلا سے کم نہیں تھا۔

مشیت الٰہی جوش میں آئی اور 'جہاں پھوڑا وہیں مرہم' کے مصداق نہ صرف حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کو اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے اُٹھایا بلکہ مستقبل میں بھی مجددین اُمت کا سلسلہ بلادِ عرب سے اُٹھا کر 'ہند' ہی نہیں 'سرِہند' کے نام کر دیا۔ عالم اسباب میں یہ واقعہ جتنا اہم ہے وہ اپنی جگہ ہے۔ تکوینی سطح پر بھی اس کی اہمیت ہمالیہ جتنی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فرمان میں یوں وضاحت فرمائی:

اِنِّی لَأَرْجُو أَنْ لَا تَعْجِزَ أُمَّتِی عِنْدَ رَبِّهَا أَنْ يُؤَخِّرَهُمْ نِصْفَ يَوْمٍ، قِيلَ لِسَعْدٍ: وَكَمْ نِصْفُ ذَالِكَ الْيَوْمِ؟ قَالَ: خَمْسُ مِائَةِ سَنَةٍ

''مجھے امید ہے کہ میری اُمت اپنے ربّ کے سامنے اتنی عاجز نہیں ہوگی کہ وہ اسے آدھے دن کی مہلت دے دے۔ حضرت سعدؓ سے پوچھا گیا یہ آدھا دن کتنا ہوگا؟ آپ نے فرمایا: 500 برس۔'' (سنن ابی داود، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ)

☆ اُمت مسلمہ کے لیے یہ اضافی نصف دن کل اُمت اور بالخصوص جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے لیے نظریاتی سطح پر دورِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں غربت سے اُٹھا کر اسلام کے غلبے اور خلافت راشدہ کے دورِ مسعود کے نقطۂ عروج تک کی اُٹھان کا ضامن ہے۔ اُمت کو نصف دن یعنی 500 سال ملنے کا مطلب اُمت کے نظریاتی عروج کا سامان مہیا ہونے اور اس پیش گوئی کے اظہار اور مبرہن ہو کر 'آفتاب آمد دلیل آفتاب' کے مصداق ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ آفتاب نکل آنے کے بعد کوئی اس کو مانے یا نہ مانے، اس کی ضیاء پاشیوں سے اپنے آپ کو منور کرنے کی سعادت حاصل نہ کرے آفتاب تو سوا نیزے پر علی رؤس الاشہاد چمک ودمک کے ساتھ آموجود ہوگا۔

☆ اس عظیم مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ نے شیخ مجدد الف ثانی (1564ء تا 1624ء)، شیخ عبدالحق محدث دہلوی (1551ء تا 1642ء)، اورنگزیب محی الدین (1618ء تا 1707ء)، شاہ ولی اللہ دہلوی (1703ء تا 1762ء)، شاہ اسماعیل شہید (1779ء تا 1831ء)، مولانا فضل حق خیرآبادی (1797ء تا 1861ء)، شیخ الہند محمود حسن (1851ء تا 1920ء)، ابوالکلام آزاد

(1888ء تا 1958ء)، مولانا شوکت علی جوہر (1873ء تا1938ء)، مولانا محمد علی جوہر (1878ء تا 1931ء)، علامہ محمد اقبال (1877ء تا 1938ء) ، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی (1903ء تا1979ء) ایسے لوگوں کو اُٹھایا اور اپنے دین کا کام لیا۔

قرآن مجید میں تین مقامات پر آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو دنیا میں مبعوث فرمایا ان کی تشریف آوری کا مقصد کیا تھا؟

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ

''وہی (اللہ) ہے جس نے بھیجا اپنے (خاص) رسول ﷺ کو الہدیٰ دے کر اور سچا دین دے کر تا کہ وہ (اللہ) غالب کر دے اس دین (جو آپ ﷺ کے ساتھ بھیجا گیا ہے) کو دنیا کے باقی سارے ادیان پر''

آیت کے اس ٹکڑے کے بعد سورۃ الصّف (09:61) اور سورہ التوبہ (33:09)، میں وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ کے الفاظ ہیں یعنی یہ کام ہو کر رہے گا چاہے 'الْمُشْرِكُوْنَ' کو کتنا ہی ناگوار ہو۔ اور سورۃ الفتح (28:48)، میں وَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا اور (اس کام میں) اللہ مددگار کافی ہے۔ (شرک کے معنیٰ بڑے وسیع ہیں اور تشریح طوالت طلب ہے مگر ایک مفہوم یعنی مفہوم مخالف بڑا واضح ہے کہ ہر وہ شخص، گروہ، جماعت جس کو اللہ تعالیٰ کے دین کا غلبہ ناپسند ہے اور اس کی سعی و جہد کے حق میں نہیں ہے کہ یہ دین غالب ہو وہ مشرک ہے۔ اس لیے کہ مشرکوں کو ہی اللہ کے دین کا غلبہ پسند نہیں)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ یہ آیت حضرت محمد ﷺ کی خصوصی شان بیان کرتی ہے اور یہ کام عرب کی سرزمین پر آپ ﷺ کے ہاتھوں مکمل ہو گیا۔ اس آیت کا تقاضا ہے کہ چونکہ آپ ﷺ کی نبوت و رسالت پورے کُرّۂ ارضی کے لیے ہے لہٰذا آپ کا دین بھی پورے کرۂ ارضی پر غالب ہو، جس دن پورے کرۂ ارضی پر یہ دین غالب ہو گا وہ دن دراصل حضرت محمد ﷺ کی حقیقی عظمت و شان ظاہر کرنے والا ہو گا۔

اسی طرح آپ ﷺ کے فرامین میں بھی یہ بات بصراحت موجود ہے کہ آپ ﷺ کا لایا ہوا دین کل روئے ارضی پر غالب ہو گا۔

1 حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ زَوٰی لِیَ الْاَرْضَ فَرَأَیْتُ مَشَارِقَھَا وَ مَغَارِبَھَا، وَ اِنَّ اُمَّتِیْ سَیَبْلُغُ مُلْکُھَا مَا زُوِیَ لِیْ مِنْھَا (رواہ مسلم و الترمذی و ابوداود و ابن ماجۃ)

''بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے زمین کو گھومتا ہوا دکھایا، چنانچہ میں نے اس کے تمام مشارق ومغارب دیکھے اور یقیناً میری امت کا اقتدار وہاں تک پہنچے گا جہاں تک زمین کو میرے لیے لپیٹا گیا!'' (یعنی اہل اسلام کا اقتدار پورے کرۂ ارض پر قائم ہوگا) (ترجمانی)

2 حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَایَبْقٰی عَلٰی ظَھْرِ الْاَرْضِ بَیْتُ مَدَرٍ وَ لَا وَبَرٍ اِلَّا اَدْخَلَہُ اللّٰہُ کَلِمَۃَ الْاِسْلَامِ بِعِزِّ عَزِیْزٍ اَوْ ذُلِّ ذَلِیْلٍ۔ اِمَّا یُعِزُّھُمُ اللّٰہُ فَیَجْعَلُھُمْ مِنْ اَھْلِھَا اَوْ یُذِلُّھُمْ فَیَدِیْنُوْنَ لَھَا۔ قُلْتُ: فَیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ ۔ (رواہ احمد)

''روئے زمین پر نہ کوئی اینٹ گارے کا بنا ہوا گھر رہ جائے گا اور نہ اونٹ کے بالوں کا بنا ہوا کوئی خیمہ، جس میں اللہ کلمۂ اسلام کو داخل نہ کردے۔ خواہ کسی سعادت مند کو عزت دے کر اور خواہ کسی بدبخت کی مغلوبیت کے ذریعے۔ یعنی یا تو اللہ تعالیٰ لوگوں کو (اسلام کی بدولت) عزت عطا فرمادے گا اور انہیں کلمۂ اسلام کا قائل وحامل بنا دے گا یا (حالت کفر پر برقرار رہنے کی صورت میں) انہیں مغلوب فرمادے گا کہ وہ اس کے محکوم اور تابع بن کر رہیں گے''۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس پر میں نے اپنے دل میں کہا: ''پھر تو واقعتاً دین کل کا کل اللہ ہی کے لیے ہو جائے گا!''

قرآن پاک میں سورہ نور میں آیا ہے:

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ وَ لَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَھُمْ وَ لَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِھِمْ اَمْنًا یَعْبُدُوْنَنِیْ لَایُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا وَ مَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰئِکَ ھُمُ الْفَاسِقُوْنَ O (56:24)

''جو لوگ تم سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان

کو ملک کا حاکم بنادے گا جیسا ان سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا تھا اور ان کے دین کو جسے اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے مستحکم و پائیدار کرے گا اور خوف کے بعد ان کو امن بخشے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں گے اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے لوگ بدکردار ہیں''۔

گویا حضرت محمد ﷺ کا دین جب کل دنیا میں غالب ہوگا تو اس وقت اسلام کی بڑی شان ظاہر ہوگی اور اس نظام کا نام خلافت ہوگا۔ قرآن کے مخاطبین اوّل کو بتایا گیا کہ یہ نعمت اللہ نے پہلے حضرت داؤد علیہ السلام وغیرہ کو بھی عطا فرمائی تھی اور آج ہم قرآن مجید کے مخاطب ہیں ہمارے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مثال ہے کہ خلافت راشدہ کا نظام آیا تھا جس سے اسلام کی شان اور تمکّن ظاہر ہوا۔ (واللہ اعلم)

3۔ ایک اور حدیث مبارکہ میں تاریخ انسانی کے اَدوار گنوائے گئے ہیں۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تَكُوْنُ النُّبُوَّةُ فِيْكُمْ مَاشَاءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا اللّٰهُ اِذَا شَاءَ اَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُوْنُ خِلَافَةً عَلٰى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ فَتَكُوْنُ مَاشَاءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا اِذَا شَاءَ اَنْ يَّرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا عَاضًّا فَتَكُوْنُ مَاشَاءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا اِذَا شَاءَ اَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا جَبْرِيًّا فَتَكُوْنُ مَاشَاءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا اِذَا شَاءَ اَنْ يَّرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُوْنُ خِلَافَةً عَلٰى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ ثُمَّ سَكَتَ (رواه احمد)

تمہارے اندر عہد نبوت جب تک اللہ چاہے گا موجود رہے گا پھر جب اللہ اسے ختم کرنا چاہے گا تو اس (عہد نبوت) کو ختم کردے گا اس کے بعد خلافت علیٰ منہاج النّبوۃ قائم ہوگی جو قائم رہے گی جب تک اللہ چاہے گا پھر جب اللہ اسے ختم کرنا چاہے گا تو اسے ختم کردے گا پھر (اس کی جگہ) کاٹ کھانے والی بادشاہت قائم ہوگی جو جب تک اللہ چاہے گا برقرار رہے گی پھر اسے بھی جب اللہ ختم کرنا چاہے گا تو ختم کردے گا پھر جابرانہ ملوکیت کا دور ہوگا جو جب تک اللہ چاہے گا باقی رہے گا

پھر اللہ جب اسے بھی ختم کرنا چاہے گا تو ختم کر دے گا پھر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ (دوبارہ) قائم ہوگی پھر آپ ﷺ خاموش ہو گئے۔

گویا علامہ اقبال کے دور میں جنوبی ایشیا کے مسلمان جس مصیبت سے گزر رہے تھے اور منحوس برطانوی استعمار اپنے صہیونی پنجے جسد ملت اسلامیہ میں گاڑے ہوئے تھا وہ مُلکًا جبریًا تھا وہ بھی ایک گزر جانے والا دور تھا اور اس کے بعد خلافت علی منہاج النبوۃ کا دور مسعود دوبارہ آ کر رہے گا۔

اس حدیث کے مندرجات کا جس شخص کو جتنا یقین ہوگا اتنا ہی زیادہ زور وشور سے وہی اس کو بیان کرے گا۔ علماء منبر ومحراب سے آج تک اس حدیث کا عموماً حوالہ نہیں دیتے جبکہ علامہ اقبال نے 1913ء کے جوابِ شکوہ میں ان احادیث کے مندرجات کو جہانگیر یعنی عالمی خلافت فرمایا۔

بقولِ اقبال فرمانِ رسالت ہے کہ (حوالہ کی تلاش جاری ہے) ''مجھے مشرق کی طرف سے ٹھنڈی ہوا آتی ہے''۔

☆ ہند کے سارے مندر مغرب کے رُخ پر بنائے جاتے ہیں اور ان میں داخلے کا دروازہ مشرق میں ہوتا ہے اور مغرب کی طرف رُخ کر کے انسان مندر میں داخل ہوتا ہے۔

☆ ہندوؤں کا یہ اعتقاد تھا کہ ہند کا سب سے بڑا مندر سومنات کا ہے اور سومنات کے عین مغرب میں دُور عرب میں ایک اور مندر ہے (واضح رہے کہ مکہ میں اسلام سے پہلے کعبہ میں بھی بت ہی نصب تھے۔ 628ء میں مکہ فتح ہوا تو کعبے سے بت توڑ کر ہٹا دیے گئے)۔

☆ آیئے جغرافیائی طور پر اس بات پر غور کرتے ہیں۔ کعبے کا نقشہ کچھ یوں ہے کہ اگر چاروں سمتوں کو ظاہر کرنے کے لیے دو لکیریں مشرق مغرب اور شمال جنوب کی اطراف لگائیں کہ ایک نقطہ پر ایک دوسرے کو کاٹ رہی ہوں تو اگر کعبہ (چوکور شکل تقریباً 38 فٹ مربع شکل + حطیم) کی چوکور کا ایک کونہ مشرق والی لکیر پر رکھیں، ایک کونہ مغرب کی طرف، اسی طرح شمال اور جنوب کی طرف لکیروں پر دو اور کونے FIT ہو جائیں گے۔

مشرق والے کونے پر حجر اسود نصب ہے۔ شمال والا کونہ رکن شامی اور مغرب والا کونہ رکن عراقی کہلاتا ہے۔ جنوب والا کونہ رکن یمانی کہلاتا ہے۔

کعبہ کے حوالے سے ایک اصطلاح 'مُلتزم' ہے۔ حجر اسود سے لے کر شمال

والے کونے رکن شامی تک یہ دیوار ملتزم کہلاتی ہے۔ اسی طرف حجر اسود سے تھوڑے فاصلے پر کعبے کا دروازہ ہے۔ 'ملتزم' بڑی بابرکت جگہ اور حضرت محمد ﷺ نے اس کی بڑی فضیلت بتائی ہے کہ اس جگہ مانگی گئی دُعائیں قبول ہوتی ہیں۔ 'ملتزم' کے لفظی معنی وہ جگہ جہاں 'چمٹ جایا جائے'۔ گویا یہاں مسلمانوں کو دُعا مانگتے چمٹ جانا چاہیے اور لوگ اسی طرح کرتے ہیں۔ جو لوگ حج عمرے کو گئے ہیں انھیں اس کا خود تجربہ ہو جاتا ہے۔ اسی ملتزم سے تھوڑے فاصلے پر چاہ زمزم ہے اب یہ بابرکت چشمہ اوپر سے نظر نہیں آتا صرف ایک جگہ دائرے کا ایک نشان رہنمائی کے لیے موجود ہے۔ راستہ کہیں دور سے نیچے جاتا ہے۔ اسی طرف مقامِ ابراہیم ہے وہ پتھر جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر یہ کعبہ تعمیر کیا تھا وہ پتھر 'خاص پتھر' تھا۔ کعبہ تقریباً 44 فٹ بلند ہے اس عمارت کو بنانے کے لیے کتنے بانسوں اور پھٹوں کی ضرورت تھی مگر یہ پتھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خواہش پر اوپر نیچے دائیں بائیں جہاں چاہتے چلا جاتا تھا اس طرح کعبہ تعمیر ہوا ایسی ٹیکنالوجی آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی ایجاد نہیں ہو سکی۔ طواف کے بعد اسی طرف نوافل ادا کیے جاتے ہیں۔ حجر اسود سے عین مشرق میں کچھ دُور کوہ صفا تھا جو اب ایک ٹیلہ اور نشان رہ گیا ہے جہاں سے 'سعی' شروع کی جاتی ہے۔ اس ملتزم میں دُعائیں کرنا، اس جگہ نماز پڑھنا اور عبادت کرنا، کعبے کی زیارت کے لیے بیٹھنا بھی برکت سے خالی نہیں۔

اہل پاکستان کے لیے یہ بڑی خوش نصیبی کی بات ہے کہ 1000ھ کے بعد خالص اسلام کے نام پر بننے والی ریاست پاکستان سارے کا سارا اسی ملتزم کے سامنے ہے۔ گویا ذرا احساس پیدا ہو جائے تو ہم ہر نماز ملتزم میں ہی ادا کرتے ہیں۔ خالق کائنات نے کیا 'خاص حصہ' گویا جنت کا ایک عکس یہ ملک ہمیں عطا کر دیا ہے۔ یہ ملک زندہ رہے گا اور وسیع بھی ہوگا۔ ان شاءاللہ۔

جیسے اوپر درج کیا گیا ہے ہندو رِوایات میں ہے [اور یہ روایات یقیناً پیغمبرانہ بات (PROPHETIC WORD) ہی ہو سکتی ہے] کہ سومنات کے مندر کے عین مغرب

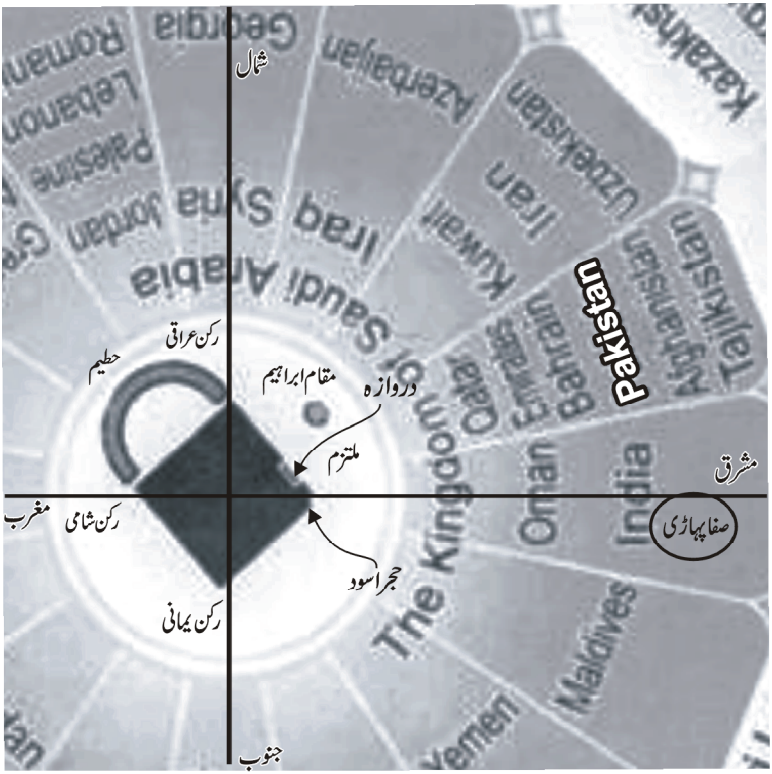

میں ایک بڑا مندر عرب میں واقع ہے۔ یہ مکہ کا بیت اللہ ہے۔ یہ بات کوئی پیغمبر ہی کہہ سکتا ہے۔ غیر نبی یہ الفاظ ادا نہیں کر سکتا۔ زمانۂ قدیم میں جغرافیہ اتنا ترقی یافتہ نہیں تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد چونکہ پیغمبری، کتاب اور وحی صرف انہی کی اولاد میں مخصوص کر دی گئی ہے (25:57) لہٰذا یہ نبی بھی اولادِ ابراہیم میں سے ہی ممکن ہے کیونکہ اس کو از سرِ نو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر تعمیر کیا تھا۔

سومنات کے عین مغرب میں کعبہ واقع ہے (اور جغرافیائی طور پر یہ بات ایک حقیقت ہے اور آج گوگل ارتھ پر انٹرنیٹ کے ذریعے اس کو ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ سومنات اور کعبہ کا عرضِ بلد (LATITUDE) ایک ہی ہے) اسی بات کو دوسرے الفاظ میں کہیں تو کعبۃ اللہ کے عین مشرق میں سومنات واقع ہے۔

رکن شامی کعبہ کا شمال والا کونہ ہے اور مدینۃ النبی ﷺ مدینہ منورہ اسی طرف واقع ہے۔ گویا سومنات سے لے کر مدینہ تک کا علاقہ ملتزم میں شامل ہے۔ 1026ء میں سومنات ریاست جوناگڑھ (گجرات۔ بھارت) کو سلطان محمود غزنوی نے فتح کیا تھا اور اس وقت سے جوناگڑھ اور اس کے ملحقہ سارا علاقہ گجرات کاٹھیاوار مسلمانوں کا علاقہ ہے۔ کراچی میں میمن برادری کے اکثر خاندان اسی گجرات کاٹھیاوار سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔ گزشتہ صدی کے شروع میں سندھ الگ صوبہ نہیں تھا بلکہ صوبہ ممبئی کا حصہ تھا۔ تقسیم ہند کے جھگڑے میں کشمیر کی طرح ریاست جوناگڑھ کا بھی جھگڑا ہے ریاست جوناگڑھ کے نواب اسماعیل کھانجی نے کراچی آ کر پاکستان سے الحاق کرلیا۔ جبکہ اسی ریاست کے وزیر اعظم سرشاہنواز بھٹو نے انڈیا جا کر ریاست کے الحاق کا معاہدہ نہرو سے کرلیا اور خود پاکستان آ گئے اور ان کی اولاد و احفاد یہاں کی سیاست میں دھوم مچائے ہوئے ہے۔

گویا اس بات کا امکان ہے کہ پاکستان اپنے نظریہ ـــــ دوقومی نظریہ کی طرف لوٹے اور فکر اقبال کو اپنائے تو کوئی وجہ نہیں کہ سومنات سے لے کر مدینہ تک دوبارہ اسلامی ریاست بن جائے۔ یہی اشارہ ہے ان الفاظ میں کہ ''مجھے مشرق کی طرف سے ٹھنڈی ہوا آتی ہے'' (حدیث)۔ علامہ اقبال نے فرمایا:

؎ میر عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے
میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

ٹھنڈی ہوا سے مراد ایک اسلامی ریاست کا قیام بھی ہوسکتا ہے جو اسلام کے اصولوں کے مطابق ہو۔ اَللّٰھُمَّ عَجِّلْ لَنَا ھٰذَا، اَللّٰھُمَّ عَجِّلْ لَنَا ھٰذَا۔

مزید فرمایا:

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

قرآن وحدیث کے مندرجات پر یقین کا یہ اعلیٰ مقام جو علامہ اقبال کے حصہ میں آیا تھا وہ

کسی کسی کو میسر آتا ہے۔ علامہ اقبال کی تجدیدی کاوشوں کا بنیادی پتھر قرآن وحدیث پر ہی یقین ہے۔

☆ امت مسلمہ کے لیے اضافی نصف صدی کی نظریاتی سطح پر تعمیر کا سامان ان مبارک ہستیوں کے ذریعے ہوا جو مجددین کہلاتے ہیں۔ ان مجددین کی محنت ہر دور کے مطابق اور ہر مجدد کے ظروف واحوال کے مناسب تھی۔ شیخ مجدد کا اپنا کام تھا کہ ایک مقتدر اور مطلق العنان بادشاہ نے چند گروہوں کی طرف سے خوشامدانہ باتوں کی آڑ میں اپنی سلطنت کے دوام کے لیے خدائی کا دعویٰ کر دیا کہ وہ دین منسوخ بھی کر سکتا ہے اور نیا دین بھی دے سکتا ہے۔ شیخ مجدد نے اس فرعون کا مقابلہ اس دور کے وسائل کے مطابق فرمایا۔ علامہ اقبال کا اپنا کام ہے اور اپنے ظروف واحوال ہیں قیامت کے دن ہر شخص کو اس کی اپنی صلاحیتوں اور کام کے مطابق جوابدہ ہونا پڑے گا۔

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا (البقرۃ)

اللہ تعالیٰ کسی (انسان کی) جان کو مکلّف نہیں ٹھہراتا مگر جتنا کچھ اسے دیا گیا ہے۔

اسی طرح جس مجدد کو جس طرح کی ASSIGNMENT ملی اور جن ظروف واحوال میں کام کرنے کا موقع ملا وہ اس کے مطابق ہی جانچا جائے گا اور انعامات ونوازشات سے لاد دیا جائے گا۔ کسی کے کام کو جزوی اور چھوٹا سمجھنا اور کسی کے کام کو بڑا سمجھنا انسان کا اپنی حدود سے کچھ تجاوز شمار ہوگا۔

☆ (1001ھ تا 1330ھ) 1910ء میں جو تجدیدی کام ہوا ہے اس پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جائے تو ہمارے مطالعے اور مشاہدے کے مطابق وہ تفصیلات یوں ہیں:

اکبر کے 'دین الٰہی' کے اعلان سے سلطنت مغلیہ کے طول وعرض میں جو تلاطم پیدا ہوا وہ صورت کوئی راتوں رات پیدا نہیں ہوگئی تھی بلکہ خواص وعوام میں دین سے دوری، تصوف کی بگڑی ہوئی صورتیں جو مسلمانوں کے بے عمل ہی نہیں پہلے ہی سے بے دین تیاری تھیں۔ سنت سے انحراف، دین کا استہزاء، حرام کا ارتکاب جیسے جرائم میں دوسروں کا تزکیہ کرنے والے پیر خود ملوث تھے۔ علم دین کی تحصیل کا رجحان بہت کم تھا اور ہمایوں کے دور سے تصوف کے نئے نام سے فتنے سر اُٹھا رہے تھے۔

ان حالات میں مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی نے تصوف کی اصلاح اور علماء کی اصلاح کا کام سب سے اہم سمجھ کر سرفہرست رکھا۔

مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ

(1564ء-1624ء)

خونِ اسرائیل آجاتا ہے آخر جوش میں
توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طلسم سامری

شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ حضرت باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے، انھوں نے سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کا احیاء کیا۔

کارنامے: o اثباتِ نبوت رسالہ نکالا۔ o ردّروافض۔
o ردّبدعات۔ غیر اسلامی آداب ورسول کو واضح کیا۔
o ہندومت کے احیاء کا راستہ روکا۔ اکبری اِلحاد کا قلع قمع کیا۔ فرائض دینی، شعائر اسلام، اسلام کی سربلندی کو واضح کیا۔ علماء وصوفیاء کی اصلاح پر زور دیا۔ انھوں نے اس تصوف کی اصلاح کی جو شریعت سے قریب ترین ہو (اتباعِ سنت) جس میں کمالات نبوت کو واضح کیا اور ریاضت کو کم کیا۔ نہ چلہ کشی، نہ ذکر بالجہر، نہ سماعِ مزامیر، نہ قبور پر روشنی، نہ غلاف وچادر، سجدۂ تعظیمی، نہ سر جھکانہ، نہ بوسہ دینا نہ توحید وجودی، نہ دعوۂ انا الحق، نہ ہمہ اوستی خیالات، نہ پیروں کی قدم بوسی، نہ عورتوں کی پیروں سے بے پردگی۔ طریقے کے مقابلے میں شرع کی اہمیت کو واضح کیا۔ تعلیم دینی کو سلوک پر ترجیح دی۔ صحابہ کو تمام اولیاء سے بزرگ تر ثابت کیا۔ ''حال'' کو شریعت کے تابع کیا۔

انھوں نے وحدت الوجود کی نفی نہیں کی بلکہ اسے نیا رُخ دیا۔ وحدۃ الشہود

ان کا کہنا ہے کہ مقام وحدت الوجود سالک کو ابتدائے سلوک میں پیش آتا ہے جس سے اُسے گزر جانا چاہیے۔ اور جو شخص اس سے بالاتر مقام پر عروج کرتا ہے اس پر مقامِ وحدۃ الشہود منکشف ہوتا ہے جو شرع کے عین مطابق ہے۔

انھوں نے جہانگیر کو سجدۂ تعظیمی کرنے سے انکار کیا اور پابند سلاسل ہوئے۔ بعد رہا ہوکر کچھ عرصہ جہانگیر کے ساتھ رہے اور اس کی اصلاح کی کوشش کرتے رہے۔

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمیٔ اَحرار

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہباں
اللہ نے بر وقت کیا جس کو خبردار

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

(1551ء -1642ء)

وہ صوفی بھی تھے اور باقی باللہ کے مرید بھی، لیکن اس کے باوجود کہ انھیں بھی وحدت الوجود سے بُعد تھا وہ اس کی تردید میں اس درجہ سرگرم نظر نہیں آتے۔ اسی طرح وہ حنفی بھی تھے لیکن متشدد نہیں بلکہ فقہ حنفی کا رشتہ حدیث رسول ﷺ کے ساتھ جوڑنے کی پہلی کوشش انھی سے شروع ہوئی۔ انھوں نے علم حدیث کا پودا سرزمین ہند میں لگایا اور حدیث رسول ﷺ کی باقاعدہ درس وتدریس کا بھی آغاز کیا اور اس سے متعلق تصانیف وتالیف کا بھی۔ مشکوٰۃ شریف کا (1616ء) فارسی کا ترجمہ کیا اور مفصل شرح لکھی (لمعات التنقیح) اسنادِ حدیث اور اسماء الرجال پر بھی ایک تصنیف کی۔

محی الدین اورنگزیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ

(1618ء-1707ء)

☆ ان تجدیدی مساعی کا فوری نتیجہ یہ نکلا کہ اورنگ زیب جیسا مغل حکمران پیدا ہو گیا جس سے ایک صدی کے اندر اندر خاندانِ مغلیہ میں کایا پلٹ گئی۔ کہاں اکبر (وفات 1605ء) اور کہاں ..... درویش صفت اسلام کا شیدائی درویش حکمران (1618ء-1707ء)۔ یہ تجدید کا کام اس وقت کے موجود ظروف واحوال اور ماحول کے مطابق اور یقیناً اپنے مخاطبین کے لیے اِتمامِ حجت۔

☆ جیسے ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ حق وباطل کی جنگ میں حق جتنی قوت اور سرعت سے اٹھے گا اس کا ردِّعمل بھی باطل کی طرف سے اس کے مطابق آئے گا۔ یہ اصول ہے تو سائنس کے میدان کا جسے نیوٹن کا حرکت کا تیسرا قانون کہتے ہیں۔ مگر ایسے محسوس ہوتا ہے کہ خالق کائنات نے جہاں بھی حرکت، تحریک، جہاد آگے بڑھتا ہوگا اس کا ردِّعمل اتنا ہی زوردار اور اس کے مخالف ہوگا۔

اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ کی پچاس سالہ حکومت کے بعد جو ردّعمل آیا وہ آئندہ نصف صدی پر پھیلا ہوا ہے کہ مغلیہ سلطنت عدم استحکام کا شکار رہی۔ اورنگ زیب کے دو بیٹے تھے۔ باپ کی وفات پر (اپنے اتالیق کے زیر اثر دونوں نے شیعہ مسلک اختیار کرلیا)۔ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی محنت سے مغلیہ سلطنت اور مسلمانانِ ہند دوبارہ دین اسلام کے ٹریک پر چڑھے تھے کہ ایسا ردّعمل آیا کہ دونوں بیٹے حکمران تو بنے مگر ان کا اقتدار یہاں کے عوام کی اکثریت اور مجدّدین کی انتھک محنت کے پس منظر (SCENARIO) میں بے جوڑ بات (A SQUARE PEG IN A ROUND HOLE) ثابت ہوئی اور ناکام ہوئے اس صورت حال سے عالمی قوتیں ورطہ حیرت میں چلی گئیں کہ کیا ہوگیا؟

چنانچہ ایران کے سفّاک بادشاہ نادرشاہ (1687-1748ء) نے 1739ء میں ہند پر حملہ کردیا اور وہ سیدھا دہلی آیا اور حکومت پر قبضہ کرکے قتل عام کیا اور پھر خزانہ لوٹ کر واپس چلا گیا۔ اس لوٹ مار کی رقم کا اندازہ 1753ء میں 855 ملین پاؤنڈ تھا (سونا 8 پاونڈ میں ایک تولہ ملتا تھا) گویا مغل حکومت سونے کی چڑیا نہ رہی اور نہ مسلم اقتدار دوبارہ ہند پر شاہ جہاں یا اورنگزیب کی طرح کا حکمران لاسکا۔ اس مہم کے پیچھے کون تھا؟ واللہ اعلم۔

اس دوران تجارت کے لیے آئے انگریز بنگال میں ٹیکس معافی کے بعد اسلحہ لائے۔ ہندو پہلے ان کا تجارتی لوکل پارٹنر (PARTENER) بنا ہوا تھا۔ سازش کے تحت 1753ء میں بنگال کے حکمران سراج الدولہ کو شکست دے کر ایسٹ انڈیا کمپنی میر جعفر کے ذریعے بنگال پر قابض ہوگئی تھی۔ اس صورت حال سے ہندو مرہٹہ قوت بھی خوب واقف تھی اور وہ (انگریزوں کے بنگال پر قبضہ اور ہندو مرہٹہ قوت کا جنوبی ہند سے اٹھ کر دہلی کا بیک وقت رخ کرنا کسی سازش کا پتہ دیتا ہے) دہلی پر قبضہ کرلیے بڑھ رہے تھے۔ انگریز نے 1799ء میں میر جعفر کی طرح کے غدار میر صادق کے ذریعے سلطان ٹیپو کو شکست دے کر میسور پر قبضہ کرلیا تھا بعدازاں انگریز نے بھی دہلی کی طرف رخ کرلیا اور سازشوں اور لالچ کا جال بچھا دیا۔

اس صورت حال میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے مجددانہ شان اور مؤمنانہ بصیرت سے مستقبل میں جھانکا لگا اور قندھار کے افغان حکمران احمد شاہ ابدالی کو خط لکھ کر دہلی پر حملہ کرکے مرہٹہ

قوت سے ہند کی ملت اسلامیہ کو بچانے کی درخواست کی جس پر وہ آیا 1761ء میں پانی پت کے میدان میں نہایت نا مساعد حالات میں 3 لاکھ مرہٹہ قوت کا مقابلہ کیا۔ ایک لاکھ مرہٹہ قتل ہوئے اور باقی نامراد لوٹ گئے اور یہ قوت منتشر ہوگئی۔

شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

(1703ء-1762ء)

شاہ ولی اللہ دہلوی کے دیگر علمی، تبلیغی و تصنیفی کارنامے الگ، ملت اسلامیہ ہند پر مرہٹہ قوت سے بچاؤ کا احسان ایسا ہے کہ بھلایا نہیں جاسکتا۔

☆ ہند میں تجدیدی سرگرمیوں اورنگ زیب کے بعد مغل حکومت کے زوال کے پس منظر میں سیاسی سے زیادہ نظریاتی جدوجہد اور نظریاتی احیائی عمل کی طرف توجہ زیادہ مرکوز ہوگئی۔ تصوف کی اصلاح، علماء کی اصلاح، علم الحدیث کی اشاعت اور تعلیم کے بعد مزید اوپر والی سیڑھی یعنی قرآن مجید کے علوم کی طرف توجہ ہوئی اور شاہ ولی اللہ نے جان پر کھیل کر بھی یہ فرض نبھایا۔ دہلی میں بیٹھ کر عالمی صہیونی مافیا کے علی الرغم قرآن مجید کا پہلا ترجمہ فارس میں کیا۔ (ان کے بیٹوں نے اردو میں دو تراجم بھی کیے جو آج بھی متداول ہیں)۔ اسی ترجمہ کرنے کی وجہ سے ان پر قاتلانہ حملہ بھی ہوا۔

محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر اورنگزیب رحمۃ اللہ علیہ مسلمانوں نے مقامی ہندو آبادی کو اسلام کی برکات، عدل و انصاف، مساوات اور حکومتی معاملات میں شرکت کے اصولوں سے ہی متعارف کرایا۔ بادشاہوں نے تبلیغ کا شعبہ قائم نہ کیا اور اللہ کی کتاب قرآن مجید سے متعارف کرایا۔ قرآن مجید کے ترجمے کے ساتھ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرے حضرات کی رہنمائی کے لیے قرآن مجید سمجھنے اور سمجھانے پر ایک کتاب لکھ دی الفوز الکبیر فی اصول التفسیر جو مختصر ہونے کے باوصف بڑی وقیع تصنیف ہے۔ شاہ ولی اللہ ایک معتدل مزاج عالم تھے فقہی معاملات میں بھی اعتدال اور صوفیانہ مشرب میں نہایت معتدل خیالات رکھتے تھے، جوانی میں وہ حج بیت اللہ کے لیے حرمین شریفین تشریف لے گئے تھے وہاں ان کی ملاقات شیخ محمد بن عبدالوہاب سے ہوئی تھی۔ جب وہ علم دین حاصل کر رہے تھے۔ ان کے اصلاحی و احیائی فکر سے شاہ صاحب متعارف ہوئے تاہم ان کے فکر سے کلیتہً متفق نہ ہو سکے۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی مساعی کا حصہ ان کے خانوادے کی دینی وملّی خدمات ہیں۔ انہیں کے خانوادے سے فیض یافتہ حضرت سیّد احمد بریلوی نے جہاد کا نعرہ بلند کیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ کے بیٹے عبدالغنی جواں عمری میں ہی رحلت فرما گئے تھے لیکن شاہ صاحب کے پوتے (شاہ عبدالغنی کے بیٹے) شاہ محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے تحریک شہیدین میں اصل رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیا اور عملی جہاد میں حصہ لیا جس کے اثرات آج بھی پنجاب، کے پی کے، کشمیر، افغانستان اور فاٹا کے علاقے میں آنکھیں بند کر لینے پر بھی نظر آجاتے ہیں۔

☆ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے قرآن مجید کے ترجمے سے مسلمانوں کے ذہین نوجوان عناصر کو محنت اور صلاحیتوں کے کھپانے کا میدان مل گیا۔ وہ دن اور آج کا دن جنوبی ایشیا کے مسلمانوں میں قرآن مجید کے پڑھنے پڑھانے کا شوق روز افزوں ہے اور بڑھتا ہی جا رہا ہے جو ملت اسلامیہ کے مستقبل کے لیے ایک اچھا شگون ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ پچھلی دو صدیوں میں صرف جنوبی ایشیا میں تفسیر قرآن پر جتنا کام ہوا ہے اتنا کام شاید پورے عالم اسلام میں بھی نہیں ہوا۔ اس کی بظاہر وجہ وہی ہے جو ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ جنوبی ایشیا کے مخصوص حالات کے تحت اللہ تعالیٰ نے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے احیائی سرگرمیوں کا مرکز بلاد عرب سے اٹھا کر جنوبی ایشیا میں منتقل کر دیا چنانچہ مجددین کا سنہری سلسلہ یہیں جاری ہوا اور اس طرح احیائی کاموں اور سرگرمیوں میں بے پناہ اضافہ ہو گیا۔

☆ شغف بالقرآن کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ برطانوی صہیونی سامراج کے 1857ء کے بعد پورے طور پر مسلط ہو جانے کے بعد سرسیّد نے اس غیر ملکی سامراج سے مفاہمت کا کام لیا اور انگریزی تعلیم اور سائنس کی تعلیم کے حصول کی مہم چلائی تو انہیں بھی مسلمانوں کو متوجہ کرنے کے لیے تفسیر قرآن کا سہارا لینا پڑا چنانچہ انھوں نے تفسیر احمدی کے نام سے تفسیر لکھی جس میں سائنس اور مغربی عقلیت پرستی کو صحیح مان کر قرآن مجید میں فرشتوں، معجزات، وحی اور ایمان بالغیب کی عقلی اور مادّی توجیہ کر دی۔

شیخ الہند حضرت محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ

(1851ء-1920ء)

☆ بیسویں صدی کے آغاز میں ان تین صد سالہ تجدیدی مساعی کا ایسا مرحلہ درپیش تھا کہ

اس کا صحیح اِدراک وقت کا تقاضا تھا اور اس کے لیے عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق تیاری ضروری تھی۔ جہاں تک مسلمانوں کے زوال کے مرض کی تشخیص کا تعلق ہے تو علماء اسلام کا طبقہ ایسا تھا جو قرآن وحدیث سے وہ تعلق رکھتا تھا جو ان کے منصب کے لحاظ سے ضروری ہے اور وہ اسی کام پر مامور تھا مگر عصری علوم سے یہ طبقہ کما حقہ باخبر نہیں تھا۔ ان میں شیخ الہند محمود حسن صاحب (متوفی 1920ء) کی مساعی کا نچوڑ اور حاصل وہ ہے جو انھوں نے اپنے تاریخی خطاب میں تذکرہ فرمایا۔ جون 1920ء میں مالٹا کی چار سالہ جیل سے رہائی پا کر ممبئی کی بندرگاہ پر اترے تو استقبال کرنے والوں میں مسلمانوں کے علاہ مہاتما گاندھی بھی موجود تھا، جب دیو بند پہنچے تو استقبالیہ ترتیب دیا گیا جس میں انھوں نے فرمایا:

''میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے: ایک ان کا قرآن چھوڑ دینا، دوسرے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی۔ اس لیے میں وہیں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کروں کہ قرآن کریم کو لفظاً اور معناً عام کیا جائے۔ بچوں کے لیے لفظی تعلیم کے مکاتب ہر بستی بستی میں قائم کیے جائیں۔ بڑوں کو عوامی درسِ قرآن کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے اور قرآنی تعلیمات پر عمل کے لیے آمادہ کیا جائے اور مسلمانوں کے باہمی جنگ وجدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے۔''

('وَحدت امت' تالیف حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب)

مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ

(1888ء -1958ء)

مولانا ابوالکلام آزاد بھی 1920ء تک استخلاصِ وطن کی جدوجہد میں علماء کے ساتھ شریک تھے۔ ان کے رسالہ الہلال اور البلاغ میں حکومت کی دعوت دی گئی تو اس میں بھی قرآن مجید سے دوری کو مسلمانوں کے امراض کی وجہ اور علاج ـــــ قرآن مجید کے علوم کو سیکھنا اور عام کرنا

تجویز کیا گیا تھا۔

''اگر ایک شخص مسلمانوں کی تمام موجودہ تباہ حالیوں اور بدبختیوں کی علت حقیقی دریافت کرنا چاہے اور ساتھ ہی یہ شرط بھی لگا دے کہ صرف ایک ہی علت اصلی ایسی بیان کی جائے جو تمام علل واسباب پر حاوی اور جامع ہو...... تو اس کو بتایا جا سکتا ہے کہ علماءِ حق ومرشدین صادقین کا فقدان اور علماءِ سوء ومفسدین دجالین کی کثرت۔ رَبَّنَا اِنَّا اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ كُبَرَآءَ نَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلا۔ اور پھر اگر وہ پوچھے کہ ایک ہی جملہ میں اس کا علاج کیا ہے؟ تو اس کو امام مالک کے الفاظ میں جواب ملنا چاہیے کہ ''لَا يَصْلُحُ اٰخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِلَّا بِمَا صَلحَ بِهٖ اَوَّلُهَا''یعنی اُمت مرحومہ کے آخری عہد کی اصلاح کبھی نہ ہو سکے گی، تاوقتیکہ وہی طریق اختیار نہ کیا جائے جس سے اس کے ابتدائی عہد نے اصلاح پائی تھی اور وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ قرآن حکیم کے اصلی وحقیقی معارف کی تبلیغ کرنے والے مرشدین صادقین پیدا کیے جائیں۔''

(ماخوذ'البلاغ' جلداوّل، شمارہ اوّل مورخہ ۱۲نومبر ۱۹۱۵ء)

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ

(1877ء۔1938ء)

تیسری طرف جدید تعلیم یافتہ مغرب کی یونیورسٹیوں میں وقت گزارنے والا شخص علامہ اقبال جو تحریک علی گڑھ کی فکری لغزشوں کے لیے مجدد بن کر آئے تھے اور دین کا صحیح تصور رکھتے تھے ان کی رائے بھی یہی تھی کہ مسلمانوں کے مسائل پر زوال کا سبب قرآن سے 'ہجر' ہے اور علاج قرآن مجید سے تمسّک اور اس کے علوم کا پڑھنا، عمل کرنا اور غلبہ دین واشاعت ہے۔

علامہ اقبال نے فرمایا:

خوار از مہجوریٔ قرآں شدی　　　شکوہ سنجِ گردشِ دوراں شدی
اے چو شبنم بر زمین افتندۂ　　　در بغل داری کتابِ زندۂ

صاحب قرآن و بے ذوق طلب　　العجب ثم العجب ثم العجب

جواب شکوہ (1913ء) میں فرمایا:

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بقرآں زیستن

مسلمان کے طرز عمل پر فرمایا:

بایآتش ترا کار جز ایں نیست　　کہ از یٰسین او آسان بمیری

تمہیں اس کے سوا قرآن سے کوئی غرض نہیں رہی کہ اس کی سورۂ یٰسین کی تلاوت سے موت آسانی سے آجائے۔

صد جہاں در آیات او ست　　عصر ہا پیچیدہ در آیت او ست

☆ شیخ الہند محمود حسن کی تشخیص اور ابوالکلام آزاد کی تشخیص مماثل ہے۔ شاید ابوالکلام آزاد شیخ الہند سے ملاقات اور ربط وضبط رکھتے تھے، مگر علامہ اقبال کی ہو بہو وہی تشخیص بلکہ زیادہ مدلل، موثر اور عصر حاضر کے محاورے میں تشخیص اور قرآن ذریعے اس کے علاج کا پیغام دراصل ـــــ علامہ اقبال کے کلام کا آفاقی والہامی ہونے کی دلیل ہے جیسا کہ پہلے آچکا ہے کہ وہ دعویدار ہیں کہ میرے کلام میں 'قرآن مجید' کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ اُمت مسلمہ کے مسائل کی صحیح ترین نباضی اور الہامی علاج تو مجددانہ جذبے والا شخص ہی دے سکتا ہے۔

☆ علماء کرام اور خطباء اسلام کی تقاریر اور سحر بیانی اپنی جگہ مگر کلام اقبال میں امت مسلمہ کے جدید تعلیمی طبقہ کے لیے جس طرح روحانی آسودگی دل کی آواز والا احساس اور دل کے تاروں کو چھو لینے والا انداز ہ ـــــ جو کلام اقبال نے دیا تھا وہ از دل خیزد ـــــ بر دل ریزد' والا معاملہ اسی لیے ہو گیا اور قوم اٹھ کھڑی ہوئی اور ایک نئے ولولے اور جذبے کے ساتھ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی آرزومندی کا ہار اپنے گلے کا زیور بنالیا کہ اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے اس سے دوری نہ رہے۔

اَلْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَاءُ

قیامِ پاکستان یا تقسیم ہند کا اصل سبب کون؟

(اقبال نے ہمارا متحدہ ہندوستان کا خواب چکنا چور کر دیا۔
جیمز رامزے میکڈونلڈ پرائم منسٹر برطانیہ)

کیا اسلام کو جدیدیت کو اپنا لینا چاہیے یا اپنے بنیادی اصولوں کی طرف رجوع کرنا چاہئے؟ دو ایسے مدارس کے درمیان جو اپنے قیام کے وقت جغرافیائی لحاظ سے چند میل کے فاصلہ پر تھے، دینی نظریات کی اس چپقلش کو اس دَور میں قابل اعتنا نہیں سمجھا گیا۔ لیکن اگلے 100 برس میں یہ معمولی دراڑ اسلام کو دو باہم برسر پیکار نظریات میں تقسیم کرنے والی ایسی صدا تھی جس کی بازگشت آج تک دنیا میں گونج رہی ہے۔ اس معمولی چپقلش کے ایک بحران کی صورت میں ظاہر ہونے سے پہلے مدرسہ دیوبند اور علی گڑھ یونیورسٹی کے بانی آزادیٔ ہندوستان کے مشترکہ مقصد میں شریک تھے اور تعلیمی رجحانات کے اختلاف کو نظر انداز کرتے ہوئے دونوں اداروں کے طلبہ اور عملہ بیسویں صدی کے ابتدائی دہائیوں میں برصغیر میں سامراجی حکومت کے خاتمہ کے لیے ہندوؤں کے ساتھ شامل تھے۔ لیکن قومیتی رجحانات اس کمزور اتحاد کی راہ میں حائل ہو گئے۔ ہندوستان جو مختلف ریاستوں کا ایک مجموعہ تھا اور مغل حکمرانوں کے تحت متحد ہو گیا تھا، برطانوی سامراج کے تحت تہذیبی اور مذہبی بنیادوں پر پارہ پارہ ہونے لگا۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد ایک ہر دلعزیز مسلمان شاعر اور مفکر نے جس کا نام محمد اقبال تھا، مستقبل کے آزاد ہندوستان میں مسلم اقلیت کی حیثیت کا سوال اٹھاتے ہوئے ایک اسلامی قومیتی نظریہ کی بنیاد رکھنا شروع کی۔

اقبال جنھیں کسی دور میں اپنی نظموں کی وجہ سے ہندو مسلم اتحاد کا پیامبر سمجھا جاتا تھا، یورپ میں وقوع پذیر ہونے والے یہودی انتشار عظیم (DIASPORA) کے انجام کے بارے میں اب انتہائی متفکر نظر آنے لگے، کیونکہ ''اقبال نے عیسائی

یورپ کی ثقافتی اکثریت میں یہودی وحدانیت کو پارہ پارہ ہوتے دیکھا تھا اور انہیں یہ پریشانی لاحق تھی کہ مسلمانوں کا بھی یہی انجام ہوگا ان کا خیال تھا کہ اگر مسلمانوں نے اپنی تہذیب کو ہندی قومیّت کی بھینٹ چڑھا دیا تو آہستہ آہستہ وہ اس میں جذب ہوتے ہوئے معدوم ہو جائیں گے۔'' یہ بات پاکستان کے ادارہ مقتدرہ قومی زبان کے چیئرمین اور اقبال کی سیاسی فکر پر لکھی گئی ایک کتاب کے ایڈیٹر فتح محمد صاحب نے بیان کی۔

اقبال نے آل انڈیا مسلم لیگ کے ایک حواس باختہ اجتماع کے سامنے 29 دسمبر 1930ء کو اس صورت حال کا یہ حل رکھا کہ شمال مغربی ہندوستان میں مسلم اکثریتی صوبوں پر مشتمل ایک آزاد ریاست ہو، ایک علیحدہ وطن جہاں مسلمانوں کا اپنا اقتدار ہو۔ اس تجویز کا ردعمل دھماکہ خیز تھا۔ اس وقت کا برطانوی وزیراعظم JAMES RAMSAY MacDONALD پکار اٹھا کہ متحدہ ہندوستان کے لیے 'ہماری تمام کاوشوں پر اقبال شاعر نے پانی پھیر دیا ہے' اگلے ہی روز TIMES OF LONDON کے اداریہ نے مشرق وسطیٰ، ایران، افغانستان اور روسی سلطنت کے سرحدی علاقوں پر مشتمل ایک متحدہ اسلامی ریاست کے منصوبہ کا چرچا کیا۔

(ٹائم میگزین 13 اگست 2007ء) (ترجمہ شہرام اقبال)

علامہ اقبال کی تجدیدی مساعی کا اعتراف جو دشمن کو ہوا اور مجددانہ شان، ضربِ کلیمی کے جو کرشمے ظاہر ہوئے جس کا اعتراف عالمی صہیونی سامراج بھی کرے ــــــ اللہ اکبر! لوٹنے کی جائے ہے۔ علامہ اقبال کی شاعری نے جس طرح 'ممولے کو شہباز' کے مدمقابل کھڑا کر دیا اور دو صدیوں کی غلامی میں پسی ہوئی قوم جو ہمہ قسم کے اندرونی اور بیرونی لحاظ سے زوال کی گہرائیوں یا پاتال میں تھی یکا یک ابھری کہ استعماری سامراج منہ تکتا رہ گیا۔ یہ تھے علامہ اقبال۔

باب 5

جنوبی ایشیا کے مسلمان
شاندار ماضی اور موجودہ زوال کا تقابل
اور مستقبل
اور
علامہ اقبال

- اقبال نے مسلمانوں کے زوال پر مرثیے کہے۔
- اقبال نے مسلمانوں کو اسلام کی عظمت رفتہ کا احساس دلایا اور اس کی بازیابی کے لیے اُبھارا اور حضرت محمد ﷺ کی رحمت للعالمینی، خلافت راشدہ کی درویش صفت حکمرانی اور جماعت صحابہ کی جانثاری فدویت کی مدح سرائی کی اور مسلمانوں میں جذبہ پیدا کیا۔
- خلافت کی بازیابی کی طرف بلایا اور تحریک خلافت میں مسلمانوں کا جذبہ دیکھ کر سوئی ہوئی غلام امت کا جذبہ ان کے دل میں اُمید کی ایک کرن بن کر چمکا کہ اس اُمت کو جگایا جاسکتا ہے۔
- طلوع اسلام نظم کے ذریعے اسلام کے شاندار مستقبل کی نوید سنائی۔ اسلام کے عالمی غلبے کی ابتداء کے طور پر ہند کے مسلمانوں کے لیے ایک وطن کی ضرورت کا احساس دلایا۔
- عصر حاضر میں مسلمانوں کی حکومت کا ابتدائی خاکہ خطبات میں پیش کیا۔
- 1930ء کے اِلٰہ آباد کے اجتماع کے خطبہ صدارت میں برطانوی سامراج کے دفع ہونے کی صورت میں مسلمانوں کے لیے علیحدہ وطن کی تجویز پیش کی۔ علامہ اقبال مسلمانوں کے لیے علیحدہ وطن کے بارے میں صد فی صد یقین رکھتے تھے کہ یہ بنے گا۔ علامہ اقبال اس نئے ملک کے عصر حاضر کے تقاضوں کو پورا کرنے میں لگے رہے۔
- اسرار خودی اور رموز بے خودی..... میں قرآن مجید کے تقاضوں، حکومت الٰہی، خلافت اور خودی کے اسرار بیان کیے۔ جدید ریاست کے خدوخال بیان کیے، درویشی کی حکمرانی کا تصور (فقر) مسلمانوں کے لیے توحید عملی کے تقاضے، سماجی سطح پر مساوات، معاشی سطح پر امانت کا تصور اور عدل اجتماعی، کفالت کا نظام اور سیاسی سطح پر مساوات، ووٹ کا حق، قانون سازی،
- نئی ریاست میں تعلیم کی اہمیت۔
- مسلمان ریاست کا دوسری ریاستوں سے فرق، تقسیم ہند کی بنیاد دو قومی نظریہ، مسلمان اور کافر دو الگ قومیں ہیں اور یہ کبھی برابری کی سطح پر اکٹھے نہیں رہ سکتے۔

- اسلامی ریاست کا صحیح تصور
- اُمت میں اسلامی ریاست کے دشمنوں کی پہچان پیدا کرنے کے لیے ابلیس کی مجلس شوریٰ کا نظم۔

یورپی اقوام کی بالادستی اور یورپی استعمار کی کل روئے ارضی پر غاصبانہ قبضہ منظّم تشدد کے ذریعے ممکن ہوا اب صنعتی ترقی کا مطلب یہ بھی تھا کہ دنیا بھر کے زمینی وسائل اور دیگر قدرتی وسائل پر قبضہ برقرار رہے تاکہ یورپ کی مشینوں کا پہیّہ چلتا رہے اور تیسری دنیا کی اقوام ان چیزوں کے خریدار بن کر مغرب کو خوشحالی سے ہمکنار رکھیں۔ اس عالمی قبضے کے دوام کے لیے مغرب نے کئی ہتھکنڈے استعمال کیے۔ دنیا بھر میں چھوٹے ممالک کا قیام اور ان کی حوصلہ افزائی۔ لسانی، جغرافیائی، قومی بنیادوں پر ریاستوں کا قیام پھر ان ریاستوں کو شتر بے مہار چھوڑنے کی بجائے قابو میں رکھنے کے لیے UNO کا قیام جس میں صہیونیت کے کنٹرول کے لیے عدل اور دیانت وامانت واخلاق کے اصولوں کے خلاف پانچ صہیونی ممالک کو ویٹو کا حق دے دیا تاکہ کوئی ملک سرتابی نہ کر سکے۔ UNO کے تحت معاہدے اور ورلڈ بنک (WB)، انٹرنیشنل مانٹری فنڈ (IMF)، ورلڈ ٹریڈ (WT)، صنعتی مصنوعات کا ایک عالمی معیار کا ادارہ، عالمی تجارت میں فیصلہ کن اختیار یہودیوں کے پاس، ہر سطح پر اپنا کنٹرول رکھنے کے لیے یونین سازی کی حوصلہ افزائی تاکہ ہڑتالیں، ناکہ بندی اور جس سطح اور جس چیز کا چاہیں DEADLOCK پیدا کر دیں۔ ٹرکوں کی ہڑتال اور پہیہ جام سے کسی ملک کو مفلوج کر دینا یا ہوائی جہازوں کے پائلٹوں کی ہڑتال کرا کے عالمی سطح سے تنہا کر دینا اب اس مافیا کا بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ منڈیوں اور کاروباری کمپنیوں کو کنٹرول کرنے کے لیے سٹاک ایکسچینج اور روزانہ کی بنیادوں پر ہر چیز کی قیمت کا فیصلہ۔ جس چیز کا چاہیں مصنوعی قلّت پیدا کر کے ریٹ بڑھا دیں اور جس چیز کے چاہیں ریٹ کم کرا دیں اور کسی ملک کی صنعت کو تباہ کر دیں یہ سارا ایک کھیل جو عالمی ماہرین ٹی وی سکرین پر کھیلتے ہیں۔ پھر معاشی سطح پر سود کا نظام، بنکوں کا معاملہ اور پیپر کرنسی سے قوتِ خرید اب کرنسی پر منحصر ہوئی اور اب E-BANKING اور E-CURRENCY یعنی بنک کریڈٹ کارڈز سے سارا کیش اور سٹاک عالمی اداروں اور بین الاقوامی بنکوں یا ملٹی نیشنلز کے پاس چلا گیا۔ بنک دیوالیہ ہونے سے اب

CUSTOMER کے پاس کریڈٹ کارڈ ہے اور کوئی گارنٹی یا نوٹ بھی نہیں۔

مغربی طاقتوں کا یہ کھیل جاری ہوا تھا کہ علامہ اقبال اس ساری کہانی کی شروعات دیکھ کر ایک عقل مند اور ذہین آدمی کی طرح مستقبل کا نقشہ بھانپ گئے تھے اور جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے محفوظ مستقبل کے لیے جمہوری دنیا میں ایک آزاد ریاست کے قیام کے امکان پر انھوں نے دل و جان سے کام کیا۔ جنوبی ایشیا میں یہ کام دیگر اقوامِ عالم اور جغرافیائی حالات سے بڑا مختلف اور TOUGH تھا۔ 1908ء میں یورپ سے واپسی پر انھوں نے کہا تھا:

؎ دیارِ مغرب کے رہنے والو! خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو، وہ اب زرِ کم عیار ہوگا
تمھاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا، ناپائدار ہو گا

برطانوی استعمار نے آ کر مسلمانوں سے پورے علاقے کی حکومت چھینی تھی۔ غیر مسلم اقوام کی سرپرستی کی، انھیں اُبھارا اور مسلمانوں کے خلاف کر دیا۔ مسلمانوں کو اقتصادی، سیاسی، عسکری، تعلیمی اور ثقافتی ہر سطح پر دبایا اور باقی اقوام کو اُٹھایا۔ ان حالات میں مستقبل میں کسی مسلمان ریاست کا خاکہ علامہ اقبال نے محسوس کیا اور قابلِ عمل نقشہ پیش کیا اور اس ریاست کے ممکنہ مسائل پر بھی خوب سوچا اور ان مسائل کے حل کے لیے اچھی اور فائدہ مند تجاویز دیں اور اس ریاست کے قیام کے لیے بھی بھرپور جدوجہد کا آغاز کیا۔ اس تحریک کے لیے مناسب قیادت کو ڈھونڈ کر آمادہ عمل کیا۔ یعنی قائداعظم کی مسحور کُن شخصیت کو ڈھونڈ کر مسلم لیگ کی صدارت پر فائز کرایا اور ان کی ہر طرح کی ذہن سازی کی کہ ان کی وفات کے باوصف قائداعظم نے نظریاتی سطح پر کبھی خلا محسوس نہیں ہونے دیا اس ہمالیہ جتنے اہم کام کے لیے عملاً انھوں نے عوامی سطح پر شاعری کے ذریعے لوگوں کو جگایا۔ اس ضمن میں ان کی شاعری کے ابتدائی ادوار کی تلوّن مزاجی (اور ہر طرح کے تجربات میں کود جانا جو جوانی کی عمر کا تقاضا ہوتا ہے کہ انسان سیکھ رہا ہوتا ہے) کو چھوڑ کر سنجیدگی کی بھرپور عمر 1910ء کے بعد سے ان کی زبان و دہن سے نکلا ہوا ہر لفظ (WRITTEN & SPOKEN) ان کے مشن کا رنگ لیے ہوئے ہے۔ بعض استثنا آت کے باوصف مجموعی طور پر ان کی زندگی ABOVE AVERAGE ہی ہے۔

علامہ اقبال کی شاعری کے ملّی مقاصد اور مسلمانوں کے لیے آزاد ریاست کے حصول کے لیے ان کے کلام سے اُمت مسلمہ کا شاندار ماضی، موجودہ زوال اور خلافت کے احیاء پر اشعار کا نمونہ درج ذیل ہے:

☆ مسلمانوں کے زوال پر مرثیے

تاریخ کسی اجتماعیت (قوم، معاشرہ، ملت، تہذیب) کے لیے ایسے ہی ہے جیسے انسان کے جسم میں یادداشت۔ یادداشت کھو دینے والا آدمی ایسا مریض ہوتا ہے کہ وہ زندہ ہو یا مردہ برابر ہے۔ تاریخ کے زور پر مردہ اور غلام قوموں کو بھی اپنے پاؤں پر کھڑا کیا جا سکتا ہے۔

ہسپانیہ میں مسلمانوں کے زوال پر فرمایا:

ہسپانیہ تو خونِ مسلماں کا امیں ہے
مانند حرم پاک ہے تو میری نظر میں
پوشیدہ تری خاک میں سجدوں کے نشاں ہیں
خاموش اذانیں ہیں تری بادِ سحر میں
روشن تھیں ستاروں کی طرح ان کی سنانیں
خیمے تھے کبھی جن کے ترے کوہ و کمر میں
پھر تیرے حسینوں کو ضرورت ہے حنا کی؟
باقی ہے ابھی رنگ مرے خونِ جگر میں!
کیونکر خس و خاشاک سے دب جائے مسلماں
مانا، وہ تب و تاب نہیں اس کے شرر میں!
غرناطہ بھی دیکھا مری آنکھوں نے، و لیکن
تسکینِ مسافر نہ سفر میں، نہ حضر میں!
دیکھا بھی دکھایا بھی، سنایا بھی سنا بھی
ہے دل کی تسلی نہ نظر میں، نہ خبر میں!
رو لے اب دل کھول کر اے دیدہ خونابہ بار
وہ نظر آتا ہے تہذیب حجازی کا مزار

واعظ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی　　برق طبعی نہ رہی، شعلہ مقالی نہ رہی
رہ گئی رسم اذاں، روحِ بلالی نہ رہی　　فلسفہ رہ گیا، تلقین غزالی نہ رہی
مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحب اوصاف حجازی نہ رہے

شور ہے، ہو گئے دنیا سے مسلماں نابود　　ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود؟
وضع میں تم ہو نصاریٰ، تو تمدن میں ہنود　　یہ مسلماں ہیں! جنھیں دیکھ کر شرمائیں یہود!
یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

ہر کوئی مست مئے ذوق تن آسانی ہے　　تم مسلماں ہو؟ یہ انداز مسلمانی ہے؟
حیدری فقر ہے، نے دولت عثمانی ہے　　تم کو اسلاف سے کیا نسبت روحانی ہے؟
وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

شاندار ماضی اور موجودہ زوال کا تقابل

صفحۂ دہر سے باطل کو مٹایا ہم نے　　نوعِ انساں کو غلامی سے چھڑایا ہم نے
تیرے کعبے کو جبینوں سے بسایا ہم نے　　تیرے قرآن کو سینوں سے لگایا ہم نے
پھر بھی ہم سے یہ گلا کہ وفادار نہیں
ہم وفادار نہیں ، تو بھی تو دلدار نہیں!

ہر مسلماں رگِ باطل کے لیے نشتر تھا　　اس کے آئینۂ ہستی میں عملِ جوہر تھا
جو بھروسا تھا اسے قوتِ بازو پر تھا　　ہے تمہیں موت کا ڈر، اس کو خدا کا ڈر تھا
باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر اَزبر ہو
پھر پسر قابل میراث پدر کیونکر ہو!

☆ خلافت کے احیاء کے لیے قوم کو اُبھارا

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

چشم اقوام سے مخفی ہے حقیقت تیری ہے ابھی محفل ہستی کو ضرورت تیری
زندہ رکھتی ہے زمانے کو حرارت تیری کوکب قسمت امکاں ہے خلافت تیری
وقت فرصت ہے کہاں، کام ابھی باقی ہے
نور توحید کا اتمام ابھی باقی ہے
عقل ہے تیری سپر، عشق ہے شمشیر تری مرے درویش! خلافت ہے جہانگیر تری
ماسوا اللہ کے لیے آگ ہے تکبیر تری تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری
کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

نظم طلوعِ اسلام

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہِ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
ولایت ، پادشاہی ، علم اشیا کی جہاں گیری
یہ سب کیا ہیں، فقط اک نکتہ ایماں کی تفسیریں
براہیمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے
ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنا لیتی ہے تصویریں
؎ مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفان مغرب نے
تلاطم ہائے دریا ہی سے ہے گوہر کی سیرابی
؎ عطا مومن کو پھر درگاہ حق سے ہونے والا ہے
شکوہ ترکمانی، ذہن ہندی، نطق اعرابی
؎ خدائے لم یزل کا دست قدرت تو، زباں تو ہے
یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوب گماں تو ہے

باب 6

علامہ اقبال اور مجوزہ اسلامی ریاست

چار مختلف مکمل استدلال

1 برطانوی استعمار کی واپسی کے بعد.....

2 حضرت محمد ﷺ کی رحمت للعالمینی کا تقاضا اور ختم نبوت کا عکس
اُمت مسلمہ کے ہاتھوں دوبارہ غلبہ اُسلام کا تقاضا

3 مشرق و مغرب میں عروج و زوال کے قانون کا تقاضا ____
مغرب کا زوال اور مشرق کا عروج

4 فکرِ انسانی کے ارتقاء کی منزل
تعلیماتِ مصطفےٰ ﷺ تک رسائی

جنوبی ایشیا کے مسلمانوں سے برطانوی سامراج نے اقتدار چھینا، ہندوؤں کو ساتھ ملایا غیر مسلم دیگر اقوام کو مراعات دیں اور اس طرح یہ تمام قوتیں (یہود + نصاریٰ + مشرکین) مسلمانوں کو دبا کر رکھنے میں کامیاب ہوگئیں۔ یہ غلامی بنگال میں 1753ء سے جاری تھی اور پنجاب میں سکھوں کا دور ہٹا کر دیکھیں تو 1849ء کے بعد دورِ غلامی شروع ہوا، اور اگر سکھوں کا عہد حکومت شامل کرلیں تو یہ غلامی بھی 1761ء کے بعد سے ہے۔ احمد شاہ ابدالی کی پانی پت کی تیسری لڑائی سے وطن واپسی کے وقت سے۔

ہر کمالِ را زوال کے مصداق غیر ملکی طاقت برطانوی صہیونی سامراج پر پہلی جنگ عظیم کے بعد زوال آ گیا اور امریکہ عالمی معاملات میں دخیل ہوگیا۔ لہٰذا وہ برطانیہ جس کی حکومت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔ وہی حکومت بھارت کی تقسیم پر رضامند ہوگئی۔

مسئلہ یہ تھا کہ برطانوی ہند کے رہائشی مسلمان ایک طرف تھے اور باقی غیر مسلم اقوام دوسری طرف تھیں۔ برطانوی سامراج جانے کی فکر میں تھا۔ مسئلے کی صورت حال یوں تھی اور امکانات یہ تھے۔

i ایک صورت یہ ممکن تھی کہ برطانوی سامراج نے مسلمانوں سے حکومت چھینی تھی لہٰذا ____ سامراج جاتے وقت جیسے کمپیوٹر کی کلک کو UNDO کر دیتے ہیں انگریزوں کو سارے حالات واقعات بھلا کر بات جہاں سے شروع ہوئی تھی وہیں جا کر ختم کر دینا چاہئے تھی کہ حکومت مسلمانوں کو 'حق بحق دار رسید' کے مصداق دے کر چلے جاتے۔ قرین انصاف یہی تھا اسی طرح مسلمان دوبارہ جنوبی ایشیا کے حکمران بن جاتے اور دنیا کی تاریخ ہی مختلف ہوتی۔

ii دوسرا اِمکان یہ تھا کہ برطانیہ یک طرفہ فیصلہ سنا دیتے اور ہندوؤں کو کل اختیار دے کر ملک چھوڑ جاتے۔ کشمیر کے قضیہ کی طرح پورے جنوبی ایشیا میں مسلمان لڑتے بھڑتے رہتے۔

iii تیسرا امکان یہ تھا کہ دو صدیوں میں حالات بدل چکے ہیں لہٰذا (جمہوری طریقے کے مطابق ریفرنڈم ہو ـــــ مسلم اکثریت کے علاقوں میں مسلمان الگ ملک بنالیں اور کافر الگ حکومت بنالیں۔ دونوں سلطنتوں کے درمیان مسائل چھوڑے جائیں کہ کشمیر کے قضیئے کی طرح دونوں ممالک لڑتے رہیں۔ سیاست شطرنج کی بساط ہے اور حکمران کٹھ پتلیاں ہے اور ڈوریں کہیں سے ہلتی رہیں اور عمل ہوتا رہے۔

اپنے کلام میں علامہ اقبال نے 4 مختلف زاویہ ہائے نگاہ کے استدلال سے مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ وطن کا مطالبہ کیا تھا۔ وہ چاروں باتیں یہ ہیں:

1

علامہ اقبال نے مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ الٰہ آباد میں 29 دسمبر 1930ء کو خطاب کرتے ہوئے واضح الفاظ میں اور تفصیل کے ساتھ مسلمانوں کی حیثیت کو واضح کیا۔ متحدہ قومیّت اور وطنیّت کی کامل نفی کی، جبکہ مسلم قومیّت کا اثبات اور فلسفیانہ انداز میں سوشیالوجی کے مسلمہ اُصولوں کے تحت مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ وطن کی تجویز پیش کی۔ اس وقت یہ بات ایک پیشین گوئی کے درجے کی تھی۔

علامہ اقبال نے فرمایا:

"I WOULD LIKE TO SEE THE PUNJAB, THE NORTH-WEST FRONTIER PROVINCE, SINDH AND BALUCHISTAN AMALGAMATED INTO A SINGLE STATE. SELF-GOVERNMENT WITHIN THE BRITISH EMPIRE OR WITHOUT THE BRITISH EMPIRE, THE FORMATION OF A CONSOLIDATED NORTH WEST-INDIAN MUSLIM STATE APPEARS TO ME TO BE THE FINAL DESTINY OF THE MUSLIMS, AT LEAST OF NORTH-WEST INDIA."

''میں پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان کو متحد ہو کر ایک واحد ریاست کی شکل میں دیکھنا چاہتا ہوں، جس کی اپنی حکومت ہو خواہ سلطنت برطانیہ کے تحت یا اس سے

الگ۔ اور مجھے نظر آ رہا ہے کہ یہ متحدہ شمال مغربی مسلم ریاست کم از کم شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے تقدیر مبرم ہے''۔

آپ نے مزید فرمایا:

"I THEREFORE DEMAND THE FORMATION OF A CONSOLIDATED MUSLIM STATE IN THE BEST INTERESTS OF INDIA AND ISLAM."

''لہٰذا میں ہندوستان اور اسلام کے بہترین مفاد میں ایک الگ مسلم ریاست کے بنانے کا مطالبہ کرتا ہوں''۔

آپ نے بات کو مدلّل انداز میں پیش کر کے فرمایا:

"FOR ISLAM (IT WILL BE) AN OPPORTUNITY TO RID ITSELF OF THE STAMP THAT ARABIAN IMPERIALISM WAS FORCED TO GIVE IT, TO MOBILIZE ITS LAWS, ITS EDUCATION, ITS CULTURE AND TO BRING THEM INTO CLOSER CONTACT WITH ITS OWN ORIGINAL SPIRIT AND WITH THE SPIRIT OF THE MODERN TIMES."

''اسلام کے لیے یہ ایک موقع ہوگا کہ عرب ملوکیت کے تحت اس پر جو پردے پڑ گئے تھے ان سے چھٹکارا حاصل کر سکے اور اپنے قوانین، تعلیمات اور ثقافت کو اپنی اصل رُوح کے ساتھ روحِ عصر سے ہم آہنگ کر سکے''۔

دورِ جدید میں ایک مسلم ریاست کی نقشہ کشی کرنے والے ایک نقشبند کی حیثیت سے علامہ اقبال کی یہ باتیں منفرد ہیں۔ الگ الگ باتیں تو بہت سے دیگر اکابرین اور اہل علم نے کہی تھیں۔ مگر مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں صدر کی حیثیت سے گفتگو میں اس بات کا آنا بہت اہم تھا۔ چنانچہ اس خطاب کی حیثیت آج بھی اور آئندہ بھی مسلمہ دستاویز کی رہے گی۔

2۔ ختم نبوت کا تقاضا

بیسویں صدی میں وطن سے محروم جنوبی ایشیا کی مسلم اقلیت اس وقت 10 کروڑ افراد

پر مشتمل تھی مگر غلام اِبن غلام تھی۔ علامہ اقبال نے اس مسلم قوم کو ہندو قوم سے الگ کر کے دکھایا۔ خطبہ اِلٰہ آباد میں اوپر درج احادیث کے الفاظ سے استدلال کرتے ہوئے علامہ اقبال نے خلافت راشدہ کا تذکرہ فرمایا، دورِ بنواُمیہ کا ذکر کیا۔ اور پانچ ادوار والی حدیث جو حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اُس میں وارد الفاظ "مُلکًا جَبریًّا" ـــــ کہ یہ دور غلامی بھی گزر جانا ہے اور اس کے بعد مستقبل میں اسلام کا نظامِ خلافت دوبارہ آئے گا۔ اس بات کا ذکر قرآن مجید کے اوپر درج حوالوں میں بھی آیا ہے۔ گویا علامہ اقبال کے فکر میں مسلمانانِ ہند کے لئے علیحدہ وطن کوئی علیحدہ علاقائی اور ISOLATED مسئلہ نہیں تھا بلکہ مسئلہ اُمت مسلمہ کے مجموعی تاریخی تسلسل کا حصہ تھا اور اس حیثیت سے اُمت مسلمہ کو اپنا فرض منصبی ادا کرنے کے لیے زندہ رہنا تھا اور اسلام کے موجودہ زوال کے بعد ایک دور عروج آنے والا تھا۔ علامہ اقبال نے فرمایا:

آسمان ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہوجائے گی
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہوجائے گی
شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے

اس آنے والے دور میں اسلام کی حکومت ـــــ خلافت راشدہ کا عکس، درویشی کی حکومت اور خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کی شان کے ساتھ ہوگی اور اب یہ حکومت کسی ایک علاقے یا براعظم تک محدود نہیں ہوگی بلکہ پھیلتے پھیلتے کل رُوئے ارضی پر محیط ہوجائے گی۔ جسے جوابِ شکوہ میں فرمایا: ع مرے درویش خلافت ہے جہاں گیر تیری

اور اس کے قیام کے لیے ہر مسلمان کو اپنا فرضِ منصبی نبھانا ہے۔ علامہ اقبال کی مجددانہ شان یہی ہے کہ ان کا کلام یا ان کا بیان کسی سیاسی لیڈر کا بیان نہیں تھا بلکہ علامہ نے مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ وطن کی جدوجہد کو 'دینی جدوجہد' اور توحید کی اشاعت کی جدوجہد قرار دیا ہے اور اس ملک کے قیام کے لئے جس انتھک محنت کی ضرورت ہے اس کا تذکرہ قرآن مجید کے حوالے سے کیا ہے۔ یہ

بات علامہ نے 1913ء میں جوابِ شکوہ میں فرمائی۔ گویا علامہ اقبال کی فکری اُٹھان کوئی وقتی سانحہ یا وقوعہ کی بنیاد پر نہیں بلکہ قرآن وحدیث کے ٹھوس دلال پر مبنی تھی۔ فرماتے ہیں:

وقت فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اِتمام ابھی باقی ہے

گویا جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے لیے ایک خطہ زمین محض بنگلے اور کوٹھیاں، کارخانے اور فارم ہاؤسز، سڑکیں اور ہوائی اڈے بنانے کے لئے نہیں بلکہ ہمیں یہ خطۂ زمین حضرت محمد ﷺ کی ختم نبوت اور ختم رسالت کے نتیجے میں قرآن وحدیث کی تعلیمات کے عملی ابلاغ اور ایک ریاستی ماڈل کے ساتھ ایک چلتے ہوئے نظام کے ساتھ ایک زندہ مثال کے طور پر دنیا کے سامنے رکھنے کے لئے چاہئے۔ خطبہ الٰہ آباد کے الفاظ تھے جو اوپر درج ہوئے کہ

"FOR ISLAM (IT WILL BE) AN OPPORTUNITY TO RID ITSELF OF THE STAMP THAT ARABIAN IMPERIALISM WAS FORCED TO GIVE IT, TO MOBILIZE ITS LAWS, ITS EDUCATION, ITS CULTURE AND TO BRING THEM INTO CLOSER CONTACT WITH ITS OWN ORIGINAL SPIRIT AND WITH THE SPIRIT OF THE MODERN TIMES."

''اسلام کے لیے یہ ایک موقع ہوگا کہ عرب ملوکیت کے تحت اس پر جو پردے پڑ گئے تھے ان سے چھٹکارا حاصل کر سکے اور اپنے قوانین، تعلیمات اور ثقافت کو اپنی اصل رُوح کے ساتھ روحِ عصر سے ہم آہنگ کر سکے''۔

3

علامہ اقبال نے جنوبی ایشیا کے مظلوم ومقہور اور مجبور مسلمان قوم کے لئے جو ایک صہیونی استعمار کے انتقام کی سزا بھگت رہی تھی اور اس مسلمان قوم کو گذشتہ چار صدیوں کے احیائی عمل کے نتیجے میں اب آزادی ان کا مقدّر ہو چکی تھی بلکہ ان کے مقدر کا ستارہ طلوع ہو چکا تھا۔

علامہ اقبال نے عصر حاضر میں قرآن مجید کے بعض غامض اور پیچیدہ مقامات کی عام فہم تشریح کی ہے وہ تشریح مسلمانوں کے اجتماعی ضمیر نے ایسے محسوس کی جیسے یہ بھی میرے دل میں

تھی، یا جیسے انسان کو کسی اشارے سے کوئی بھولی بسری یاد لاشعور سے شعور کی سطح پر آجائے۔ ان مقامات میں ایک وہ بحث بھی ہے کہ قرآن مجید نے فرمایا:

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ (الحجر:15-09)

''بے شک یہ (کتاب) نصیحت ہم ہی نے اُتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں''۔

اقبال فرماتے ہیں کہیں ممکن ہے کہ ایسا ہو جائے کہ ساقی کے بغیر محفل میں جام چل رہے ہوں۔ مسلمان کا مقصدِ حیات یہی ہے۔

ہم تو جیتے ہیں کہ دنیا میں تیرا نام رہے
کہیں ممکن ہے کہ ساقی نہ رہے جام رہے

یعنی قرآن مجید کی حفاظت دراصل امت مسلمہ کے ایک بڑے مؤثر حصّے کی حفاظت ہے اس لئے کہ قرآن مجید کی تعلیمات کو اگر 'جام' سے تشبیہ دی جائے تو امت مسلمہ کی حیثیت 'ساقی' کی ہے اور عام مشاہدہ ہے کہ کہیں ممکن ہے کہ ساقی تو موجود نہ ہو اور 'جام' لُٹ رہے ہوں اور لوگ اس سے لطف اندوز ہو رہے ہوں۔ گویا ـــــ اُمت مرحوم کے سارے اس وقت کے مسائل کے ختم ہونے کی نوید ہے اور بہتر مستقبل کی طرف اشارہ بھی۔ علامہ اقبال نے یہی مضمون اسرار و رموز میں یوں بیان فرمایا ہے:

اُمتِ مسلم ز آیاتِ خدا ست　　اصلش از ہنگامۂ قَالُوۡا بَلٰی ست
از اجل ایں قوم بے پرواستے　　استوار از نَحۡنُ نَزَّلۡنَا ستے

بیسویں صدی میں تنسیخ خلافت اور عظیم عثمانی سلطنت کے حصے بخرے ہونے کے پس منظر میں اسلام کے اعداء اور دشمن قوتیں (یہود و نصاریٰ اور مشرکین) اگرچہ اسی میں مصروف ہیں کہ وہ 'نورِ توحید' اور نورِ توحید کی حامل قوم مسلمانوں کو ختم کر دیں مگر ایسا ہو نہیں سکتا۔

ذکر قائم از قیامِ ذاکر است　　از دوامِ او دوامِ ذاکر است
تا خدا اَنۡ یُّطۡفِـُٔوۡا فرمودہ است　　از فسردن ایں چراغ آسودہ است

چونکہ اللہ تعالیٰ نے دشمنانِ اسلام کی سازشوں سے اسلام کو مٹانے کی خواہش کا ذکر کر کے فرمایا کہ یہ کبھی ممکن نہیں ہوگا تو اس کا صاف مطلب ہے کہ جب یہ چراغ نہیں بجھے گا تو

اُمت مسلمہ بھی کبھی ختم نہیں ہوگی۔ یہ وہ احساسات تھے جو اُمت مسلمہ کے نوجوانوں کے دلوں کے تاروں کو چھیڑتے تھے اور انہیں مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ وطن کے حصول کے لیے صف بستہ کر دیتے تھے اسی جذبے نے علی گڑھ کے زیر اثر آنے والی چار دہائیوں کے طلباء کو متاثر کیا اور ان کے ذہنوں سے مغربی افکار کو دھویا، مغرب کی مرعوبیت کے زنگ کو اتارا اور مسلمانوں کے شاندار مستقبل کے معمار اور محمد ﷺ کے ایک سپاہی کے طور پر میدان میں لا کھڑا کیا۔

علامہ اقبال نے شکوہ اور جوابِ شکوہ میں اسی کیفیت کا موازنہ کیا کہ 1910ء سے پہلے غلامی کے اندھیروں میں ڈوبی مسلمان اُمت اس حال میں تھی اور 1940ء کی دہائی میں کیسا انقلاب آ گیا۔

پہلے

کیوں مسلمانوں میں ہے دولتِ دنیا نایاب
تیری قدرت تو ہے وہ جس کی نہ حد ہے نہ حساب
طعنِ اغیار ہے ، رسوائی ہے ، ناداری ہے
کیا تیرے نام پہ مرنے کا عوض خواری ہے؟
لطف مرنے میں ہے باقی نہ مزا جینے میں
کچھ مزا ہے تو یہی خونِ جگر پینے میں

اور بعد میں

کشتی حق کا زمانے میں سہارا تو ہے
عصر نو رات ہے، دھندلا سا ستارا تو ہے
ہے جو ہنگامہ بپا یورشِ بلغاری کا
غافلوں کے لیے پیغام ہے بیداری کا
تو سمجھتا ہے یہ ساماں سے دل آزاری کا
امتحاں ہے ترے ایثار کا، خود داری کا
قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمد ﷺ سے اُجالا کر دے

گویا امت مسلمہ کے گزشتہ دنوں کی مشکلات اب ختم ہو رہی ہیں جیسے شکوہ میں صرف

دعائیہ الفاظ کے ذریعے ظاہر کیا گیا تھا۔

مشکلیں اُمتِ مرحوم کی آساں کر دے
مور بے مایہ کو ہمدوشِ ثریّا کردے
جنس نایاب محبت کو پھر ارزاں کر دے
ہند کے دِیر نشینوں کو مسلماں کر دے

یہ مشکلات اب 1930 کے علیحدہ وطن کے تصور سے کافور ہونے والی تھیں

اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں ترے دور کا آغاز ہے
عطا مومن کو پھر درگاہِ حق سے ہونے والا ہے
شکوہِ ترکمانی، ذہنِ ہندی، نطق اعرابی
سبق پڑھ پھر صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی اِمامت کا

گویا ـــــ بفحوائے الفاظِ قرآن مجید اسلام کی عظمت کا وہ منظر دوبارہ نگاہوں کے سامنے آنے والا تھا۔ عالمی برطانوی صہیونی سامراج اور یہود و نصاریٰ و مشرکین کے گٹھ جوڑ نے فرعون، ہامان اور قارون کے گٹھ جوڑ کی طرح مسلمانوں کو کمزور کر دیا تھا اب اس غلام قوم کے اٹھنے کا وقت آ رہا ہے۔

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا

فرعون نے ملک میں سر اٹھا رکھا تھا اور وہاں کے باشندوں کو گروہ گروہ بنا رکھا تھا

يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَ هُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَ هُمْ

ان میں سے ایک گروہ کو (یہاں تک) کمزور کر دیا تھا
کہ ان کے بیٹوں کو ذبح کر ڈالتا اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا،

اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ O

بے شک وہ مفسدوں میں سے تھا

وَ نُرِیۡدُ اَنۡ نَّمُنَّ عَلَی الَّذِیۡنَ اسۡتُضۡعِفُوۡا فِی الۡاَرۡضِ وَنَجۡعَلَهُمۡ اَئِمَّةً وَّ نَجۡعَلَهُمُ الۡوٰرِثِیۡنَ O

اور ہم چاہتے تھے کہ جو لوگ ملک میں کمزور کر دیے گئے ہیں اُن پر احسان کریں اور ان کو پیشوا بنائیں اور انہیں (ملک کا) وارث کریں

اور اب مشیت الٰہی ہی تھی جیسے خطبہ الہ آباد میں الفاظ ہیں IT IS DESTINY.....کہ

وَنُمَكِّنَ لَهُمۡ فِی الۡاَرۡضِ وَنُرِیَ فِرۡعَوۡنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوۡدَهُمَا مِنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا یَحۡذَرُوۡنَO (القصص 04:28)

اور ملک میں ان کو قدرت دیں اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر کو وہ چیز دکھا دیں جس سے وہ ڈرتے تھے

4

جنوبی ایشیا کی غلام قوم جو عالمی برطانوی سامراج کے مظالم کا شکار تھی (تفصیلات کے لیے دیکھیں خودنوشت سوانح حیات حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ) اس کے لیے علیحدہ وطن کی ضرورت اصلاً اور اوّلاً برطانوی سامراج کے آنے سے جو حالات بگڑے تھے، اس سامراج کے اب اپنے گھر کا راستہ پکڑنے کا وقت آ رہا تھا تو ممکنہ قابل عمل حل جو سب فریقوں کے لیے قابل قبول تھا وہ یہی تھا کہ مسلم اکثریت کے علاقوں پر مشتمل مسلم ریاست اور ہندو اکثریت کے علاقوں پر ہندو ریاست کا قیام عمل میں آ جائے۔ ثانیاً یہ تقاضا ان آیات واحادیث کا تھا جس میں مسلم اُمت کی ذمہ داریاں بتائی گی ہیں اور حدیث میں مسلم امت کے مختلف ادوار میں جاری دور مُلکًا جبریًّا ـــــ غلامی کا دور تھا جو جس کا باب اب ختم ہو رہا تھا۔ لہٰذا اب خلافت علی منہاج النبوۃ کے لیے مسلمانوں کو ایک علاقہ (TERRITORY) درکار تھی اس لیے علیحدہ وطن کا مطالبہ ضروری تھا۔

ثالثاً عالمی برطانوی صہیونی سامراج واستعمار نے مسلمانوں کو اسی طرح دبا رکھا تھا جسے کبھی بنی اسرائیل کو قارون، ہامان اور فرعون کے گٹھ جوڑ نے دبا رکھا تھا۔ یہ قانونِ قدرت ہے کہ ہر کمالے را زوال کہ اب فرعون وقت کا زوال آ رہا تھا۔ تو اس کا تقاضا تھا

کہ ہم غلام قوم اٹھائیں اور اس غلام قوم کو فرعون کے تخت پر بٹھا دیں۔ اسی طرح برطانوی سامراج واستعمار کے زوال پر مسلمانوں کے اٹھنے کے لیے علیحدہ وطن درکار ہے جو مطالبہ کیا گیا تا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اٹھا کر برطانوی سامراج (اور جس کی جگہ بعد میں امریکی سامراج نے لے لی) کی جگہ بٹھا دے۔

.....اور رابعاً اس وطن کا مطالبہ اس نقطہ نظر سے بھی ضروری تھا کہ دنیا میں مسلمانوں کے زوال کے بعد مغرب نے جو چھ صدیاں گذاری ہیں ان کے پاس کوئی ہدایت، رہنمائی اور نظریہ نہیں تھا (کوئی نظریہ یا ہدایت تھی بھی تو انہوں نے چرچ اور ریاست کو علیحدہ کر کے اس ہدایت کو غیر مؤثر کر کے طاق نسیاں پر رکھ دیا تھا۔ اور عملاً دنیا کی اجتماعی زندگی (یا ریاستیں) تجربات کی زد میں تھیں اور HIT & TRIAL کے اصول پر نئے نئے تجربات اور نظریات (جو دراصل یونانی پرانے فلسفے نئے عنوانات اور ناموں سے پیش کر کے دنیا کو مصروف رکھا جا رہا تھا) کے ذریعے کسی نتیجے تک پہنچنے کی کوشش تھی۔ یہ سفر ایک SOFT REVOLUTION کے ذریعے سست رفتاری چل رہا تھا اور دنیا خواہی نخواہی اپنے فطری ٹریک پر آ رہی تھی۔ اب مغربی برطانوی سامراج کے زوال پر یہ موقع آ رہا تھا کہ مسلمانوں کو موقع دیا جائے کہ وہ آسمانی ہدایت کا چراغ روشن کر دیں اور دنیا کے اندھیروں کو کافور کر کے سسکتی انسانیت کو سکون واطمینان مہیا کریں۔ علامہ اقبال نے اس عمل کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے

ہر کجا بینی جہاں رنگ و بو　　زاں کہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نورِ مصطفیٰ ﷺ او را بہا ست　　یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ ﷺ است

ترجمانی: دنیا میں کہیں کوئی انسان دوست، اخلاق دوست، علم دوست رویے نظر آتے ہیں جو انسانیت کی بہبود کی امنگ پیدا کرتے ہیں وہ رویے یا تو حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات سے ماخوذ ہیں یا ابھی ناقص تجربات سے گزر کر تعلیماتِ محمدی ﷺ تک پہنچنے کی کوشش میں ہیں۔

علامہ اقبال کے نزدیک دنیا نے جمہوریت کا تجربہ کر کے دیکھ لیا۔ مارکس کے نظریات کو آزما کر دیکھ لیا، جاگیرداری، غیر حاضر زمینداری، سود، جواء، سٹہ، بے حیائی، عریانیت، سیکولرازم، لبرل ازم، بت پرستی، خود پرستی، جنسی بے راہ روی کے مختلف انداز بھی دیکھ لیے ـــــ

اور انسانیت کو ابھی تک کوئی سکون و اطمینان نہیں ملا۔ بے روزگاری، عریانیت، خودکشیاں، گھریلو زندگی سے فرار اور آزاد منش زندگی سے انسانیت کو محفوظ نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا ـــــ مسلمانوں کو ایک علیحدہ وطن دیا جائے وہ اس ملک میں اسلام کے اصول حریت و عدل و مساوات پر عمل کر کے دنیا کو ایک نمونہ دکھا سکیں جس میں کوئی بھوکا نہ سوئے، ہر کسی کو انصاف ملے، کوئی بھیک مانگنے والا نہ ہو نیز روٹی، کپڑا، مکان، تعلیم اور علاج معالجہ ہر شہری کے لیے ریاست کی ذمہ داری ہو۔ چاہے شہری مسلم ہو یا غیر مسلم، عورت ہو یا مرد، کالا ہو یا گورا، بوڑھا ہو یا جوان، کسی قومیت کا ہو، کوئی زبان بولتا ہو، بطور انسان اسلامی ریاست اس کی کفیل ہوگی۔

علامہ اقبال کے الفاظ تھے کہ اگر ہمیں ایسا علاقہ مل گیا تو ہمارے لیے ممکن ہوگا کہ ہم اسلام کی تاریخ میں جاگیرداری اور سرمایہ داری کے جو پردے پڑ گئے ہیں ان کو ہٹا کر اسلام کا حقیقی چہرہ اور حقیقی تعلیمات (LIVE MODEL) انسانیت کو دکھا سکیں۔

اس لحاظ سے بھی علامہ اقبال نے مسلمانوں کے لیے علیحدہ وطن کا مطالبہ کیا۔ یہ چاروں اطراف (DIMENSIONS) علامہ اقبال کے ایک مسلم ریاست کے تصور کا حصہ تھے۔

باب 7

علامہ اقبال کے خواب
اوران کی تعبیر

☆ اسلامی نظریاتی ریاست کا قیام

علامہ اقبال اپنے عہد کے ظروف واحوال، تاریخی بہاؤ اور بیسویں صدی میں اس کا عالمی تناظر بخوبی جانتے تھے اور اس مقام پر انسانیت کے مستقبل کے امکانات سے بھی بے خبر نہیں تھے اور اپنی حیثیت کو بھی خوب پہچانتے تھے۔ وہ ایک VISIONARY تھے جو مستقبل میں ہم عصروں کے مقابلے میں دُور تک دیکھتا ہے۔ وہ اپنی زندگی میں ایک مشن رکھتے تھے اور اعلیٰ تعلیم یافتہ، بیرسٹرایٹ لاء ہونے کے باوصف، دولت کمانے اور سمیٹنے کی بجائے ساری زندگی اپنے خداداد مشن کی تکمیل میں تمام دن اور تمام راتیں ایک کر دیں۔ اس باب میں ہم اُن کا مقام، ان کا مشن اور اس مشن کی تکمیل کے تقاضوں کی طرف توجہ دلائیں۔

انھوں نے ایک سوئی ہوئی قوم کو جگایا اور ایک زندہ متحرک فعال قوم بنا دیا۔ پہلی کیفیت

غم پنہاں کہ بے گفتن عیان است
چو آید بر زباں یک داستان است
رہے پُر پیچ و راہی خستہ و زار
چراغش مردہ و شب درمیان است

جوابِ شکوہ (1913ء) میں یوں بیان ہوئی ہے:

جن کو آتا نہیں دنیا میں کوئی فن، تم ہو نہیں جس قوم کو پروائے نشیمن، تم ہو
بجلیاں جس میں ہوں آسودہ وہ خرمن، تم ہو بیچ کھاتے ہیں جو اسلاف کے مدفن، تم ہو
ہو نکو نام جو قبروں کی تجارت کر کے
کیا نہ بیچو گے جو مل جائیں صنم پتھر کے؟
مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحب اوصاف حجازی نہ رہے

؎ وضع میں تم ہو نصاریٰ، تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں! جنھیں دیکھ کر شرمائیں یہود!

؎ یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

ہر کوئی مست مئے ذوق تن آسانی ہے تم مسلماں ہو؟ یہ انداز مسلمانی ہے؟
حیدری فقر ہے، نے دولت عثمانی ہے تم کو اسلاف سے کیا نسبت روحانی ہے؟

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

☆ دوسری کیفیت یہ کہ 1923ء میں تحریک خلافت کا عروج دیکھ کر جس میں مسلمانوں نے بے پناہ جذبہ دکھایا اور قربانیاں دیں، فرمایا

؎ ہوئے احرارِ ملت جادہ پیما کس تجمّل سے
تماشائی شگاف در سے ہیں صدیوں کے زندانی

؎ جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا
تو کر لیتا ہے یہ بال و پر روح الامیں پیدا

؎ کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

☆ سوئی ہوئی مسلمان قوم کو جگانے کے لیے کیا چیز درکار ہے؟ فرمایا

؎ یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

چہ باید مرد را طبع بلندے ، مشرب نابے
دل گرمے ، نگاہ پاک بینے ، جان بیتابے

؎ مصاف زندگی میں سیرتِ فولاد پیدا کر
شبستانِ محبت میں حریر و پرنیاں ہو جا

☆ جب قوم اٹھ کھڑی ہوئی جوش اور جذبہ پیدا ہو گیا تو کام کیا کرنا ہے؟ رہنمائی بخشی کہ کرنا کیا ہے؟ فرمایا

بیا تا کارِ ایں اُمت بسازیم
قمار زندگی مردانہ بازیم!
چناں نالیم اندر مسجد شہر
کہ دل در سینۂ مُلّا گدازیم!

(امت مسلمہ اور ملت کا درد رکھنے والو!) آؤ کہ اس اُمت (کی بھلائی اور بیداری) کے لیے کام کریں اور جواں مردوں کی طرح (اس کام میں) سب کچھ جھونک دیں (تاکہ اللہ آخرت میں ہمیں سرخرو کردے) ہم مسلمانوں کے عوام وخواص کے سامنے یوں نالہ وفریاد کریں کہ مسلمان اہل علم کا دل نرم کردیں (کہ وہ بھی اس کام میں لگ جائیں)

اسلامی نظریاتی ریاست کا قیام

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ مسلمانوں کے لیے علیحدہ وطن کے خواہشمند تھے اور اس خطۂ زمین کو دورِ حاضر کی ایک اسلامی ریاست بنانا چاہیے تھے۔ انسانیت کو حریت واخوت ومساوات کی اقدار کی جتنی آج ضرورت ہے نہ ان اقدار کا شدید فقدان پہلے کبھی تھا اور نہ ضرورت۔ اس کا علاج ایک ہی ہے کہ موجودہ صورت حال کو تبدیل کردیا جائے یعنی انقلاب لایا جائے۔ مغرب میں 'سود'، انسانی محرومیوں کی سب سے بڑی وجہ ہے ظلم وناانصافی اسی کا نتیجہ ہے

ظاہر میں تجارت ہے، حقیقت میں جوا ہے
سود ایک کا لاکھوں کے لیے مرگِ مفاجات
یہ علم، یہ حکمت، یہ تدبُّر، یہ حکومت
پیتے ہیں لہو، دیتے ہیں تعلیم مساوات
بے کاری و عریانی و مے خواری و افلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کے فتوحات

اس صورت میں علامہ اقبال نے اللہ تعالیٰ سے ایک مکالمہ بیان کیا ہے

گفتند آیا کہ جہانِ ما بتو سازد گفتم کہ نمی سازد گفتند کہ برہم زن

انھوں نے فرمایا کہ اے اقبال! تجھے میرا جہاں پسند آیا۔ عرض کیا کہ ہرگز نہیں۔ فرمایا کہ اس نظام کو تہس نہس کردو (فَکُّ کُلِّ نِظَام)

؎ کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ؟
دنیا ہے تری منتظر روزِ مکافات

اللہ تعالیٰ کیا چاہتے تھے

با نشۂ درویشی درساز و دمادم زن
چوں پختہ شوی خود را بر سلطنت جم زن

پہلے درویشی اختیار کر کے اس انقلاب کے جذبہ کا نشہ اپنے اندر اتارو اور جب یہ نشہ پختہ ہو جائے اور ایک حزبُ اللہ بن جائے تو اس کو ظالمانہ نظام سے ٹکرا دو۔

☆ اسلامی نظریاتی ریاست کے لیے علامہ اقبال نے، اس ریاست کے نظریہ کے طور پر نظریۂ خودی بیان کیا۔ رہنمائی کے لیے قرآن مجید کو مضبوطی سے پکڑنے کو کہا:

؎ صد جہانِ تازہ در آیاتِ او ست
عصرہا پیچیدہ در آیاتِ او ست

؎ چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود
جاں چوں دیگر شد جہاں دیگر شود

اور اس ریاست کے عملی قیام ـــــ یعنی قیامِ پاکستان پر ایک مدوّن قانونی نظام کی ضرورت کا احساس فرمایا اور اس کی تشکیل کے لیے مصر اور اندرونِ ملک رابطے کیے مگر پیش رفت نہ ہو سکی۔ آخر کار مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کو حیدرآباد دکن سے پنجاب آنے کی دعوت دی تا کہ یہ کام ہو سکے مگر آپ کی وفات ہوگئی اور اس کام کا آغاز بھی نہ ہو سکا۔

اسلامی نظریاتی ریاست کے خدوخال کو مثبت طور پر بھی ذکر فرمایا اور منفی طور پر بھی کہ یہ اسلامی ریاست نہیں ہے۔ سب سے زیادہ مؤثر انداز میں 'ابلیس کی مجلس شوریٰ' میں بیان ہوئے ہیں۔ ابلیس کی زبان سے منفی انداز میں ان باتوں کا تذکرہ ہوا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام

اور اسلامی ریاست کے خدوخال یہی ہیں، یہ باتیں پوری نہ ہوں تو ریاست اسلامی ریاست کہلانے کی مستحق نہیں۔ابلیس نے کہا:

جانتا ہوں میں یہ اُمت حامل قرآں نہیں
ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دیں
جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری رات میں
بے یدِ بیضا ہے پیرانِ حرم کی آستیں
عصر حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبر کہیں
الحذر! آئین پیغمبر سے سو بار الحذر
حافظ ناموسِ زن، مرد آزما، مرد آفریں
موت کا پیغام ہر نوع غلامی کے لیے
نے کوئی فغفور و خاقاں، نے فقیر رہ نشیں
کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک صاف
منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں
اس سے بڑھ کر اور کیا فکر وعمل کا انقلاب
پادشاہوں کی نہیں، اللہ کی ہے یہ زمیں!
چشم عالم سے رہے پوشیدہ یہ آئیں تو خوب
یہ غنیمت ہے کہ خود مومن ہے محرومِ یقیں
ہے یہی بہتر الٰہیات میں اُلجھا رہے
یہ کتاب اللہ کی تاویلات میں اُلجھا رہے

ملکیت کی بجائے امانت کا تصور۔ سیاسی سطح پر مساواتِ انسانی۔ اللہ کی حاکمیّت اور قرآن وسنت کی بالادستی۔انسانوں کی حاکمیّت کی بجائے خلافت کا تصور۔

گویا اسلام کا سماجی نظام پردہ، مردوں اور عورتوں کے علیحدہ میدانِ عمل میں سرگرم ہونے، اقتصادی نظام میں کمائی کے حرام طریقے سود، جواء، سٹہ، چوری، ڈاکہ، رشوت، ناجائز

منافع خوری بند کرنے اور سیاسی سطح پر عوامی حاکمیّت کی بجائے اللہ تعالیٰ کی حاکمیّت اور انسانوں کی خلافت کا تصور ہے اور قانون دینے والا اللہ ہے اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ قرآن و حدیث کی اطاعت ہے اور یہی اسلامی ریاست کا مطلب ہے۔

☆ علامہ اقبال نے اسلامی نظریاتی ریاست کے قیام کے لیے ایک جماعت بنانے کی کوشش فرمائی تھی وہ کامیاب نہ ہوسکی۔ (اس کوشش کی روداد 'علامہ اقبال کی آخری خواہش' کے نام سے مطبوعہ میں موجود ہے) اس لیے کہ برطانوی استعمار کے غلبہ کے دور میں اس کی ناک کے نیچے ـــــ علامہ اقبال جیسی قدر آور شخصیت کا جماعت بنانا ـــــ برطانوی استعمار کو چیلنج کرنے والی بات تھی۔ اسی لیے علامہ اقبال کے گرد حکومتی خفیہ اہلکاروں کا جمگھٹا رہتا تھا۔ اسی لیے ابلیس کی مجلس شوریٰ میں ان رکاوٹوں کا ذکر ابلیسی کے پروگرام کے طور پر ابلیس کی زبانی آیا ہے۔ کیا خوب ایجنڈا ہے ابلیس کا جو آج بھی جاری ہے۔ ابلیس کے بقول

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس اُمت سے ہے
جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو
خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ
کرتے ہیں اشک سحر گاہی سے جو ظالم وضو
جانتا ہے، جس پہ روشن باطن ایام ہے
مزدکیت فتنۂ فردا نہیں، اسلام ہے!

چنانچہ کرنے کا کام یہی ہے کہ مسلم اُمت کو بیدار نہ ہونے دو، سلائے رکھو۔

ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں
ہے حقیقت جس کے دیں کی احتسابِ کائنات
مست رکھو ذکر و فکر صُبحگاہی میں اسے
پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اسے
خیر اسی میں ہے، قیامت تک رہے مومن غلام
چھوڑ کر اوروں کی خاطر یہ جہانِ بے ثبات

باب 8

علامہ اقبال ____

مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا احسان

1 O برطانوی استعمار کے اثرات اور جدیدیت کا تریاق O سیکولرازم کے بجائے اسلام O جھوٹی نبوت کے برطانوی منصوبے کے آگے بند باندھنا

2 O اقبال کی مساعی کا صہیونی ردّ عمل O پاکستان کی ستر سالہ نظریاتی صحرانوردی

1

اُمت مسلمہ کے ایک خیر خواہ، ایک اخلاقی معالج اور اُمّت کے اخلاقی زوال کے لیے ایک مصلح کے طور پر بھی علامہ اقبال کا ایک اُونچا مقام ہے۔

علامہ اقبال کا خواب اور سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ جنوبی ایشیا کے مسلمانوں ـــــ کو ایک خطۂ زمین مل جائے جہاں ان کا بطورِ ملت اسلامیہ مستقبل محفوظ ہو۔ مسلمانوں کی زبوں حالی اور برطانوی استعمار کی غلامی سے یہ خدشہ تھا کہ کہیں اس خطے میں مسلمان سپین کی طرح معدُوم نہ ہو جائیں۔ علامہ اقبال کا اس خطے میں پیدا ہونا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس خطے کے لوگوں کی ہمت، حوصلہ اور مذہبی لگن پر اعتماد کا مظہر تھا۔

O مجدد الف ثانی سے لے کر شیخ الہند تک سارے مجدّدین حتیٰ کہ مولانا ابوالکلام آزاد، شوکت علی جوہر اور محمد علی جوہر (جوہر برادران) اور اصلاً مولانا ابوالاعلیٰ مودودی بھی دہلی سے مغرب کے علاقے پنجاب سے نہیں تھے۔ جنوبی ایشیا میں مسلمانوں کی صدیوں حکومت رہی اور اس کا دارالحکومت دہلی آگرہ فتح پور سیکری وغیرہ رہا۔ مگر مسلم اکثریت کا صوبہ پنجاب تھا، حیرت کی بات ہے کہ علم دین، دولت، ترقی، تجارت وغیرہ کا مرکز بھی دہلی کے قرب و جوار کا علاقہ تھا مگر مسلم اکثریت کا علاقہ پنجاب تھا اور علامہ اقبال جیسی شخصیت کا یہیں سے اُٹھنا اللہ تعالیٰ کی مشیّت کا خاص فیصلہ ہے۔

O حقیقت تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے چار صدیاں قبل عالم اسلام میں جنوبی ایشیا کے علاقے میں ایک مستحکم حکومت کے مطلق العنان بادشاہ اکبر نے دین سے دُوری اختیار کر کے کسی غیر مرئی قوت کے زیر اثر اسلام سے برگشتہ ہو کر نئے دین کا شوشا چھوڑا تو مشیت ایزدی نے اُمّت مسلمہ کے لیے اس انتہائی مہلک اقدام کے تریاق کے لیے مجدّدِ دینِ اُمت کا سلسلہ بلادِ عرب سے

اُٹھا کر یہاں منتقل کر دیا اور 1000ھ کے بعد مجدد دین اُمت یہیں اٹھائے گئے۔ اکبر کا عہد قدیم تھا اور اس وقت اسلام دشمن طاقتیں (یہود و نصاریٰ اور مشرکین یعنی ہنود) کے ہتھکنڈے اُسی دور کے تھے اور ابلیسی ذہن بھی اُسی سطح کا تھا اس دور کے بحث و مباحثہ کا معیار ہی اسی لیول کا تھا۔

اکبر کے اِلحاد کی طرح کا ایک اور بھاری بھرکم فتنہ ـــــ عالمی صہیونی مافیا نے جنوبی ایشیا میں ایک صدی کے غلبے کے بعد اٹھایا۔ جب 1803ء سے 1857ء تک پورے ہند پر برطانوی استعمار نے خوب پنجے گاڑ لیے تو مسلمانوں نے تحریک آزادی کے لیے ایک موقع دیکھ کر بھرپور کوشش کی اگرچہ کوشش ناکام ہوگئی۔ مسلمانوں نے اس کوشش کو جنگ آزادی کا نام دیا جبکہ سامراج اور برطانوی استعمار نے اسے غدّاری اور بغاوت کا نام دیا۔ سرسیّد نے مغربی ذہن کی طرف داری کرتے ہوئے 'اسبابِ بغاوت ہند' نامی کتاب لکھ دی۔

اس جنگ آزادی کے ردّعمل میں برطانوی سامراج نے ایک طرف ہند کی سرزمین کا یہ خوشحال خطہ ایسٹ انڈیا کمپنی سے لے کر براہِ راست تاج برطانیہ کے سپرد کر دیا۔ تاج برطانیہ نے جنوبی ایشیا میں اس قبضے میں ناکامی کے الزام سے بچنے کے لیے ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام سے 1857ء تک کام کیا تاکہ ہند میں حالات خراب ہوں اور بھاگنا پڑے تو یہ بدنامی تاجِ برطانیہ پر نہ آئے۔ تاہم جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد یہ سارا علاقہ براہِ راست تاج برطانیہ کے تحت آ گیا اور یہاں کے عوام کو تاج برطانیہ (جس کی سربراہ اس وقت ملکہ وکٹوریہ تھی) کا پیغام یہ آیا تھا کہ

"WOULD YOU LIKE TO BE GOVERNED BY PEN OR BY SWORD"

یعنی اے مسلمانوں اگر تم تلوار اٹھائے رکھو گے تو ہم بھی تلوار (اسلحہ) سے تمہارا مقابلہ کرتے رہیں گے اور اگر تم قلم سے حکومت (RULE OF LAW) کی طرف آجاؤ اور تلوار (یعنی جہاد) ترک کر کے دو تو ہم آئینی طور پر ملک چلائیں گے۔

اس وقت سے پورے ملک میں 1860ء سے آباد علاقوں میں صوبے، ضلع، تحصیلیں اور تھانے بنے۔ کمشنر، ڈپٹی کمشنر، جج، تحصیلدار کے عہدے بنے۔ ہمارے ملک میں بھی تمام پرانے قوانین مجریہ 1860ء ہی چل رہے ہیں۔

برطانوی سامراج نے اس موقع پر بظاہر تصور یہی دیا کہ اب بس آئینی اور قانونی

حکمرانی رہے گی مگر در پردہ اسے بغاوت کا خطرہ تھا۔لہٰذا ـــــ اس برطانوی سامراج نے دیگر مرئی اور غیر مرئی (ظاہری اور خفیہ) کئی انتظامات کے علاوہ ایک قدم یہ بھی اٹھایا کہ مسلمانوں میں جذبہ جہاد ختم کرنے کے لیے ایک MADE IN UK 'نبی' کھڑا کر دیا۔ اور اس نے آہستہ آہستہ پورے برطانوی ہند میں پاؤں پھیلائے اور علاوہ دیگر اقدامات کے 'جہاد' ساقط کر دیا اس ساری تحریر کی تفصیل تحریک ختم نبوت کے لٹریچر میں دیکھی جا سکی ہے اور ہر باشعور مسلمان اس فتنہ کی شر انگیزی سے باخبر ہے۔ 1974ء میں آئینی طور پر پاکستان میں (اور بعد ازاں کئی دوسرے اسلامی ممالک میں بھی) اس احمدی طبقہ کو غیر مسلم قرار دیا جا چکا ہے۔ علامہ اقبال نے اپنی شاعری میں 'ابلیس کی مجلس شوریٰ' 1936ء، میں ابلیس کی زبانی کہلوایا ہے۔

کس کی نومیدی پہ حجت ہے یہ فرمانِ جدید؟
'ہے جہاد اس دور میں مرد مسلماں پر حرام!'

اشارہ ہے مرزا غلام احمد قادیانی کے جہاد کو حرام قرار دینے کے فتویٰ کی طرف۔

اس اقدام سے تاجِ برطانیہ کو کتنا فائدہ پہنچا یا نقصان ہوا؟ اس کا میزانیہ نفع ونقصان ایک الگ موضوع ہے۔

O اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے اور سنتا ہے اور تمام انسانوں کے دل اس کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں وہ جیسے چاہے گھما دے اور جیسے چاہے فیصلے کر لے۔ نیرنگیٔ قدرت کا یہ فیصلہ کتنا بڑا شاہکار فیصلہ (EYE-OPENER) ہے کہ برطانوی سامراج نے ابلیسی ذہنیت کے ساتھ ـــــ جو بدبخت شخص اس کام کے لیے منتخب کیا اس کا تعلق سیالکوٹ سے بھی تھا (مرزا غلام احمد اس کا نام تھا، قادیان اس کا شہر تھا جو 1947ء سے پہلے پنجاب میں تھا تقسیم ہند کے بعد یہ علاقہ بھارت میں شامل ہے یہ گروہ اب احمدی کے نام سے موسوم ہے اور پہلے نظری اور فتویٰ کی حد تک غیر مسلم تھے اور اب 1974ء سے ملکی آئین اور قانون کے تحت غیر مسلم ہیں)۔ اللہ تعالیٰ نے اس جھوٹی نبوت کے فتنے کے سدّ باب کے لیے اس علاقے سے علامہ اقبال رحمہ اللہ جیسی شخصیت کو اٹھایا تا کہ اس فتنے کا سدّ باب ہو سکے۔ احمدی حضرات (یا قادیانیوں) نے علامہ اقبال پر بھی ڈورے ڈالنے کی خصوصی کوششیں کیں۔ تاہم علامہ اقبال کو اللہ تعالیٰ نے وہ بصیرت باطنی عطا فرمائی تھی کہ خود بھی

اس 'خسرانِ مبین' سے بچ گئے اوران کی وساطت سے علی گڑھ سے فارغ التحصیل طبقہ اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ کا ایک غالب حصہ (OVERWHELMING MAJORITY) اس فتنے کی گمراہیوں سے بچ گیا۔ یہ فتنہ اکبری فتنہ سے کم نہیں تھا اور عالمی صہیونی سامراج کا اٹھایا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس فتنے کے سد باب اور سرسید احمد خان کی تحریک جدیدیت کے اثرات سے جدید تعلیم یافتہ لوگوں کو محفوظ کرنے کے لیے علامہ اقبال جیسی قدآور نظریاتی شخصیت اٹھادی۔

O ہم نے پہلے اوپر صفحات میں علامہ اقبال کو ان کی شاندار احیائی کوششوں اور اسلام کے کامل دین کے طور پر غالب کرنے کے تصور کے فروغ کی وجہ سے مجدّد کہہ دیا ہے۔ ان کا فکر اسلام کا انقلابی فکر تھا۔ عصر حاضر کے کئی اور اہل قلم بھی اسی طرح علامہ اقبال کے کام کو انقلابی اور تجدیدی واحیائی عمل کا حصہ سمجھتے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ علامہ اقبال نے خود اپنے لیے یہ لفظ کہیں استعمال نہیں فرمایا۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ عَلٰى ذَالِكَ

O برطانوی ہند کے پنجاب میں لاہور سے مغرب کا علاقہ (جو اَب پاکستان میں شامل ہے) اس لیے اہم ہے کہ اس میں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ اسلام کی اشاعت میں ان صوفیاء کا بڑا حصہ تو ہے ہی جنہوں نے اوّلاً 711ء سے لے کر 1206ء تک جب اس علاقے میں مسلمانوں کی کوئی مستحکم حکومت قائم نہیں تھی بلادِ عرب وایران وافغانستان سے آکر یہاں تبلیغ فرمائی ثانیاً ان قابل احترام ہستیوں کا بھی بڑا حصہ ہے (جس کے لیے وہ ہماری دعاؤں کے مستحق ہیں) جنہوں نے اکبری عہد کے بعد اسلام کے افکار کی آبیاری کی۔ پھر اس علاقے نے سکھ حکومت کا دور بھی دیکھا ہے جس کا حال ہم بیان کر آئے ہیں کہ سکھ حکومت میں نماز پڑھنے پر پابندی تھی قرآن لے کر چلنے پر پابندی، مساجد پر تالے اور اذان پر پابندی تھی۔ اس عہد سے ایمان بچا کر نکل آنا ہی اللہ تعالیٰ کے خاص فضل وکرم سے ہوا ہے۔

مزید برآں پنجاب کے لیے انگریزی عہد بھی ایمان خراب کرنے والا ہی تھا۔ اس لیے کہ جب سکھوں کا اقتدار ختم ہوا اور انگریز نے پنجاب پر قبضہ کیا تو ـــــ اہل پنجاب کا مجموعی احساس یہ تھا کہ اچھا ہوا سکھوں کا عہد ختم ہوا۔ انگریز نے مساجد کھول دیں اذان اور نماز کی اجازت دیدی تو ـــــ گویا پورے جنوبی ایشیا میں پنجاب واحد جگہ ہے جہاں انگریز کو خوش آمدید

کہا گیا ورنہ باقی سارے علاقوں میں انگریز کی آمد کو ایک غیر ملکی قوت کی یلغار سمجھا گیا اور اس سے دشمنی کے جذبات کو پیدا کر کے پروان چڑھایا گیا۔ پوری جنوبی ایشیا میں پنجاب میں انگریزوں کو WELCOME کہنے سے انگریز نے سازشوں کا جال بچھایا اور انگریز کو سب سے زیادہ غدار بھی یہیں سے ملے۔ ایچی سن کالج یہیں قائم ہوا اور جھوٹی نبوت کا پودا بھی برطانیہ نے اسی پنجاب میں کاشت کیا۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے نظریات کے پیروکاروں کا ایک طبقہ 'لاہوری' کہلاتا ہے۔ اس پس منظر میں دوسرے مجددین کے برعکس علامہ اقبال کا پنجاب میں آنا اور سرزمین سیالکوٹ جائے پیدائش ہونا ایسے نشانِ راہ ہیں کہ قدرت نے یہ سارا انتظام تکوینی مشیّت کے منصوبے کے تحت ہی کیا ہے۔ (حیرت ہے کہ علامہ اقبال نے سیالکوٹ سے لاہور آ کر مستقل سکونت اختیار کر لی تا کہ احمدی اور لاہوری دونوں کے افکار و نظریات کا ابطال ہو سکے۔)

پنجاب میں اکبری اِلحاد کے اثرات، سکھا شاہی کے مظالم اور سرسیّد کے افکار کا منفی پہلو نکال کر مثبت اسلامی افکار کی فصل کا لہلہا اٹھنا علامہ اقبال کے ساتھ ساتھ ان درویش شعراء کی کاوشوں کا مرہونِ منّت ہے جو 'سیف الملوک' کے مصنف میاں محمد بخش جہلمی نے کیں۔ سلطان باہو نے کیں، خواجہ غلام فرید اور پیر مہر علی شاہ رحمہم اللہ نے کیں۔ ان صوفیاء کے کلام کے ذریعے یہاں کے عوام کا دین و ایمان بچ گیا۔ فللّٰہ الحمد والمنّۃ۔

علامہ اقبال انقلابی تو تھے ہی اسلامی ملّی انقلابی شاعری کے میدان میں 'خاتم الشاعرین' کی حیثیت بھی رکھتے ہیں کہ شاید ان جیسا ملّی جذبہ رکھنے والا اور خلافت کا داعی شاعر دوبارہ پیدا نہ ہو سکے۔

سر آمد روزگار ایں فقیرے دگر دانائے راز آید کہ نہ آید

واللہ اعلم

2

ہم انبیاء کرام علیہم السلام کے باب میں بیان کر آئے ہیں کہ خیر و شر کی جنگ میں اگر خیر کا پلڑا بھاری نظر آتا ہے تو ردّعمل میں باطل اسی طرح زوردار انداز میں ردّعمل ظاہر (RE-ACT) کرتا ہے۔ علامہ اقبال کی قد آور شخصیت کا پنجاب جیسے خطے میں نظریاتی اسلام کے حق میں کھڑے ہو جانا اور اسلامی ریاست کے قیام اور مسلمانوں کی بیداری کے لیے کوشاں ہونا، ایسی سرگرمیاں

تھیں کہ ابلیسی استعمار اور صہیونی طاقتیں کبھی برداشت نہیں کر سکتی تھیں۔

علامہ اقبال کی 'حزبُ اللہ' کی تشکیل کی خواہش کو پورا نہ ہونے دینا، مسلمانوں کے علیحدہ وطن کے حصول کے راستے میں ہندوؤں، یہودیوں اور میڈیا کے ذریعے رکاوٹیں ڈالنا اور سرکاری وسائل اس کام میں لگا دینا یہ فکرِ اقبال کو غیر مؤثر کرنے کے لیے بنائے گئے تھے۔

تاہم پاکستان کے وجود میں آ جانے کے باوجود اس کے محدود رہنے، اپنے پاؤں پر کھڑے نہ ہو سکنے اور بالآخر ختم ہو جانے کے لیے منصوبہ برطانوی استعمار یا بعد میں امریکی حکومت کی طرف سے آتا رہتا تھا۔

پاکستان کے ابتدائی سالوں کے بعد ہی یہ ملک خداداد امریکیوں کے جال میں ایسا پھنسا کہ ساتھ چلنا بھی مشکل ہے اور ساتھ چھوڑ دینا بھی مشکل تر ہے۔ نظریاتی انتشار پیدا کر دیا گیا تاکہ ملک اپنے مقصدِ قیام کی طرف نہ بڑھ سکے۔ فرقہ واریّت کو فروغ دیا گیا کہ مسلمانوں کی طاقت آپس کی لڑائیوں میں ہی استعمال ہو کر ختم ہو جائے۔

یہ ابلیسی ردّعمل ستر سال بعد بھی پورے جوبن پر ہے۔

اور اللہ تعالیٰ اپنے علم سے ہر چیز پر احاطہ کیے ہوئے ہے

باب 9

علامہ اقبال کی وفات کے بعد

حصہ اوّل

☆ قیامِ پاکستان

☆ تعزیراتِ پاکستان

☆ نظریاتی تشخص

☆ اسلامی ریاست کے دو ماڈل

(i) المملكة السعودية العربية 1926ء ___ تاحال

(ii) اماراتِ اسلامی افغانستان 1996ء تا 2001ء

☆ قیامِ پاکستان ____ اور ابلیسی و صہیونی ردّعمل

علامہ اقبال : پیدائش: نومبر 1877، وفات: اپریل 1938ء

قیامِ پاکستان

☆ حکمت اقبال ایک مکمّل فکر کی عکاس ہے جس میں ایک نظریاتی مسلمان قوم کے لیے غلامی سے نجات سے لے کر ایک آزاد ترقی پذیر اسلامی نظریاتی ریاست تک کے مراحل میں مکمل رہنمائی موجود ہے۔ حکمت اقبال ایک مضبوط، مدلّل اور جاندار فکر کی آئینہ دار ہے۔ کسی فلسفی کی اپنی سوچ مشاہدہ، تجربہ اور ذہنی بالیدگی کا حاصل ہوتی ہے اور انسان ہوتے ہوئے کسی بڑے سے بڑے فلسفی کی سوچ میں غلطی کا امکان ردّ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ جبکہ فکرِ اقبال آسمانی وحی یعنی قرآن مجید کے محکمات پر بنیاد رکھ کر انسانی فکر کی پرواز کی بلندیوں تک پہنچنے اور اس انداز کے مشاہدہ و تجربہ کا حاصل ہے۔ لہٰذا ـــــ فکرِ اقبال کی صحت، عملیّت (قابل عمل ہونا) اور نتیجہ خیزی میں کسی شک و شبہ کی گنجائش کم ہے اور کامیابی کے امکانات بہت زیادہ ہیں۔

☆ فکرِ اقبال کا یہی حُسن تھا جو مسلمانوں کی خوش قسمتی بن کر سامنے آیا۔ جنوبی ایشیا میں مسلمان 25% تھے اور ہندو اور دیگر غیر مسلم اقوام 75% تھے۔ غیر مسلم اقوام کا وزن زیادہ تر ہندو کے پلڑے میں تھا۔ مسلمانوں میں گروہ در گروہ تقسیم تھی۔ ایک بڑا مؤثر حصہ علماء کے زیر اثر تھا جو کانگریس کے اتحادی بن کر مسلم لیگ کے مخالف تھے جبکہ ہندو پوری قوم متحد تھے اور ان میں نظریاتی دھڑے بندی نہیں تھی۔ تعلیم، معیشت، کاروباری سرگرمیوں، سرکاری ملازمتوں وغیرہ میں ہندو مسلمانوں سے بہت آگے تھے جبکہ مسلمان ہر شعبۂ زندگی میں پیچھے تھے۔ مثبت بات یہ تھی کہ مسلمان، ہندوؤں سے اوپر درج شعبوں میں اس لیے پیچھے نہیں تھے کہ مسلمانوں میں ذہنی صلاحیتوں کا فقدان ہے یا مسلمانوں کا I.Q اور VISION کمزور ہے بلکہ اصل وجہ یہ تھی کہ انگریز نے دو صدیاں قبل حکومت مسلمانوں سے چھینی تھی اور انگریز بالارادہ مسلمانوں کو دبائے رکھنے کی پالیسی پر عمل پیرا تھا مزید برآں انگریز اپنی حکومت اور حکومتی گرفت کی مضبوطی کے لیے ہندو کو ساتھ

ملانے پر مجبور تھا۔ تعداد کی برتری، معاشی بہتری اضافی عوامل تھے جو ہندو کے حق میں تھے۔

☆ لہٰذا انگریز اپنی پالیسیوں اور مفادات کی وجہ سے 'ہند' کو تقسیم نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بظاہر احوال 1940ء-1947ء کے دوران تحریک پاکستان کی مہم کے دوران سارے تجزیے اور خفیہ رپورٹیں بھی حصولِ پاکستان کے امکان کے خلاف تھیں۔

☆ فکرِ اقبال کی صداقت اور علامہ اقبال کی شاعری نے مسلمانوں میں وہ جذبہ بھر دیا تھا، بالخصوص جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں، کہ اس جذبے نے گلی گلی مسلمانوں میں آزادی کی تڑپ اور مسلم لیگ کا نقطۂ نظر عام کرنے میں مدد دی تھی۔ لہٰذا 1946ء کے انتخابات جُداگانہ طرز پر منعقد ہوئے اور مسلم لیگ نے SWEEP کرلیا اور شاندار کامیابی حاصل کرلی کہ مسلمانوں کی 95% نشستیں حاصل کرلیں جبکہ مخالف اُمیدواروں کی ضمانتیں ضبط ہوگئیں۔

☆ کئی مراحل سے گزر کر بالآخر اگست 1947ء میں پاکستان معرضِ وجود میں آ گیا۔ 14/اگست کو پاکستان کی آزادی کی تقریبات ہونا تھیں۔ مسلمان، مرکزی اسمبلی کے ممبران، جو پاکستان کے حصے میں آئے تھے ان کا اجلاس ہونا تھا تاکہ اسمبلی گورنر جنرل منتخب کر سکے۔

تعزیراتِ پاکستان

☆ قائداعظم محمد علی جناح 11/اگست 47ء کو دہلی سے کراچی پہنچے۔ اہم ملاقاتیں ہوئیں اور نئی ریاست کے قیام پر اہم ذِمہ داریوں کے بارے میں فیصلے ہوئے۔ ایک اہم فیصلہ نئی ریاست کے لیے قانون (فوجداری اور دیوانی) کا تھا۔ کافی غور وخوض کے بعد تعزیراتِ ہند کا نسخہ منگا کر 'ہند' کاٹ کر پاکستان لکھ دیا گیا اور وہی استعماری قانون نافذ کر دیا گیا۔ اس لیے کہ علامہ اقبال کو فکر تھی کہ ریاست بنی تو اس کے لیے اسلامی مدوّن قانون درکار ہوگا اور انھوں نے 32ء-38ء تک کوششیں بھی کیں جو نتیجہ خیز نہ ہوسکیں۔ قائداعظم اپنی مصروفیات کی بنا پر ایسا نہ کرسکے اور کسی کو اس کا احساس نہ تھا ورنہ اسی دن اسلامی قانون نافذ ہوسکتا تھا۔ اب تعزیراتِ پاکستان نافذ ہیں۔ سارے قوانین مجریہ 1860ء کا اطلاق ہے۔ مطالبات کرنے، دھرنا دینے سے قانون اسلامی نہیں ہوسکتا۔ معیاری مدوّن قانون موجود ہو تو تھوڑے دباؤ سے نافذ ہوسکتا ہے۔

☆ پاکستان بننے پر جنوبی ایشیا کے مسلمانوں پر ایک جنون کی کیفیت طاری تھی بے پناہ جذبہ تھا اور پورے عالم اسلام میں ایک خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ 1948ء کے یومِ آزادی کے دن 25 دیگر اسلامی ممالک کے فوجی دستے آزادی کی پریڈ میں شامل ہوئے جبکہ 1949ء کے یومِ آزادی کے موقع پر 33 ممالک کے فوجی دستے اور وفود شامل ہوئے۔ مارچ 1949ء میں قراردادِ مقاصد پاس ہوئی۔ مگر نا معلوم اس ملک کو کس کی نظر لگ گئی کہ عالمی صہیونی طاقتوں کی نگاہیں اس ملک پر آ پڑیں اور یہ ملک اپنے نظریاتی ٹریک سے ہٹ گیا اور 70 سال سے نظریاتی خلا میں سفر کر رہا ہے۔

نظریاتی تشخص

پاکستان ایک نظریاتی ریاست تھی اور نظریہ کی بنیاد پر ہی وجود میں آئی تھی۔ کاش ایسا ہوتا کہ اس ملک میں نظریۂ پاکستان یعنی دوقومی نظریہ کی آبیاری ہوتی رہتی تو یہ ملک اور اس اسلامی ریاست کے سارے ریاستی ادارے اور ریاستی ستون نظریاتی رہتے مگر افسوس کہ تعلیم کے شعبے میں نظریاتی تعلیم کا کوئی تذکرہ ہی نہیں رہا اور قوم نظریاتی سطح پر خلفشار کا شکار ہے۔

سیاسی، اقتصادی یا امن وامان کے مسائل ہوں تو فوج ملک کے حالات کو سنبھال لیتی ہے، فوج سرحدوں کی حفاظت بھی کرتی ہے مگر ریاست کے نظریہ کی حفاظت نظریاتی نظامِ تعلیم کرتا ہے۔ تعلیم نظریاتی ہو تو ــــــ ریاست کا نظریہ پچھلی نسل سے اگلی نسل کو منتقل ہوتا رہتا ہے اور قومی سطح پر پالیسیوں، فیصلوں، اقدار، اہداف اور نصب العین کی یکجہتی کا تسلسل رہتا ہے قوم کا ہر بچہ، جوان اور بوڑھا ایک نظریاتی شخص ہوتا ہے مگر افسوس کہ ہمارے حکمرانوں کے مشیر غیر ملکی ہیں جن دشمنوں نے یہاں انگریزی ذریعہ تعلیم بنا دیا ہے اور قوم کے بچوں کا نظریاتی قتل عام کر رہے ہیں۔ فکر اقبال کو تعلیم کے شعبے سے نکال دیا گیا ہے۔ پاکستان بننے سے پہلے اور بعد میں اقبال کی نظمیں سکولوں میں پڑھی جاتی تھیں مگر آہستہ آہستہ اب ہر سطح پر اقبال اور کلامِ اقبال بلکہ نامِ اقبال بھی محو کیا جا رہا ہے۔ افسوس صد افسوس۔

؎ گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے تیرا
کہاں سے آئے صدا لا اِلٰہ اِلا اللہ

اسلامی ریاست کے دو ماڈل

پاکستان ایک نظریاتی ملک تھا اگر یہ اپنے پاؤں پر کھڑا رہ سکتا ہے اور عالمی صہیونی طاقتیں اس پر مختلف اطراف سے یلغار نہ کرتیں تو یہ ملک دنیا کا ایک مثالی ملک ہوتا مگر دشمنوں نے اس ملک کو نظریاتی افلاس کا شکار کر دیا ہے۔ پہلے ہم برطانیہ کے غلام تھے وہاں سے پوری آزادی نہیں ملی تھی کہ ہم امریکی غلام بن گئے اب امریکی غلامی سے کب نجات ملے گی اللہ بہتر جانتا ہے۔

خوش قسمتی سے عرب میں آلِ سعود نے 1926ء میں حکومت قائم کی تھی جواب تک اپنا اقتدار قائم رکھنے میں کامیاب ہے۔ اس حکومت میں آلِ شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ اور آلِ سعود میں معاہدہ ہوا تھا کہ مذہبی معاملات آلِ شیخ کے پاس ہوں گے اور حکومتی معاملات آلِ سعود کے پاس ہوں گے۔ یہ معاہدہ کامیابی سے ہمکنار ہے اور الحمدللہ جاری ہے۔ گزشتہ 90 سال سے یہ مملکت اقتصادی لحاظ سے مستحکم حکومت ہے اور پٹرول کی دولت سے مالا مال ہے۔

اس حکومت کے پاس وسائل کی بھی کمی نہیں، عربی بھی مادری زبان ہے؛ لہٰذا قرآن و حدیث سمجھنے میں کوئی دِقت نہیں مگر نامعلوم کیوں یہ حکومت قرآن و حدیث کے تقاضوں کے مطابق خلافت کے نظام کو اپنے ایوانوں میں جگہ نہیں دے سکی بلکہ خاندانی بادشاہت قائم ہے شاید اس بے برکتی کی وجہ مذہب اور دین و سیاست کی علیحدگی ہے؛ اس لیے کہ تاریخ اسلام میں دین و سیاست کی اس طرح طے شدہ علیحدگی کی کوئی مثال نہیں ہے۔

سعودی عرب کے مذہبی معاملات میں حضرت امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کے مطابق اور فقہ حنبلی (اگر کوئی فقہ ہے تو) کے مطابق فیصلے ہوتے ہیں۔ تصوف، روح کی ترقی و بالیدگی اور بعض دیگر معاملات میں چونکہ عقائد کی سطح پر شیخ عبدالقادر جیلانی، امام غزالی، ابن عربی، مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہم کے نقطۂ نظر اور امام ابن تیمیہ اور اُن کے مکتب فکر کے لوگوں میں اختلاف ہے لہٰذا پاکستان میں سعودی عرب کے فقہی اور مذہبی معاملات کی پیروی نہیں ہو سکی۔

جنوبی ایشیا میں اسلام صوفیاء نے پھیلایا تھا اور انہی کے عقائد اور سوچ یہاں کے مسلمانوں میں رچی بسی ہے۔ ان کی اصلاح کے کام میں تو کوئی رُکاوٹ نہیں ہے خود شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی سے لے کر علامہ اقبال تک سب نے صوفیاء و علماء و فقہاء کے خلافِ اسلام

کاموں پر تنقید کر کے اصلاحِ احوال کی کوشش کی ہے مگر بعض خرابیوں کی بنا پر باطنی اصلاح اور روح کے معاملات سے انکار کر دینا یا ان کو کھلی گمراہی کہنا مسلمانوں کے مابین تفریق اور تفرقہ کا موجب ہے۔ علامہ اقبال اور نتیجتاً فکرِ اقبال شیخ مجدد، شیخ عبدالحق محدثِ دہلوی، شاہ ولی اللہ دہلوی، شیخ الہند کے افکار سے متأثر تھے جو امام غزالی، رومی اور ابن عربی سے ملتے ہیں۔ لہٰذا پاکستان میں اسلامی نظریاتی ریاست کے لیے سعودی عرب ایک رول ماڈل نہیں بن سکا۔

دوسری مثال جمعیت علمائے ہند، جس کے صدر شیخ الہند محمود حسن دیوبندی تھے، ان کے وارثوں کی ہے۔ تحریک شہیدین کے وارث اور دیوبند کے فیض یافتہ حضرات کے اثرات پاکستان کے علاوہ افغانستان تک ہیں۔ لہٰذا اللہ نے موقع دیا اور افغان طالبان نے 1996ء میں افغانستان میں حکومت بنالی جو اکتوبر 2001ء تک چلتی رہی اور کامیاب حکومت تھی۔ اسلامی قوانین کے تحت علماء نے یہ نظام سادگی کے اعلیٰ نمونے دکھا کر چلا دیا کہ امریکہ، پاکستان سمیت بہت سے ممالک نے اس حکومت کو تسلیم بھی کر لیا۔ چونکہ افغانستان میں قبائلی نظام ہے لہٰذا وہاں جمہوریّت، ووٹ، عوامی رائے وغیرہ کا اہتمام نہیں ہو سکا لیکن امن و امان اور جرائم کی کمی کے معیارات پر وہ حکومت ایک اعلیٰ درجے کی کامیاب حکومت تھی۔

مغرب کے جدید ذہن اور متمدّن ممالک جہاں عوامی رائے سے ووٹوں کے ذریعے حکومتیں بنتی اور بگڑتی ہیں ان کے لیے نہ سعودی عرب کی حکومت میں کوئی نمونہ ہے اور نہ افغان طالبان کی حکومت میں۔

ایک تیسری مثال ایران کے اسلامی انقلاب کی ہے اور وہ انقلاب 'اقبال لاہوری' یعنی علامہ اقبال کے افکار کی چھاپ بھی لیے ہوئے ہے لیکن اہلسنّت و اہل تشیع کے درمیان بعض بنیادی باتوں میں چونکہ اختلاف ہے لہٰذا احترام کے باوجود بھی ایران کا اسلامی حکومت کا ماڈل پاکستان کے لیے نمونہ نہیں بن سکا۔ ایران میں اہلسنّت اقلیت میں ہیں اگر ایران پاکستان میں اہل تشیع کو ایران کے اہل سنت جیسی مراعات پر راضی کر لیتا یا اب بھی کر لے تو ایران کے انقلاب کے اثرات اور نمونہ یہاں بھی زیر بحث آ سکتا ہے کہ پاکستان میں حکومتی معاملات فقہ حنفی کے مطابق چلائے جائیں گے اور ایران میں اہلسنّت کی طرح زیدی اور اثنا عشری کو اپنے معاملات میں آزادی رہے

گی۔اللہ تعالیٰ ایسا ممکن بنادے تو کیا کہنے۔

پاکستان کی ریاست کو اسلامی بنانے کے لیے تو فکرِ اقبال کے تحت معاملات کو چلانا ہوگا۔ فکر اقبال جامد شئے نہیں ہے۔ایک دفعہ جمہوری اصولوں کے مطابق اکثریت کے قانون اور فقہ کو موقع دیں پھر ایک ریاستی فورم بنائیں جہاں قوانین کو قرآن وسنت کی بنیاد پر چیلنج کیا جاسکے وہاں علماء بحث ومباحثہ کریں اور فیصلہ ہو تو کوئی قانون منسوخ ہوجائے اور پارلیمنٹ کو نیا قانون بنانے کا موقع دیا جائے اس طرح شاید دو تین عشروں میں سارے قوانین ہی قرآن وسنت کے مطابق ہوجائیں گے۔اگر 1947ء یا 1951ء میں علماء اسی اصول کو مان لیتے تو عین ممکن ہے کہ سارے قوانین قرآن وسنت کے مطابق ہو چکے ہوتے۔مگر فقہ حنفی کو قبول نہ کرنے کی سزا میں ستر سال سے برطانوی قانون مجریہ 1860ء قبول کیے بیٹھے ہیں اور اللہ کے ہاں 'وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ.....' کی حکم عدولی کے مجرم ہیں۔اس کی وجہ سے طبیعت پر ملال نہیں آتا ـــــ کیوں؟ واللہ اعلم۔

قیامِ پاکستان اور ابلیسی وصہیونی ردّعمل

خیر کی طرف پیش رفت ہو تو شر اسی شدت سے ردّعمل دکھاتا ہے۔بیسویں صدی کے وسط میں صہیونیت کی بالادستی، سودی نظام، جمہوری دور اور ـــــ پاکستان اسلامی نظریاتی ملک بن گیا اس میں 1949ء کی قراردادِ مقاصد میں 'عوام کی حاکمیّت' کی نفی کر کے اللہ کی حاکمیّت کا اعلان کیا گیا اور قرآن وسنت کے خلاف ہر سطح پر قانون سازی کو خلافِ اسلام قرار دیا گیا۔پارلیمنٹ کی سطح پر یہ فیصلے مغربی نظام کے چلانے والوں کے لیے اور UNO کی شکل میں صہیونی عالمی حکومت کے لیے ایک طرح کا چیلنج اور زندگی وموت کا مسئلہ بن گیا۔لہٰذا وہی ہوا جو طاقتور اور کمزور کی لڑائی میں ہوتا ہے۔اسلامی نظریاتی ریاست ابھی پاؤں پر پوری طرح کھڑی بھی نہیں ہو پائی تھی کہ دشمنوں نے دبالیا اور UNO، IMF، ورلڈ بنک، امریکی USAID جو AID بمعنی مدد کی بجائے پاکستان کے لیے ایڈز کی بیماری کی شکل اختیار کر گئی اور آج تک مسلمانانِ پاکستان اس 'ایڈ' غلامی سے نکل نہیں سکے۔خدا معلوم یہ غلامی کب ختم ہوگی۔امریکہ ملک ہی ختم ہوجائے تب امید ہے کہ یہ غلامی ختم ہوجائے، امریکہ کے ہوتے ہوئے تو اس امریکی غلامی سے نجات ممکن نہیں ہے۔واللہ اعلم

باب 10

علامہ اقبال کی وفات کے بعد

حصہ دوم

☆ پاکستان 2016ء میں کہاں کھڑا ہے؟

☆ پاکستان کا نظریاتی مستقبل کیا ہے؟

☆ پاکستان کے حقیقی اسلامی ریاست بننے میں رکاوٹیں کیا ہیں؟

☆ فکرِ اقبال کے احیاء کا کام

پاکستان 2016ء میں کہاں کھڑا ہے؟

نظریاتی طور پر پاکستان ایک نظریاتی 'ICU' میں ہے اور انتہائی نگہداشت کی کیفیت میں ہے۔ مسلمانانِ پاکستان کے لیے یہ انتہائی نگہداشت اس قسم کی ہے کہ مریض زندہ رہے مرنہ جائے ـــــ چلو زندہ رہا تو صحت یابی بھی ہو جائے گی۔ ملک باقی رہا تو ان شاءاللہ اسلامی ریاست کا رُوپ بھی دھار لے گا۔

غیر ملکی آقاؤں اور صہیونی طاقتوں کے لیے پاکستان کی نگہداشت کا مطلب ہے کہ پاکستان کے معاملات کی انتہائی نگرانی کی جائے اور ہر ممکن طریقے پر نظریاتی اثرات کو زائل کیا جائے۔ تعلیم، تجارت، کھیل کود حتیٰ کہ موبائل اور کمپیوٹر کے ذریعے غلط مقاصد اور نظریاتی مفاسد زیادہ پھیل رہے ہیں اور پھیلائے جا رہے ہیں۔ تاکہ اس میں نئی نسل نظریاتی طور پر باغی ہو جائے۔ بوڑھے فوت ہو جائیں گے اور اگلے بیس سال تک پاکستان مکمل طور پر بدل کر سیکولر ہو جائے گا۔ اعاذنا اللہ من ذالک

پاکستان پر مغربی طاقتوں کی نگاہیں اس لیے ہیں کہ کہیں مریض DEATH BED سے بھاگ کر صحت یاب نہ ہو سکے۔ بقول شاعر

؎ الٰہی خیر میرے آشیاں کی
زمیں پر ہیں نگاہیں آسماں کی

پاکستان میں نظریاتی تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے اگلی نسلوں میں نظریۂ پاکستان یا دوقومی نظریہ منتقل نہیں ہو پا رہا۔ گھریلو تربیت اور بزرگوں کے INTERACTION کے جو اَثرات تھے وہ زوال پذیر ہیں۔ لہٰذا تمام ریاستی ادارے برابر کی نظریاتی کمی کا شکار ہیں اور کرپشن کا دور دورہ ہے اور ہر آدمی دوسرے کی دیکھا دیکھی اس معاملے میں آگے بڑھنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔

سرحدوں کی صورت حال ہو، یا سکولوں میں پڑھائے جانے والے نصاب کی، عدالتی کارکردگی ہو یا وکلاء کا طرزِ عمل، تاجروں کی اخلاقیات کا رونا ہو یا ٹرانسپورٹرز کی بے انصافیوں کا، نوجوانوں کا تذکرہ ہو یا عمر رسیدہ لوگوں کا اَخلاقی گراف ہر جگہ نیچے ہی جا رہا ہے۔ لہٰذا شدید ضرورت اس امر کی ہے کہ اس سے پہلے کہ ہم نظریاتی موت مر جائیں، ہمیں جاگنا چاہیے اور جو جاگ رہا ہے وہ دوسروں کو جگائے، جو بیٹھا ہے وہ کھڑا ہو جائے اور جو کھڑا ہے وہ چل پڑے شاید اسی طرح قوم میں کوئی تحریک پیدا ہو اور نظریاتی بیداری پیدا ہو اور ملک کا قبلہ درست ہو سکے تاکہ ہم اجتماعی سطح پر صحیح رُخ پر آگے بڑھ سکیں۔

پاکستان کا نظریاتی مستقبل کیا ہے؟

جہاں تک ظروف واحوال کا تعلق اور کامیابی اور ناکامی کے مادّی پیمانوں سے ناپنے تولنے کا معاملہ ہے تو اس میں شک نہیں کہ ہم مسلمان ـــــ مُردہ قوم ہیں۔ لیکن ـــــ اگر اللہ برحق ہے، قرآن مجید اللہ کا کلام ہے، حضرت محمد ﷺ اللہ کے سچے اور آخری رسول ہیں اور ہم آپ ﷺ کے اُمتی ہیں۔ امت محمد ﷺ کا ایک مشن ہے جو خالق ارض وسما کا فیصلہ ہے اور یہ مشن مکمل ہونا ہے اور پایۂ تکمیل کو پہنچنا ہے۔ پھر گزشتہ چار صدیوں کے مجدّد دین دین کی محنتوں کو دیکھیں ان محنتوں کا جنوبی ایشیا اور پھر پاکستان میں ارتکاز (ایک جگہ جمع ہو جانا) دیکھیں۔ ماضی میں قیامِ پاکستان کے وقت مسلمانوں کی سیاسی، اقتصادی، سماجی زبوں حالی کو دیکھیں اور ہندو قوم سے مقابلہ ہے برطانوی استعمار مخالف ہے اور پھر بھی اس مولے نے 'شہباز' سے لڑ کر آزادی حاصل کر لی۔ ان واقعات پر نظر ڈالیں تو حوصلہ ملتا ہے کہ شاید تاریخ اپنے آپ کو دہرا دے۔ اُمّید کی جا سکتی ہے کہ مسلمانانِ پاکستان کو اللہ تعالیٰ ایک موقع اور عطا فرما دے، آمین۔ تاکہ ہم اپنی غلطیوں کا اعتراف کر کے توبہ کر سکیں اور بھولے سبق کو دوبارہ یاد کر لیں اور اللہ تعالیٰ کے دین کا جھنڈا اُٹھا لیں وہ جھنڈا جسے اُٹھا کر ہمیں تمام انسانیّت تک حق کو پہنچانا ہے۔ اس استدلال سے اُمید بنتی ہے اور اللہ کے بھروسے پر یہ استدلال بھی بڑا قوی ہے۔

گویا ابھی امکان ہے کہ اقبال کے شکوہ، جوابِ شکوہ، طلوعِ اسلام کی نظموں کے مندرجات ہمارے سامنے لائے جائیں۔ فکرِ اقبال کو اجاگر کیا جائے، اسے عام کیا جائے اسے

داخل نصاب کیا جائے میڈیا پر پرائم ٹائم میں فکرِ اقبال کی ترویج کی جائے ـــــ تو شاید اس ملک کے شہریوں کو اپنا بھولا ہوا سبق یاد آ جائے اور دوبارہ نظریاتی قبلہ درست کر کے صحیح سمت میں از سرِ نو سفر جاری رکھ سکیں۔

پاکستان کے حقیقی اسلامی ریاست بننے میں رُکاوٹیں کیا ہیں؟

پاکستان کو اس کے اساسی نظریہ ـــــ دوقومی نظریہ کے مطابق ایک حقیقی اسلامی ریاست بنانے کے راستے میں کئی طرح کی رکاوٹیں حائل ہیں۔ان رکاوٹوں کی فہرست بنا کر درج کرنے سے حقیقی فائدہ نہیں ہے یہاں ہم حقیقی اسلامی ریاست کے خدوخال درج کیے دیتے ہیں جس سے ہر قاری اپنے علم اور مرتبے کے مطابق اس سے اَخذ کر سکتا ہے کہ ان اہداف (TARGETS) کے حصول کے لیے ابھی کتنا کام باقی ہے۔

دوقومی نظریہ

مسلمان دنیا میں جہاں کہیں ہوں دوقومی نظریہ ہی دین کا تقاضا اور مسلمانوں کی پہچان ہے۔ دوقومی نظریہ کا سادہ مفہوم یہ ہے کہ مسلمان اور کافر یا غیر مسلم دو الگ سوشل گروہ (ENTITES) ہیں۔مسلمان اس کائنات کے بارے میں چند خصوصی باتوں کا اقرار کرتا ہے تب مسلمان ہوتا ہے یہ باتیں اگرچہ بنیادی طور پر فطرت انسانی کے اندر موجود ہیں تاہم غلط ماحول، غلط پیشہ، جھوٹ، فراڈ، بددیانتی کی عادات کی وجہ سے انسان کی فطرت مسخ ہو جاتی ہے ضمیر مردہ ہو جاتا ہے اور اس طرح کے لوگ اُن فطری باتوں کو بھی تسلیم نہیں کرتے ہیں جو فطری ہیں۔اس کا نام ایمان ہے۔اس کا تقاضا یہ ہے کہ ایمان کے مطابق اس کائنات کے چند بنیادی حقائق کا زبان سے اقرار کیا جائے اور دل میں سچا یقین کیا جائے۔ یہ باتیں ہم مسلمانوں کو حضرت محمد ﷺ نے بتائی ہیں۔ حضرت محمد ﷺ سے پہلے بھی کئی نبی اور رسول علیہم السلام آئے ان کے ماننے والے ان کے دور میں مسلمان کہلاتے تھے۔ جب اگلا نبی آتا تھا تو اگلے نبی کو ماننا سابقہ نبی کے ماننے کا لازمی اور منطقی تقاضا ہے تا آنکہ حضرت محمد ﷺ نے ختم نبوت کا اعلان فرمایا اور یوں آپ رہتی دنیا تک کے لیے نبی

اور آخری نبی قرار پائے۔اس اقرار سے انسان مسلمان ہوجاتا ہے اور اسلام میں داخل ہوجاتا ہے۔

اسلام میں داخل ہوکر قرآن وحدیث کی تعلیمات اور سنت رسول ﷺ کی اطاعت پر مسلمانوں کی زندگی استوار ہے۔مسلمان ایک آزاد خیال انسان نہیں ہوسکتا۔اس طرز عمل سے مسلمانوں کا ایک کلچر، ایک تہذیب، ایک طرز تعمیر، ایک رہن سہن، خوشی وغمی کے اظہار کے انداز، کھانے پینے کے لیے ضابطے (حلال وحرام) لباس کے اصول اور ضابطے، ہیئر سٹائل، عبادات کے طریقے وغیرہ اپنا ایک خاص الہامی رنگ رکھتے ہیں۔ یہ انداز ایک کافر سے مختلف ہوتا ہے۔ کسی کافر یا غیر مسلم سے کسی مسلمان کی زندگی کا کوئی پہلو مشابہ ہوسکتا ہے تو اس سے غیر مسلم کے انداز مسلمانوں پر اثر انداز نہیں ہوتے۔اصل فرق آسمانی ہدایت اور جمہوری ذاتی سوچ پر فیصلے کرنے کا فرق ہے یہی فرق مسلم اور غیر مسلم میں ہے۔جنوبی ایشیا میں مسلمان اور ہندو اکٹھے رہتے تھے مگر ہندوؤں اور مسلمانوں میں رہن سہن، اَکل وشرب، طرز تعمیر، طرز عبادت میں زمین وآسمان کا فرق تھا اور ہے۔لہٰذا یہ دو قومیں تھیں اور آج بھی دو الگ قومیں ہیں۔اسلامی ریاست اس اصول پر اپنے نظریہ کا تحفظ کرے گی اور اُسے فروغ دے گی۔

اللہ کی حاکمیّت

سیاسی سطح پر پہلے دنیا میں بادشاہت کا رواج تھا۔بادشاہ خود قانون کا منبع ہوتا تھا۔جو بادشاہ نے کہہ دیا وہ قانون ہوتا تھا۔اب جدید دور میں یہی ذِمہ داری پارلیمنٹ، سینٹ وغیرہ کے سپرد ہوگئی۔اسلام کے نزدیک یہ دونوں صورتیں شرک ہیں۔اسلام میں قانون کا منبع اور سرچشمہ وحی آسمانی ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہے جو خالق ارض وسماء ہے یا اس کا نمائندہ نبی ورسول علیہ السلام ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی تھی۔اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اصل ہے۔باقی سارے قانون اس کے تابع ہوں گے اور اس کے اندر جو آزادی ہے اس میں تشکیل پائیں گے کوئی قانون، مرکز سے لے کر ایک یونین کونسل کی سطح تک، قرآن وسنت کے خلاف نہیں بن سکتا۔حاکمیّت اور SOVEREIGNTY اللہ تعالیٰ کی ہے۔انسان کے لیے اس اللہ کی نمائندگی اور خلافت ہے (VICEREGENCY) یہ اسلام کا سیاسی نظریہ ہے۔حکمران اہلیت کی بنیاد پر عوامی رائے سے بنیں گے۔ ووٹ دینے والے کی شرائط مشورہ سے طے ہوسکتیں ہیں۔ البتہ اُمیدوار

(CANDIDATE) کے لیے سخت ترین شرائط ہوں گی کہ اس نے اسلام کے مطابق (قرآن و سنت کی روشنی میں) قانون سازی کرنی ہے۔

اقتصادی سطح پر اسلام کی تعلیمات کے مطابق جو چیزیں حرام ہیں وہ ممنوع رہیں گی۔ اسلام میں کمانے کا ہر طریقہ جائز نہیں اور خرچ کرنے میں بھی ہر شہری آزاد نہیں۔ کمانے کے طریقوں میں سود، سٹہ، جوا، انعامی سکیمیں، لاٹری، کم تولنا، ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی، دھوکہ، فراڈ، رشوت، چوری، ڈاکہ، جھوٹ بول کر کمانا وغیرہ حرام ہیں نیز اپنی کمائی ہوئی دولت بھی آپ اپنی مرضی سے خرچ نہیں کر سکتے۔ کچھ ضابطے اور اصول ہیں ان کی پابندی لازمی ہے۔ اسلام میں ملکیّت (OWNERSHIP) کی بجائے امانت (TRUSTEE) کا تصوّر ہے۔

اسی طرح کھانے پینے میں بھی حلال وحرام کی پابندی لازمی ہے۔ اسلام میں شراب اور دیگر نشہ آور اشیاء حرام ہیں۔ اسی طرح زمینوں کے معاملات میں غیر حاضر زمینداری پر پابندی ہے۔ دیگر تفصیلات علامہ اقبال کے کلام اور اسلام کی قرن اوّل کی تعلیمات میں موجود ہیں۔

سماجی سطح پر

عورت اور مرد کے علیحدہ دائرۂ کار لازمی ہیں۔ اسلام میں ستر اور پردہ کے احکام ہیں۔ لہٰذا مرد وزَن کے اکٹھے ہونے کے بڑے سخت ضابطے ہیں۔ دفتروں میں مرد وزَن کا اکٹھے کام کرنا کارخانوں میں، ہسپتالوں میں، تعلیمی اداروں میں، (10 سال کی عمر کے بعد) مخلوط تعلیم ممنوع ہے۔ شادی بیاہ خوشی غمی میں مخلوط اجتماعات ممنوع ہیں وغیرہ وغیرہ۔

اسلام میں عورت اور مرد میں مساوات ہے اور ان کے حقوق مسلّم ہیں۔ عورت کو تعلیم، کاروبار سیر وتفریح کے مواقع مردوں کی طرح حاصل ہوں گے۔ البتہ ستر وحجاب، محرم اور غیر محرم، مخلوط سیر گاہوں وغیرہ کے بارے میں اسلامی احکام کی پابندی لازم ہے۔

نظریاتی تعلیم

اسلام ایک دین ہے اور غیر مسلموں کی فہمائش کے لیے ایک نظریہ ہے یہی دوقومی نظریہ ہے۔ اسلامی ریاست میں تعلیم بھی اسی نظریہ کے مطابق ہوگی۔ ہر سطح پر اس نظریے کی نفی

کرنے والا مواد نصاب سے نکال دیا جائے گا۔

___ نظریاتی تعلیم کا اطلاق تمام تعلیمی اور ریسرچ کے اداروں پر ہوگا۔

___ نظریاتی تعلیم کا اطلاق تمام سلیکشن بورڈز پر بھی ہوگا۔

___ تمام سروسز اکیڈمیز، ٹریننگ سنٹرز، کیڈٹ کالجز، بشمول سول سروسز اور فوج، پولیس، خصوصی سروسز کے اداروں کی تربیتی اکیڈیمز کے ہر سطح پر ہوگا۔ ایک فوجی جوان کی تربیت ہو یا ایک پولیس کے آدمی کی، سپورٹس مین کی، یا ٹیچر کی ہر سطح پر نظریاتی تعلیم کا اطلاق ہوگا۔

اس طرح ہمارے ملک میں ایک نسل کے بعد انتظامیہ، مقنّنہ، عدلیہ، فوج، پولیس، غرض تمام ادارے نظریاتی تعلیم سے مزیّن ہوں گے اور ملک کی خدمت اور ترقی میں یکسو ہوں گے۔

غیر مسلم اقلیتیں

اسلامی ریاست میں غیر مسلم اقلیتوں کو اپنے مذہب کی تعلیمات کو اپنے ہم مذہب لوگوں میں فروغ دینے کی پوری آزادی ہوگی۔ حکومت ان کے تعلیمی ادارے بنائے گی ان کو اپنی عبادات کرنے کی اجازت ہوگی۔ ان کے عبادت خانے بنانے، چلانے میں حکومت کا تعاون ہوگا۔ ان کی مذہبی رسومات پر بھی بالعموم پابندی نہیں لگائی جائے گی۔ صرف یہ بات کہ ان کے تعلیمی ادارے عبادت گاہیں اور مذہبی رسومات کے جگہیں مقرر ہوں گی۔ غیر مسلم اقلیتیں اپنی نئی نسل کو اپنے مذہب کی تعلیم دینے میں آزاد ہوں گی۔ البتہ مسلمانوں میں وہ اپنے مذہب کی کسی طرح تبلیغ نہیں کرسکیں گی۔ (مزید تفصیلات کے لیے مزید مطالعہ کی ضرورت ہے)۔

اوپر درج ان تفصیلات کو دیکھیں اور موجودہ حکومتی ڈھانچہ اور کارکردگی دیکھیں ___ تو بادنیٰ تأمّل یہ بات واضح ہوسکتی ہے کہ کس کس میدان میں کہاں کہاں خرابی ہے اور اس کی اصلاح کی ضرورت ہے اور یہ اصلاح کیسے کی جاسکتی ہے۔ نیت صاف ہو اور ارادہ پختہ ہو تو دنیا میں مشکل سے مشکل کام بھی آسان ہو جاتا ہیں۔ اصل ضرورت مسلمانانِ پاکستان میں اسلامی ریاست کے قیام اور پاکستان کو اس کے اساسی نظریہ کی طرف موڑنے کا احساس اجاگر کرنا ضروری ہے تاکہ عوامی سطح پر ایک احساس (WILL) پیدا ہو کہ اب ہمیں یہ کام کرنا ہے تو پھر ان شاءاللہ کوئی خارجی قوت اس تبدیلی کا راستہ نہیں روک سکتی ہے۔ پاکستان کا ایک حقیقی اسلامی فلاحی جمہوری اور عوامی

ریاست بننا درحقیقت کوئی نیا پروگرام نہیں ہے بلکہ مفکر پاکستان علامہ اقبال کی تعلیمات اور VISION کا تقاضا ہے اور قائداعظم محمد علی جناح بانئ پاکستان کی سینکڑوں تقریروں کا حاصل ہے۔ لہٰذا ـــــ اگر ایسا ہو جائے اور جب ایسا ہوگا تو اس سے پاکستان اپنی منزلِ مراد پر پہنچے گا اور حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات کا عصر حاضر میں نمونہ بنے گا اور بانیانِ پاکستان کی ارواح کو سکون میسّر آئے گا نیز ـــــ ان گمنام لاکھوں مسلمان مردوں، عورتوں، بوڑھوں، جوانوں اور بچوں بچیوں کی روحوں کو سکون میسر آئے گا۔ جنہوں نے قیام پاکستان کی جدوجہد میں اپنی جانیں قربان کر دیں اور کامیاب ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ان مسلمان بھائی بہنوں کو بخش دے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔

فکر اقبال کے احیاء کا کام

جنوبی ایشیا میں مسلمان غلام تھے اور دو صدیوں کی غلامی نے ان کے اسلامی جذبات کو سرد کر دیا تھا۔ علامہ اقبال نے ان کے دلوں میں اپنی خداداد صلاحیتوں کے ذریعے یعنی اپنی شاعری سے ایسا جذبہ پیدا کر دیا کہ مسلمان بیدار ہو گئے۔

علامہ اقبال کا فکر ـــــ صرف قومی فکر نہیں تھا ان کے فکر میں اسلام کا رنگ، حضرت محمد ﷺ کی ختم نبوت کی شان کے تقاضے، اسلام کا آخری الہامی دین ہونا، قرآن کا اللہ تعالیٰ کا آخری کلام ہونا، اسلام کا قیامت تک زندہ رہنا، قربِ قیامت میں اسلام کا عروج ہو کر ساری دنیا پر اسلام کی حکومت کا قائم ہو جانا جیسے اٹل حقائق کا ذکر تھا، یہی حقائق مسلمانوں کے اجتماعی ضمیر اور یاداشت کا حصہ تھے اور ہیں۔ علامہ اقبال کے فکر کو اسی وجہ سے پذیرائی ملی اور علامہ اقبال ہند کے مسلمانوں کے دِلوں کی آواز بن گئے اور ان کی وفات کے بعد بھی ان کا عطا کردہ جذبہ زندہ رہا اور صرف (1938ء-1947ء) دس سال کے اندر غاصب برطانوی سامراج کو گھر کا راستہ دکھا کر اپنے لیے ایک علیحدہ وطن حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

آج بھی اس جذبے کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے اس حقیقت کے اظہار میں کوئی شرم مانع نہیں ہے کہ پاکستان کی ترقی، خوشحالی، استحکام، دشمنوں کے سامنے ڈٹ جانا، کسی قسم کا عالمی صہیونی دباؤ قبول نہ کرنا ـــــ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہمارے اندر وہی فکرِ اقبال والا

جذبہ لوٹ آئے اور اس مقصد کے لیے ضروری ہے کہ ہم مسلمانانِ پاکستان اس ملک میں فکرِ اقبال کو دوبارہ زندہ کرنے کے کام میں لگ جائیں۔ کسی اور شخصیت کے نام پر کام کریں گے تو قوم میں انتشار پیدا ہوگا اور وہ کام ایک نیا مشن اور کام ہوگا۔ علامہ اقبال کا دیا ہوا فکر ___ اللہ، رسول ﷺ، قرآن، عشقِ رسول، اسلامی تعلیمات پر مبنی ہے۔ ہمارے ماضی کا آئینہ دار اور شاندار مستقبل کا ضامن ہے اور اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کا نقیب ہے اور اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کے اس کام نے مکمّل ہو کر رہنا ہے اور قربِ قیامت میں اسلام کا دوبارہ غلبہ اور عالمی غلبہ بھی ہو کر رہنا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا منصوبہ اور حضرت محمد ﷺ کی بتائی ہوئی حقیقتیں ہیں۔ لہٰذا ___ ہمارا مستقبل اور ہماری خیر اسی میں ہے کہ اس کام میں شریک ہو جائیں۔

جو مسلمان اس کام میں شریک نہیں ہوگا وہ ناکام رہ جائے گا۔ جو اس کام کو اپنا کام سمجھ کر سنبھل جائے گا اس کام میں مگن ہو جائے گا وہی کامیاب رہے گا، اس دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اس لیے کہ دنیا میں جلد ہی (ان شاءاللہ چند عشروں میں) ایک اسلامی ریاست قائم ہو کر دنیا کے لیے نمونہ بنے گی اور بعد ازاں وسعت پذیر ہو کر سارے روئے ارضی پر محیط ہو جائے گی۔

وَمَا ذَالِكَ عَلَى اللّٰه بِعَزِيْزٍ

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے، لب پہ آ سکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی
شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

ضمیمہ جات

1 مفکر پاکستان حضرت علامہ اقبال کے نام مصنفؒ کا ایک خط

2 علامہ اقبال کا مقامِ عظیم

3 اسلامی ریاست کا قیام۔ اتباعِ رسول ﷺ

4 اقبال کے افکار حکمت مغرب سے ماخوذ نہیں:

5 علامہ اقبال کی تالیفات

6 ہندو مسلم کشاکش کا مستقبل

7 فکر اقبال میں اسلامی ریاست کا تصور

8 علامہ اقبال اور احمدیت

مفکر پاکستان حضرت علامہ اقبال
کے نام مصنفؒ کا ایک خط

راقم مدیر حکمت بالغہ کی ایک کتاب 2012ء میں شائع ہوئی تھی جس میں اظہار کے لیے علامہ اقبال کے نام ایک تخیلاتی خط بھی شائع ہوا تھا۔ وہ خط اس خصوصی اشاعت سے بھی مناسبت رکھتا ہے۔ لہٰذا دوبارہ ہدیۂ قارئین ہے۔ (مدیر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بخدمت بزرگوار علامہ محمد اقبال مسرور و شگفتہ باشید

مضمون: **سو سال بعد آپ کا ایک انقلابی VISIONARY ہونے کا اعتراف**

السّلام علیکم و رحمۃ اللہ

01۔ اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ آپ عالم برزخ میں اپنی مرقد منوّر میں آرام سے ہوں گے آپ کی مرقد جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہوگا جو بے پناہ وسعتوں کا حامل ہوگا۔

02۔ آپ کے کلام سے جذبہ حاصل کرنے والے خوش نصیب لوگوں میں سے ایک ان سطور کا راقم بھی ہے۔ کافی عرصے سے خواہش تھی کہ آپ سے رابطہ کر کے جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے حالات آپ کے سامنے رکھوں مگر مناسب ماحول اور مناسب الفاظ نہیں پا رہا تھا اس لئے دیر ہوگئی۔

03۔ آپ نے جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے لئے 'شکوہ' اور 'جواب شکوہ' کے ذریعے جو 'صُور' پھونکا تھا (شکوہ جولائی 1911ء اور جواب شکوہ ستمبر 1913ء اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور) اس کے ٹھیک ایک صدی بعد آپ سے رابطہ ممکن ہو سکا ہے۔

04۔ صدی ڈیڑھ صدی کی اغیار کی غلامی میں 'آسودہ' اُمت مسلمہ نے انگڑائی لی اور آنکھ کھولی تو آپ نے اپنی بانگ درا (گھنٹی کی آواز) سے اُسے ایک باوقار اور خوبصورت قافلہ بنا دیا کہ دنیا حیران رہ گئی اور بیسویں صدی کی چھوتی دہائی میں 1366ھ کے رمضان کی 27ویں شب ملک پاکستان منصۂ شہود پر آ گیا۔

05۔ آپ کی شاعری نے ابلیسی صہیونی مغربی استعمار پر شانِ کلیمی سے ایسی کاری ضرب لگائی (ضرب کلیم) کہ برطانیہ کی عظیم سلطنت وقوت اس سے جانبر نہ ہوسکی۔ ابلیس کی فوری منعقدہ مجلس شوریٰ اگر امریکہ کو آگے بڑھا کر حالات کو نہ سنبھالتی تو دنیا کا نقشہ ہی اور ہوتا۔ برطانیہ عظمیٰ کے ایک سابق وزیراعظم کے اعترافی بیان کی کاپی اس خط کے ساتھ منسلک ہے۔ (دیکھئے صفحہ 142)

06۔ ابلیسی صہیونی برطانوی استعمار نے مسلم بیداری کے جوش اور ولولہ کے نتیجے میں پاکستان کا مطالبہ مان تو لیا مگر پہلے مرحلے میں ہی بدنیتی سے بہت سے مسلم اکثریت کے علاقے ہندو کو دے دیے پھر کشمیر میں جنگ چھیڑ دی اور کشمیر جنت نظیر کو متنازعہ بنا کر ایک ناسور بنا دیا کہ آج تک اس سے مسلم خون بہ رہا ہے۔ حیدرآباد دکن پر ہندو نے برطانوی اشیر باد پر قائداعظم محمد علی جناح کی وفات کی شب قبضہ کرلیا۔ جوناگڑھ پر بھی یہود کے فلسطین پر قبضے کی طرح ہنود نے ناجائز قبضہ کرلیا۔ مسلم دشمنی کے ان اقدامات پر عالمی طاقتیں ہندو غاصب کی پیٹھ پر تھپکی دیتی رہیں۔

07۔ نم آنکھوں کے ساتھ یہ کہنے کی جرأت بھی کر رہا ہوں کہ مسلمانوں کے باہمی اختلافات، امریکی اشارے، روسی تعاون اور ہندو کی مسلم دشمن سوچ کے تحت 1971ء میں پاکستان کا ایک بازو کاٹ کر الگ کر دیا گیا جواب برادر ملک بنگلہ دیش کہلاتا ہے۔

08۔ پاکستان کا وجود، وطنیت پرستی کی نفی، خدا کا اثبات اور مذہب و ریاست کے یکجا ہونے کی علامت تھا اور امّید تھی کہ پاکستان ایک مسلم نظریاتی ریاست کی حیثیت سے اُبھرے گا ـــــ مغرب کی ابلیسی طاقتوں کو 1949ء کی قراردادِ مقاصد کی منظوری کی صورت میں اپنی موت نظر آئی۔ لہٰذا پاکستان کی سالمیت کے خلاف ابلیس کی پے بہ پے مجالس شوریٰ منعقد ہوئیں اور عالمی یہودی کانگریس (WORLD JEWISH CONGRESS) اور اسرائیلی عمائدین پاکستان کے وجود ہی کے خلاف سازشیں کرنے لگے' فوجی حکمرانوں کے ذریعے پاکستان

کو مسلسل عدمِ استحکام کا شکار بنائے رکھا اور مرضی کے سول حکمرانوں کو بھی کبھی سکون نہ آنے دیا۔

09۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص کرم تھا کہ ہماری کوتاہیوں اور لغزشوں کے باجود 1998ء میں پاکستان ایٹمی قوت بن گیا۔ اس سلسلے میں ابلیسی قوتوں کا زبردست دباؤ تھا مگر پاکستان کے بہی خواہ متعدد عمائدین حکومت لائق صد تحسین ہیں کہ اُنہوں نے پہلے بھی اور اب تک اس سلسلے سے میں کوئی دباؤ قبول نہیں کیا۔

10۔ آپ کو یہ جان کر انتہائی مسرت بخش اطمینان ہوگا کہ 79ء میں شمالی مغرب کی طرف سے بے خدا کیمونسٹ استعمار بری نیّت سے پاکستان کی طرف بڑھ رہا تھا کہ پاکستان افغان عوام نے مل کر اس بدمست عالمی طاقت کو ہزیمت سے دوچار کر کے قصۂ ماضی بنا دیا اس طرح مسلمانوں کے ہاتھوں برطانیہ عظمیٰ کے زوال کے بعد جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے ہاتھوں 1990ء میں دوسری عالمی طاقت بھی غوری، غزنوی اور ٹیپو سلطان کے جانشینوں کے ہاتھوں ماضی کے دھندلکوں میں گم ہوگئی۔

11۔ برادر مسلم ملک افغانستان کا آپ نے ذکر فرمایا تھا اور ان کے مسلّم آہنی عزم اور دینی غیرت کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے کچھ مشورے دیے تھے۔ الحمدللہ کہ برادر افغان بھائیوں نے پہلے روس کے خلاف سینہ سپر ہو کر درویشانہ بہادری کی داستان رقم کر دی دوسری مرتبہ اس ابلیسی صہیونی استعمار نے امریکہ کی سربراہی میں 2001ء میں پھر افغانستان کا رُخ کیا اور خواہش کے باوجود اب تک افغانوں کے جسم و جان سے 'رُوحِ محمدؐ' کو نہیں نکال سکا۔ بلکہ دس سالوں کی مسلسل ناکامیوں کے بعد بدحواس ہو چکا ہے اور عنقریب زخموں سے چور ہو کر ایسا گرے گا کہ واقعی مغربی استعمار پر END OF HISTORY کا لیبل لگ جائے گا۔ برطانوی ہند کا مسلم علاقہ جہاں آپ نے مسلمانوں کے لیے علیحدہ وطن کا خواب دیکھا تھا وہ ایک صدی میں تین عالمی طاقتوں کی موت کا گھاٹ ثابت ہوا ہے۔

پاکستان پہلے چالیس قمری سال تو ہر طرح سے دشمنوں کے نرغے میں رہا ہے مگر اس کے بعد 86ء سے حالات چیونٹی کی رفتار سے مجموعی طور پر بہتری کی طرف جا رہے ہیں اور الحمدللہ پاکستان کی ریاست اپنے قیام کے مقصد کی طرف بڑھ رہی ہے۔

12۔ پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے ساتھ مئی 1948ء صہیونیت اور ابلیس کی ذرّیت صلبی ومعنوی نے اسرائیل نام سے ایک 'ناجائز' ریاست بنالی تھی جو مسلسل مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں شریک ہے اور مشرقِ وسطی میں اس نے فلسطینی مسلمانوں پر قیامت ڈھا رکھی ہے۔

13۔ حالات کا رُخ بتا رہا ہے کہ آپ کے VISION کے عین مطابق تہران واصفہان سے ایک قوت اُٹھ کر اس صہیونی عفریت کو پابہ زنجیر کر دے گی اور یوں اگلے چند عشروں میں آپ کی یہ توقع پوری ہوتی نظر آ رہی ہے کہ

ے ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر

14۔ جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے اس بے پایاں احسان پر احسان مندی کے جذبات کے ساتھ ساتھ فخر بھی ہے کہ آپ جیسا رہنما ملا جس نے یہاں کے مسلمانوں کو وہ جذبہ اور ولولہ دیا جس کی مثال تاریخ انسانی میں نہیں ہے۔ آپ کی بانگ درا ـــــــ سے بیدار ہو کر آگے بڑھنے والے مسلمان ایسے آگے بڑھے ـــــــ ایسی شمشیر بے زنہار بنے، ایسا سیل رواں بنے کہ ـــــــ دنیا حیران ہے کہ صرف ایک سو سال کے اندر تین عالمی صہیونی مغربی سپر طاقتوں کو موت کے گھاٹ اُتارنے کا باعث بن گئے اور فرشتے آسمان پر سہمے ہوئے ہیں کہ کل کے غلام آج کے غوری اور غزنوی کیسے بن گئے اور آپ کی عقابی نگاہ میں برطانوی ہند کا شمال مغربی علاقے کی بڑی اہمیت تھی جس کے بارے میں آپ نے کہا تھا

ے افغان باقی کوہسار باقی
الحکم للہ الملک للہ

اور ے آسیا یک پیکر آب و گل است
ملت افغان درآں پیکر دل است
از فسادِ اُو فساد آسیا
از کشادِ اُو کشاد آسیا

ـــــــ آپ کا مشاہدہ صد فی صد درست نکلا اور آج آپ کی عظمت فکر، عروج تخیل اور صحت فکر کا

لو ہا دنیا مانتی ہے کہ برطانوی ہند کا شمال مغربی علاقہ عصر حاضر میں ابلیسی عالمی صہیونی سپر طاقتوں کا قبرستان بن گیا ہے اور وہ دن دور نہیں جب آپ کی بصیرت (VISION) کے مطابق مشرق وسطیٰ میں حق و باطل کی عظیم جنگ (ARMAGADON) کے فیصلہ کن مرحلہ میں اسی وادیٔ سندھ (دریائے کابل بھی دریائے سندھ میں آ کر گرتا ہے لہٰذا افغانستان بھی سندھ کی وادی کا حصہ ہے) کا بازوئے شمشیر زن اُٹھ کر باطل کا ستیاناس کر دے گا۔

؎ از خاکِ سمرقندے ترسم کہ دگر خیزد
آشوبِ ہلاکوئے ہنگامۂ چنگیزے

؎ خضر وقت از خلوت دشت حجاز آید بروں
کارواں زیں وادی دور و دراز آید بروں

اور اس طرح نوع انسانی پر آشکار ہوگا کہ میر عرب ﷺ کو مشرق سے آنے والی ٹھنڈی ہوا کی رمز کیا تھی۔

؎ میر عربؐ کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے
میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

اور جنوبی ایشیا میں مسلم ریاست کے لئے آج کے صوبہ خیبر پی کے، سندھ، پنجاب، بلوچستان کے علاقوں پر خالق کائنات کی نگاہ انتخاب کیوں پڑی تھی اس لیے کہ افغانستان اور پاکستان کے یہ علاقے مل کر ہی انسانیت کو ابلیسی قوت کے جال سے نکالنے کا عزم رکھتے ہیں اور بے پناہ جذبے سے سرشار ہیں۔ آپ کا یہ تجربہ بھی بالکل صحیح تھا کہ آپ کے مخاطب مسلمان کم کوش تو ہو سکتے ہیں بے ذوق نہیں تھے۔ ایک صدی کے حالات و واقعات نے اس پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔

15۔ آپ کے (اپنی مرقد میں) آرام میں مُخل ہونے اور سمع خراشی کی بے باکانہ جرأت پر معذرت خواہ ہوں۔

بصد احترام

ایک دردمند مسلمان
انجینئر مختار فاروقی

علامہ اقبال کا مقامِ عظیم

(حکمت اقبال (صفحہ 48) سے ایک اقتباس۔ ڈاکٹر محمد رفیع الدین)

''تعلیم نبوت اور فلسفہ کا یہ اتصال انسان کے علمی ارتقاء کا ایک بہت بڑا واقعہ ہے جو نوعِ انسانی کو ترقی کے ایک نئے دور میں داخل کرتا ہے اور اقبال اس دور کا نقیب ہے۔ اس واقعہ سے اس عالمگیر ذہنی انقلاب کا آغاز ہوتا ہے جس کا ذکر اُوپر کیا گیا ہے اور جس کے نتیجہ کے طور پر مسلمان قوم دنیا میں غالب ہوگی اور عالم انسانی، امن اور اتحاد کی دولت سے مالا مال ہوگا۔ اس واقعہ سے حقیقت انسان کا علم جس پر انسان کے دائمی امن اور اتحاد کا دارومدار ہے، پہلی دفعہ ایسی منظّم صورت میں سامنے آیا ہے جو دورِ حاضر کے انسان کو مطمئن کرسکتی ہے اور جو اس کی عالمگیر مقبولیت کی ضامن ہے۔ اقبال مسلمانوں کو نہایت زوردار الفاظ میں ''عشق'' اور ''زیرکی'' کی جس آمیزش کی دعوت دیتا ہے وہ خود ہی اس کا آغاز کرتا ہے اور اس طرح سے خود ہی ''عالم دیگر'' کی بنیاد رکھتا ہے۔ گویا اقبال آئندہ کے لیے اس عالمگیر ذہنی انقلاب کا نقیب ہی نہیں بلکہ بانی بھی ہے جس کے بعد اور کوئی ذہنی انقلاب نہیں آسکے گا لہٰذا اقبال آئندہ کی مستقل عالمگیر ریاست (WORLD STATE) کا وہ ذہنی اور نظریاتی بادشاہ ہے جس کی بادشاہت کو زوال نہیں۔ ایک معمولی آدمی کے لیے جو رسول نہیں بلکہ رسول ﷺ کا ادنیٰ غلام ہے، عظمت کا یہ مقام اس قدر بلند ہے کہ اس سے بلند تر مقام ذہن میں نہیں آسکتا۔ اقبال اپنے اس مقام سے آگاہ ہے یہی سبب ہے کہ وہ بار بار اپنے اشعار میں کہتا ہے کہ اسے زندگی کے راز سے آشنا کیا گیا ہے۔ آج تک کسی شخص نے کائنات کے وہ اَسرار و رموز بیان نہیں کیے جو اس نے بیان کیے ہیں۔ اس کی حکمت معانی اور حقائق کے بیش قیمت موتیوں کی ایک لڑی ہے جس کی کوئی نظیر آج تک پیش نہیں کی گئی۔ اگرچہ وہ ایک ذرّہ ہے لیکن سورج کی روشنی سے ہمکنار ہے۔ علم و حکمت کے نورکی سینکڑوں صبحیں اس کے گریبان میں روشن ہیں۔ اس کی خاک جامِ جم سے زیادہ منوّر ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ آنے والے دور میں کیا ہونے والا ہے۔ اس کے فکر کی رسائی ان حقائق تک ہوئی ہے جو ابھی دوسرے لوگوں پر آشکار نہیں ہوئے۔''

فقر ـــــ پس چہ باید کرد ..... علامہ محمد اقبال

1

اسلامی ریاست کا قیام

درویشی کی زندگی اختیار کر کے رُوئے ارضی کی مسجد کو کافروں سے واگزار کرانا ہے۔

مومناں را گفت آں سلطانِ دیںؐ ’مسجدِ من ایں ہمہ روے زمیں‘
اَلاماں از گردشِ نُہ آسماں مسجدِ مومن بدستِ دیگراں
سخت کوشد بندۂ پاکیزہ کیش تا بگیرد مسجد مولاے خویش

ترجمہ: اس سلطانِ دین (ﷺ) نے مسلمانوں سے فرمایا کہ ’یہ تمام روئے زمین میری مسجد ہے‘۔ نو آسمانوں کی گردش سے پناہ ہے کہ مسلمانوں کی مسجد غیروں کے قبضے میں۔ پاک فطرت بندہ زبردست جدوجہد کرتا ہے تاکہ اپنے آقا کی مسجد غیروں کے قبضے سے چھڑا لے

2

اتباعِ رسول ﷺ

اے تہی از ذوق و شوق و سوز و درد می شناسی عصر ما با ما چہ کرد!
عصرِ ما ما را ز ما بیگانہ کرد از جمالِ مصطفٰے بیگانہ کرد

اے مخاطب! تو جو ذوق، شوق اور سوز سے خالی ہے، پہچانتا بھی ہے کہ ہمارے دور نے ہمارے ساتھ کیا کیا؟ ہمارے دور نے ہم کو ہم ہی سے دور کر دیا ہے۔ اس نے ہمیں مصطفیٰ ﷺ کے جمال سے بیگانہ کر دیا ہے

علامہ اقبال کے افکار حکمت مغرب سے ماخوذ نہیں:

(حکمت اقبال (صفحہ 59) سے ایک اقتباس۔ ڈاکٹر محمد رفیع الدین)

''بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اقبال نے اپنے تصورات حکمائے مغرب سے مستعار لیے ہیں۔ لہٰذا ان لوگوں کی نگاہ میں اقبال پر لکھنے یا ریسرچ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اقبال کے ماخذ کو حکمت مغرب میں تلاش کیا جائے اور اسے وہ ایک نہایت ہی ضروری اور بڑا عظیم الشان کام سمجھتے ہیں جو لوگوں کو اقبال پر کرنا چاہیے دراصل یہ لوگ مادّی علوم میں مغرب کے تفوّق سے مرعوب ہو کر یہ سمجھتے ہیں کہ ان انسانی علوم میں بھی جس کو اقبال نے اپنے غور و فکر کا موضوع بنایا ہے، کہاں کوئی مشرق کا آدمی مغرب سے الگ راہیں پیدا کر سکتا ہے۔ حالانکہ حکمائے مغرب کو خود اعتراف ہے کہ وہ انسانی علوم میں کوئی ترقی نہیں کر سکے یہ لوگ اس بات کو نظر انداز کر جاتے ہیں کہ تمام حکیمانہ افکار کسی نہ کسی تصورِ حقیقت کے اجزا و عناصر ہوتے ہیں اس کی تشریح اور تفسیر کرتے ہیں اور اس کے اردگرد ایک نظام حکمت بناتے ہیں اقبال کا تصورِ حقیقت اسلام کا خدا ہے جس کے لیے وہ خودیٔ عالم کی فلسفیانہ اصطلاح کام میں لاتا ہے اور مغرب میں ایک بھی فلسفی ایسا نہیں جس کا تصورِ حقیقت اسلام کا خدا ہو۔ لہٰذا ممکن ہی نہیں کہ کسی مغربی حکیم کا کوئی تصور اپنی اصلی حالت میں اقبال کے کام آ سکے اس میں شک نہیں کہ خودی (SELF) کی فلسفیانہ اصطلاح بعض حکمائے مغرب نے بھی کی ہے لیکن ان میں کسی کے ہاں اس اصطلاح کے معنی وہ نہیں لیے گئے جو اقبال نے لیے ہیں اور جس کے منطقی یا عقلی مضمرات یا نتائج، اسلام کے خدا کی صفات کے ساتھ مطابقت رکھتے ہوں اگر اقبال کے فلسفہ کا مرکزی تصور یعنی تصور خودی اس کا اپنا تصور ہے جو کسی اور فلسفی کے ہاں موجود نہیں تو پھر ضروری ہے کہ اقبال کے اس مرکزی تصور کے مضمرات اور متضمّنات بھی اس کے اپنے تصورات ہوں اگرچہ ان میں سے بعض ایسے ہوں جو کچھ مغربی فلسفیوں کے تصورات سے مشابہت رکھتے ہوں اور بظاہر ان سے مستعار نظر آتے ہوں۔''

علامہ محمد اقبال کی تصانیف

(’شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا‘۔سیّد قاسم محمود)

علامہ کی تمام شاعری کی تصانیف 1973ء میں کلیاتِ اقبال کے نام سے مجموعی طور پر شائع ہو چکی ہیں مگر اس سے پہلے یہ علیحدہ علیحدہ لاکھوں کی تعداد میں شائع ہوئی ہیں۔آپ کی تصانیف مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ **بانگ درا** پہلی اردو نظموں کا انتخاب 1924ء میں شائع ہوا

2۔ **بالِ جبریل** اردو نظموں کا انتخاب 1935ء میں شائع ہوا۔

3۔ **ضربِ کلیم** اردو نظمیں جولائی 1936ء میں شائع ہوئی۔

4، **اسرار خودی** (فارسی مثنوی) 1915ء میں شائع ہوئی۔

5۔ **رموز بے خودی** (فارسی مثنوی) 1918ء میں شائع ہوئی۔

6۔ **مجموعہ اسرار و رموز** دونوں مثنویوں کا مجموعہ 1940ء میں شائع ہوا

7۔ **پیام مشرق** (فارسی نظم) جرمنی کے شاعر گوئٹے کے جواب میں 1912ء میں شائع ہوئی۔

8۔ **زبور عجم** (فارسی نظمیں) جون 1927ء میں شائع ہوئی۔

9۔ **جاوید نامہ** (فارسی نظم) اٹلی کے شاعر دانتے کے جواب میں 1932ء میں شائع ہوئی

10۔ **مسافر** (فارسی) سفر نامہ افغانستان۔تھوڑی تعداد میں چھپی۔

11۔ **پس چہ باید کرد اے اقوام شرق** (فارسی مثنوی) پہلی بار 1936ء میں مسافر کے ساتھ چھپی۔

12۔ **ارمغان حجاز** (فارسی اور اردو نظمیں) نومبر 1938ء میں شائع ہوئی۔

13۔ **علم الاقتصاد** 1901ء کے لگ بھگ شائع ہوئی۔اس کا دوسرا ایڈیشن 1961ء میں شائع ہوا۔

14۔ "The Development Of Metaphysics In Persia"

پہلی بار لندن میں شائع ہوئی۔اس کا اردو ترجمہ حیدر آباد دکن سے 1936ء میں فلسفہ عجم کے نام سے شائع ہوا۔یہ ایران میں مابعد الطبیعیات کے موضوع پر ایک مبسوط مقالہ ہے۔

15۔ "The Reconstruction Of Religous Thought In Islam"

یہ مشہور سات لیکچروں کا مجموعہ ہے۔جن میں پہلے چھ لیکچر 1930ء میں لاہور سے چھپے، دوسری بار ساتویں لیکچر سمیت 1934ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی کی طرف سے اور تیسری بار کا اردو ترجمہ لاہور سے 1957ء میں شائع ہوا۔

16۔ مکاتیب اقبال کے مختلف مجموعے اور ان کے علاوہ متعدد اردو انگریزی مضامین، لیکچرز اور نظمیں ’’باقیات اقبال‘‘ کے نام سے شائع ہوتے رہے ہیں۔

جنوبی ایشیا میں مسلم بیداری اور حصولِ آزادی کا دوسرا فریق 'ہندو' ہے جس سے پاکستان کی نظریاتی کشاکش ایک ہزار سال کی تاریخ رکھتی ہے۔ خصوصی اشاعت بابت سال 2014ء 'ہندو مسلم نظریاتی کشاکش' سے ایک حصہ ہم یہاں قارئین کے استفادہ کیلئے شائع کر رہے ہیں۔

ہندو مسلم کشاکش کا مستقبل

ہمارے نزدیک بھارت میں ہندومت دو بڑے حصوں میں منقسم ہے:

☆ روایتی ہندو ORTHODOX HINDU

☆ لبرل، جدید اور ہندو امپریلزم (ہندومت کے علاقائی غلبے) کے سہانے خواب دیکھنے والا ہندو۔

اسی طرح ہے اس وقت پاکستان کے مسلمان بھی دو حصوں میں منقسم ہیں اور فرق دن بدن واضح ہوتا جا رہا ہے۔

☆ بنیاد پرست جہادی اور اسلام کے عالمی سیاسی غلبے کے خواہاں مسلمان۔

☆ لبرل، روشن خیال اور ماڈریٹ مسلمان۔

بھارت: بھارت کا روایتی ہندو مذہبی طبقہ ـــــ مذہبی روایات کا حامل اور سیاست و حکومت سے دُور اپنے مذہبی رنگ ڈھنگ میں مگن صدیوں سے ایک ہی رنگ میں زندگی گزار رہا ہے۔ مذہبی کتابیں پڑھنا اور اس کے علوم کی نگرانی کرنا اور اس کی روشنی میں ہندو قوم کو رہنمائی دینا اصلاً اسی طبقہ کا کام ہے۔ عملاً چونکہ ہندو مذہبی وراثت پر کم از کم گزشتہ دو ہزار سالوں سے کوئی دھچکا لگانے والا واقعہ نہیں ہوا؛ لہٰذا یہ طبقہ خاموش اور انتظار کرو اور دیکھو (WAIT & SEE) کی پالیسی پر کھڑا ہے۔

آج سے آٹھ صدیاں قبل جب جنوبی ایشیا میں مسلم اقتدار آیا تو اُس وقت ہندو مذہبی طبقہ بیدار نہیں تھا اور ذرائع آمد و رفت کی کمی کی وجہ سے پورے ہند میں تنظیمی لحاظ سے زیادہ منظّم بھی

نہیں تھا سیاسی اور جغرافیائی اعتبار سے بھی چونکہ کبھی پہلے بھی یوں منظّم انداز میں ایک اکائی نہیں رہا تھا؛ لہٰذا ـــــ انہوں نے اسلام کو اپنے لئے کوئی بڑا THREAT تصور نہیں کیا۔ جبکہ ـــــ ہندومت کا دوسرا طبقہ بھی آج سے آٹھ صدیاں قبل اتنا بیدار اور آس پاس کے حالات سے اتنا واقف نہیں تھا جس وجہ سے اس طبقہ نے بھی مسلم اقتدار کو سکندر و دارا یا دیگر باہر سے آنے والوں کی طرح سمجھا اور فوری اہمیت نہیں دی۔ مسلم اقتدار کے طول پکڑنے سے کچھ پریشانی ہوئی تھی تو بعض اقدامات کیے یعنی سولہویں صدی میں مغل عہد میں سیاسی طور پر بیدار ہوئے۔

ہندومت کے اس دوسرے طبقہ (جو فعال ہے) کے حالات میں ماضی کے مقابلے میں ایک نئی جہت کا اضافہ ہوا ہے۔ یعنی پہلے ہندومت صرف بھارت میں یا کچھ مشرقِ بعید میں اور وہ بھی اس طرح کہ ہندومت کبھی وہاں نہیں گئی بلکہ وہاں کے لوگ یہاں آتے تھے بس یک طرفہ تعلق تھا۔ آج کے ہندومت کا فعال طبقہ ـــــ دنیا بھر میں پھیل چکا ہے۔ مغربی تہذیب و ترقی کے پھیلاؤ کی وجہ سے اور روزگار کے معاملات کے لئے ہندو جب دیس دیس گیا ہے تو اس کی سوچ اور مذہبی تصورات میں جدّت آئی ہے اور اپنے دیس بھارت میں اور جنوبی ایشیا میں ہی سہی ایک منی سپر پاور بن کر رہنے کی جدوجہد میں عالمی طاقتوں سے گٹھ جوڑ کا اضافہ ہوا ہے۔ روس، امریکہ، چین اور عالم عرب (جہاں 50 لاکھ ہندو بسلسلہ روزگار مقیم ہیں) سے تعلقات بھارت کی خارجہ پالیسی میں اہم کردار رکھتے ہیں۔

آج کے پاکستان کے مسلمانوں کے دونوں طبقات دو صدیوں پہلے کے مسلمانوں کے مقابلے میں زیادہ فعال، پراُمید، صاحب یقین اور عالمی حالات سے واقف ہیں۔ اگرچہ دونوں طبقات کے احوال میں بنیادی فرق بھی ہے۔

1۔ ہندومت کے برعکس مسلمانوں کا روایتی مذہبی طبقہ فعال بھی ہے اور عالمی اسلامی غلبے کی آرزو رکھنے والا بھی ہے۔ یہ طبقہ کئی محاذوں پر سرگرم ہے اور ایک طبقہ عملی جہاد میں بھی سرگرم ہے۔

2۔ ہندومت کے طبقات کے برعکس مسلمان صرف پاکستان میں نہیں بلکہ دنیا کے 60 ممالک ایسے ہیں جن کے سربراہ مسلمان ہیں اور ان ممالک میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کا ایک فطری عالمی نظریاتی رابطہ ہے۔

3۔ پاکستان کے اندر بھی روایتی مذہبی طبقہ اور فعال عناصر اسلام کے غلبے کی آرزو کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں اور لاکھوں لوگ ہیں جنہوں نے اسی مقصد کے لئے اپنی زندگی وقف کر رکھی ہے اور سب جان و مال دین کے لئے لٹانے کے آرزومند ہے۔

4۔ مسلمانوں کا لبرل طبقہ نام کا مسلمان ہے تاہم ان میں سے اکثر مغربی صہیونی عالمی طاقتوں کے پیدا کردہ آزاد خیال یا روشن خیال لوگ ہیں اور بنیاد پرست یا FUNDAMENTALIST کہلانے کے روادار نہیں بلکہ مذہب کے ایک غیر مذہبی اور سیکولر ایڈیشن پر یقین رکھتے ہیں۔

5۔ مسلمانانِ پاکستان میں وقت کے ساتھ پہلے طبقے کا پلڑا بھاری ہو رہا ہے جبکہ دوسرا طبقہ کے لوگ مغربی طاقتوں بلکہ امریکی ترقی سے متأثر ہے اور مغرب ہی کی عینک لگا کر سوچتے اور فیصلے کرتے ہیں۔ اس طبقہ کے لوگ گزشتہ ایک صدی سے (پہلے برطانوی اور اب) امریکی حکومتوں سے گٹھ جوڑ رکھتے ہیں اور مراعات لیتے ہیں اور انہوں نے ملک کے اندر اور بیرون ملک میں اپنے اثاثے خوب بڑھا لیے ہیں۔ ان کی اُٹھان اور سیاست اکثر و بیشتر امریکی امداد ہی کے زور پر ہے۔ ان میں سے بعض نے NGO's کے نام سے ادارے بنا رکھے ہیں جو براہِ راست امریکہ سے رقوم وصول کرتے ہیں اور ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث ہیں۔

بھارت کا مستقبل(I)

بھارت میں اس وقت ان کے فعّال اور MILLITANT طبقہ کی حکومت ہے اور یوں سمجھیں کہ ہندومت کے خوابوں کے عین مطابق تاریخ کے دھارے میں پورے بھارت پر خاص ہندومت حکمران ہے۔ وسائل بھی موجود ہیں غیر ملکی جارحیت کا بھی فوری امکان نہیں داخلی طور پر بھی کم از کم مسلمانوں کی طرف سے کوئی احتجاج یا حکومت گرانے کا خطرہ نہیں ہے۔ لہٰذا ـــــ تاریخ کے بہاؤ میں اب یہ ہندومت کے لیے 'محشر کی گھڑی' ہے کہ اپنے دعوؤں اور مذہبی روایات کے مطابق دنیا کو دکھائے کہ وہ برسر اقتدار آ کر اپنے عوام اور ملک کے شہریوں کے لئے کیا کچھ کر سکتی ہے۔ نچلے طبقات کی دلجوئی اور اطمینان، عدل و انصاف، معاشی اونچ نیچ، عورتوں پر مظالم، غیر ہندو شہریوں بالخصوص مسلم اقلیت کے ساتھ بہتر سلوک جیسے کام ہیں کہ اب اس خالص نظریاتی

ہندومت کی حکومت کو اپنے دعوؤں کے مطابق سرانجام دینے چاہئیں۔

اگلے دس بیس سال کے حالات بتائیں گے کہ ہندومت کے فلسفے اور ویدوں و اپنشدوں کی تعلیمات نے اشرافیہ کے مظالم سے پست اور دبے ہوئے طبقات کو کیسے اور کتنا ریلیف (RELIEF) دیا ہے عدل و انصاف اور روزگار کے کتنے مواقع پیدا کئے ہیں۔عوام کے بنیادی حقوق کا کس حد تک خیال رکھا ہے۔

پاکستان کا مستقبل (I)

پاکستان کا مستقبل بہت کچھ منحصر ہے بیرونی عالمی طاقتوں کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں پر اور بھارت کے دل سے پاکستان کو تسلیم کر کے اس کو زندہ رہنے کے لئے حق دینے پر۔اس لیے کہ عالمی صہیونی گٹھ جوڑ نے عالم اسلام اور بالخصوص پاکستان کے خلاف ایک غیر اعلانیہ جنگ چھیڑ رکھی ہے اور یہ جنگ گزشتہ تین صدیوں سے مسلسل جاری ہے یہ صلیبی جنگ ہے۔افسوس کہ بالعموم مسلمان اس صورت کا احساس نہیں کرتے۔توجہ دلائیں تو کہتے ہیں کہ آپ کو ہر واقعہ کے پیچھے امریکہ کی سازش نظر آتی ہے۔جی ہاں حقیقتاً ایسا ہی ہے اور حالت جنگ میں یہی ہوتا ہے اور پاکستان کے ساتھ (اور عالم اسلام کے ساتھ) یہی ہو رہا ہے۔۔۔۔۔اگر ایسا ہو گیا اور اُمّید ہے کہ ایسا ہو گا تو امریکہ کی افغانستان سے واپسی کے بعد اسلام کے عملی نفاذ کی طرف پیش قدمی ہو گی اور خوش قسمتی ہے اس دور کا آغاز ہونے کے آثار نظر آ رہے ہیں۔

پاکستان کے داخلی استحکام کی طرف یہ پہلا قدم ہو گا اور اگر امریکہ وغیرہ کی پاکستان میں مداخلت کو روکا جا سکے تو وہ دن پاکستان کے عوام کے لئے 14 اگست 1947ء سے زیادہ خوشی کا ہو گا جس دن یہ واقعہ ہو گا اس دن مسلمان کا لبرل طبقہ اپنے مستقبل سے مایوس ہو جائے گا اور بہت جلد اس طبقہ میں سے تین قسم کے لوگ نکلیں گے:

1۔ وہ مخلص مسلمان جو کسی غلط فہمی، خاندانی اثرات اور کسی دباؤ کی وجہ سے ایسا کرنے پر مجبور تھے، جلد ہی توبہ کر کے پہلے طبقے میں شامل ہو جائیں گے۔

2۔ ایسے لبرل مسلمان بھی ہوں گے جن کو اپنا مفاد ملک کے اندر کے بجائے بیرون ملک اور امریکہ، آسٹریلیا اور کینیڈا میں نظر آئے گا وہ وہاں فرار ہو جائیں گے اور بہت سے باقی حضرات

ملک کے اندر خانہ جنگی میں ہلاک ہو جائیں گے۔اس لئے کہ اگر اصلاح نہ کی گئی اور اس میں تاخیری حربے استعمال کئے گئے تو پاکستان میں آنے والے برسوں میں خانہ جنگی کا شدید خطرہ ہے یہ خانہ جنگی ملک کے اندر غریب وامیر کے فرق یا HAVE'NT اور HAVE'S کے درمیان ہوگی اور اِصلاحِ احوال کی سنجیدہ کوششیں نہ ہوئیں تو یہ خانہ جنگی بڑی خونریز اور طویل بھی ہوسکتی ہے۔

بھارت یا ہندومت کا مستقبل(II)

☆ اولاً 1947ء میں آزادی کی بھارتی حکومتوں نے ملک کے عوام کے لئے کچھ نہیں کیا اور موجودہ حکومت بھی بلند بانگ دعوؤں کے باوجود گمانِ غالب ہے کہ کچھ نہیں کر پائے گی اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ پاکستان کی طرح دنیا کی مغربی طاقتیں اس ملک کی ترقی اور خوشحالی کے خلاف ہیں بلکہ بھارت کی آج تک بننے والی تمام حکومتوں کا عوام کی فلاح کے لئے کچھ نہ کرنا اور ملک کو فلاحی ریاست میں تبدیل نہ کرسکنا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ہندو فلسفہ حیات میں اور ان کی مذہبی تعلیمات میں ایک فلاحی ریاست کا تصور ہی نہیں ہے۔

☆ ثانیاً۔۔۔اگر موجودہ حکومت یا آئندہ آنے والی حکومت بدیشی نظریات مستعار لے کر ملک کے اندر نافذ کر کے عوام کی بہتری کے لیے کوشش کرتے ہیں (از قسم روسی نظامِ حیات یا چینی نظامِ حیات) تو یہ فرسودہ نظام ہیں کامیابی کی صورت میں بھی بھارتی عوام کا اپنے مذہب سے یقین اُٹھ جائے گا کہ اس میں عوام کی فلاح و بہبود (WELFARE) کا کوئی گوشہ ہی نہیں ہے اور بھارت کی عوام کو جوڑ کر رکھنے والی شئے یہی ہندومت ہی ہے۔ ہندومت سے یقین اُٹھ جانے کے بعد ملک کو متحد رکھنا۔۔۔ناممکن ہوجائے گا اور لوگ دوسرے مذاہب کے بارے میں سوچنا شروع کردیں گے۔

☆ ہمارے نزدیک بھارتی حکومتوں کا اپنے عوام کے لئے کچھ نہ کرسکنا دراصل ہندومت یا جین مت میں ذات پات کی تقسیم ہے جسے قبول کرلیا گیا ہے۔اس غیر منصفانہ سوچ کے ساتھ کسی معاشرے کی فلاح کا کوئی پروگرام کامیاب نہیں ہوسکتا۔

☆ اوپر درج مختلف صورتوں میں زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ بھارت کی حکومت اپنی ناکامیوں کو چھپانے کے لئے پاکستان سے کسی بڑی جنگ کا خطرہ مول لے لے۔

ایسی صورت میں کہ بھارت پاکستان پر حملہ کردے امریکہ کے خطہ سے چلے جانے

بعد اور پاکستان کے ایٹمی طاقت ہونے کی وجہ سے ـــــ یہ جنگ ایک تباہ کن جنگ ہوگی جس میں دونوں طرف کے وسائل کا ضیاع ہوگا اور بے حساب انسانی جانیں تلف ہوسکتی ہیں، لیکن بھارتی حکومتوں اور ہندو نظریات کا اس کے علاوہ کوئی ممکنہ حل اور ہے ہی نہیں۔ واللہ اعلم۔

پاکستان کا مستقبل (II)

پاکستان جن مقاصد کے لئے حاصل کیا گیا تھا ان کا تذکرہ گزشتہ باب میں آچکا ہے ـــــ اگر پاکستان امریکی دباؤ کی کمی کے بعد ان مقاصد کو حاصل کر کے ملک میں اسلام کا عادلانہ ُمنصفانہ نظام قائم کرنے میں کامیاب جاتا ہے تو یہ بات جنوبی ایشیا میں بھی اور عالمی سطح پر بھی بہت بڑی خبر ہوگی اس لئے کہ:

☆ دنیا کے تمام ممالک بالخصوص ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک نے مغربی دنیا کے نظریات کا تجربہ کر کے دیکھ لیا ہے ان پر عمل کر کے انسانیت کو فلاحی ریاست دینا ممکن نہیں ہے جمہوریت چند سرمایہ داروں کا کھیل ہے۔ مارکس کے نظریات روس میں ہی ناکام ہو چکے۔ اب دنیا کسی قابل عمل اقتصادی عادلانہ منصفانہ نظام کی راہ دیکھ رہی ہے اور پاکستان اسلامی نظریہ کی بنیاد پر ہی بنا تھا اور اسی نظریہ کی بنیاد پر مستحکم ہوگا لہٰذا ـــــ پاکستان میں اسلام کے عادلانہ نظام کا کامیاب تجربہ ملکی استحکام کے ساتھ ساتھ دنیا کے لیے ایک نمونہ ہوگا جو بانیانِ پاکستان کا خواب بھی تھا۔

☆ مسلمانوں کی مذہبی کتابوں میں درج ہے کہ قربِ قیامت میں حضرت محمد ﷺ کا لایا دین غالب ہوگا اور پھر وہ عالمی سطح پر دنیا کا واحد دین بن جائے گا اور دنیا حضرت محمد ﷺ کی رسالت کی ببانگ دہل گواہی دے رہی ہوگی۔

☆ اسی طرح مسلمانوں کی مذہبی کتابوں میں ہے کہ مشرق وسطیٰ میں بڑی تباہی والی جنگ ہوگی جس کے بعد اسلام کا نظام نافذ ہوگا۔ اسی طرح ایک اسی جنگ کا بھی ذکر ہے جو بھارت (ہند) کے خلاف لڑی جائے گی اور جس میں مسلمان کامیاب ہوں گے۔

☆ مسلمانوں کی مذہبی روایات میں یہ بھی ہے (اور ہندومت کی مذہبی روایات میں بھی ہے) کہ ایسی جنگ کے بعد بھارت کا مخلص مذہبی طبقہ اسلام قبول کر لے گا۔

بھارت کی اونچی مذہبی قیادت کا اسلام قبول کرنا کوئی عام معنیٰ میں پاکستان کی فتح اور

بھارت کی ناکامی نہیں ہوگی بلکہ ـــــ یہ ایک نظریہ کی جیت ہے اور مسلمان تو 1400 سال قبل بھی یہی کہتے تھے (دشمن سے جنگ شروع کرنے سے قبل) کہ مسلمان ہو جاؤ ـــــ ایک سطر کی عبارت ہے زبان سے ادا کر دو تم ہمارے بھائی بن جاؤ گے ـــــ بھارت کی ہندومت سے ہمارا آج بھی یہی مطالبہ ہے کہ اتنی بڑی جنگ کر کے جو مسلمان ہونا ہے آج اسلام لے آؤ مسلمان ہو جاؤ اور پورے جنوبی ایشیا میں مسلم اکثریت کی بنیاد پر حکومت بناؤ اور اسلامی عادلانہ نظام کی برکات سے فائدہ اٹھاؤ۔ اس لیے کہ اسلام میں نہ ذات پات کی تقسیم ہے اور نہ نئے اور پرانے مسلمان کا کوئی جھگڑا ہے، تاتاریوں کی مثال سامنے ہے۔ یہ تبدیلی آج آجائے تب بھی اور دس بیس سال بعد آئے تب بھی یہ نظریہ کی جیت ہوگی، اللہ کے دین سے منہ موڑے ہوئے لوگوں کا واپس اسی دین میں آجانا ہوگا یہ کسی کی ہار اور کسی کی جیت نہیں ہوگی۔ آج مسلمان کمزور ہیں، کوئی بات نہیں سنتا ـــــ ان شاءاللہ پاکستان میں اسلام کے نظام کا نفاذ ہونے کی دیر ہے دنیا اس نظام کو دیکھ کر از خود مسلمان ہو جائے گی۔ اس لیے کہ ساری انسانیت پوری دنیا کے ممالک میں (G8 ممالک سمیت) عدل وانصاف، عزت وآبرو، کفالت عامہ، جان ومال کا تحفظ، شرم وحیا، عفت وعصمت وغیرہ کے لیے ترس رہی ہے۔ اگر سامنے کوئی مثال آجائے تو دنیا اس کو آگے بڑھ کر خود، اپنی متاعِ گم گشتہ سمجھ کر قبول کرے گی۔ علامہ اقبال کے فرزند ارجمند ڈاکٹر جاوید اقبال نے 1998ء میں طالبانِ افغانستان کی حکومت کا مطالعاتی دورہ کیا تھا اور وہاں امن ومان، جرائم کی کمی، عام خوشحالی اور عدل وانصاف وغیرہ کی کیفیات دیکھ کر انہوں نے کہا تھا کہ اگر طالبانِ افغانستان کی طرح ایک آدھ اور ملک بھی جمہوری انداز میں اسلام کا ایسا نمونہ دکھا دے تو باقی دنیا از خود مسلمان ہو جائے گی اور اسی میں ساری انسانیت کی بھلائی ہے اور یہی مفہوم ہے اس آیت کا کہ

وَ مَا اَرۡسَلۡنَاكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ (107:21)

اور (اے محمدؐ) ہم نے آپ کو تمام جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے

اللھم عجل لنا ھٰذا الساعۃ المبارکۃ۔ آمین

فکرِ اقبال میں اسلامی ریاست کا تصور

علامہ اقبال فرماتے ہیں:

❁ ''(ملّتِ اسلامیہ کی) وحدت پھر سے پیدا ہوگی تو اسی اصول کی بدولت جس پر اوّل اوّل اس کی اساس رکھی گئی، اور جس کا اظہار حیاتِ ملّی کی شکل میں ہوا۔ یہ بڑی غلطی ہوگی کہ ہم اس کے لیے کوئی دوسری اساس تلاش کریں، جیسا کہ ہمارے اربابِ سیاست کر رہے ہیں۔ ناممکن ہے کہ مسلمان اس طرح متحد ہوسکیں!۔ یورپ کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ لوتھر کی تحریک نے اہل مغرب کی وحدت پارہ پارہ کردی۔ یہاں اس سے بحث نہیں کہ عیسائیت یا عیسائیت کے علاوہ بعض اور عوامل بھی تھے جنھوں نے اتحادِ مغرب میں حصّہ لیا۔ بحث یہ ہے کہ یہ اتحاد جیسا بھی تھا ختم ہوگیا۔ اور اس کی بجائے نسلیّت اور وطنیّت نے سر نکالا۔ اقوام یورپ الگ الگ گروہوں میں بٹ گئیں۔'' (کتاب ''اقبال کے حضور''۔ حصہ اوّل۔ سید نذیر نیازی۔ صفحہ۔ ۱۵۔۳۱۴)

❁ ''جب تک کوئی قوم اپنے نصب العین پر قائم رہتی ہے، اپنی روایات کو زندہ رکھتی ہے، اور اپنے اصل اصول سے پیچھے نہیں ہٹتی، (تو) عوام بے رہرو نہیں ہونے پاتے، خواص ان کی رہنمائی کرتے ہیں۔ قوم کے وجودِ ملّی کو تقویت پہنچتی، اور ترقی اور کامرانی کی منزلوں میں باامید و اعتماد آگے بڑھتی (ہے) بلکہ دوسروں کو بھی اپنی جانب کھینچتی ہے۔'' (ایضاً صفحہ: ۳۹)

❁ ''ماضی سے تعلق قائم رہنا (بھی) ضروری ہے۔ قدامت پسندی، قوموں کی زندگی میں ایک تقویت بخش عنصر ہے۔ گو تنہا یہ عنصر کافی نہیں۔ قدامت پرستی سے کچھ مقصود ہے تو یہ کہ ہمارا ماضی محفوظ رہے (لیکن) آگے بڑھنا ہی (اصل) زندگی ہے۔'' (ایضاً، صفحہ۔ ۲۸۶)

❁ ''اسلام کی روح اجتماعی ہے۔ لہٰذا عالمِ اسلام کا زوال وانحطاط رُک سکتا ہے تو کسی ایسی تحریک سے رُک سکتا ہے جو اس پورے کل پر محیط ہو جسے ہم دین اسلام سے تعبیر کرتے ہیں''۔ (ایضاً۔ صفحہ۔ ۲۸۸) مرسلہ: رضی الدین سیّد

اسلامی ریاست کا قیام

یا

دین اسلام کا فروغ

سرمایہ داری اور سُودی معیشت

کے خاتمے کے بغیر

ممکن نہیں

ایں بنوک ، ایں فکرِ چالاک یہود
نورِ حق از سینۂ آدم ربود
تا تہ و بالا نہ گردد ایں نظام
دانش و تہذیب و دیں سودائے خام

(علامہ اقبالؒ)

علامہ اقبال اور احمدیت

علامہ اقبال، فتنۂ قادیانیت اور قادیان سے ظاہر ہونے والے جھوٹے نبی مرزا غلام احمد کے بارے میں کیا خیالات رکھتے تھے؟ یہ علامہ اقبال کے (اُس وقت کے ایک بڑے ہندو لیڈر) نہرو کے نام خط سے ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ خط عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت لندن کے شائع کردہ انگریزی کتابچے بعنون "ISLAM AND AHMADISM" سے نقل کر رہے ہیں، جو علامہ اقبال کی مرزا غلام احمد کی تعلیمات کے اسلام مخالف ہونے اور ایک 'نئے دین' (اکبر کے دین الٰہی کی طرح) کو پیش کرنے کی کوششوں پر ایک سچے مسلمان کے نقطۂ نظر کو ظاہر کرتا ہے۔

(ادارہ)

Ahmadis are Traitors
Both to Islam and to India.

(ALLAMA IQBAL'S LETTER TO
PANDIT JAWAHAR LAL NEHRO)

LAHORE
June 21. 1936

My dear Pandit Jawaharlal,

Thank you so much for your letter which I received yesterday. At the time I wrote in reply to your articles I believed that you had no idea of the political attitude of the Ahmadis. Indeed the main reason why I wrote a reply was to show, especially to you, how Muslim loyality had originated and how eventually it had found a deviational basis in Ahmadism. After the publications of my paper I discovered, to my great surprise, that even the educated Muslims had no idea of the historical causes which had shaped the teachings of Ahmadism. Moreover, your Muslim Admirers in the Punjab and elsewhere felt perturbed over your articles as they thought you were in sympathy with the Ahmadiyya movement. This was mainly due to the fact that the Ahmadis were jubilant over your articles. The Ahmadi Press was mainly responsible for the misunderstanding about you. However, I am glad to know that my impression was erroneous. I myself have little interest in theology, but had to dabble in it a bit in order to meet the Ahmadis on their own ground. I assure you that my paper was written with the best intentions for Islam and India. I have no

doubt in my mind that the Ahmadis are traitors both to Islam and to India.

I was extremely sorry to miss the opport unity of meeting you in Lahore. I was very ill in those days and could not leave my rooms. For the last two years. I have been living a life practically of retirement on account of continued illness. Do left me know when you come to the Punjab next. Did you receive my letter regarding your proposed Union for Civil Liberties? As you do not acknowledge it in your letter I fear if never reached you.

Yours sincerely
Muhammad Iqbal

The Iqbalities, in Pakistan have not published this letter in any collection of iqbal.s letters which speaks itself about the Ahmadis effects.

* * *

This letter has been copied from a book "A BUNCH OF OLD LETTERS" published by Asia publishing House, Bombay, Calcutta, New Delhi. Madras.

ہمارا نصب العین: اسلام کی سربلندی اور عقیدۂ ختم نبوت کا تحفظ
عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت
PUBLISHED BY:
Aalami Majlise Tahaffuz e Khatm e Nubuwwat
Cverseas Office : 35. STOCKWELL GREEN
LONDON sw 9 9hz U.K

فرمودۂ اقبال

مسلماں فقر و سلطانی بہم کرد
ضمیرش باقی و فانی بہم کرد
ولیکن الاماں از عصرِ حاضر
کہ سلطانی بہ شیطانی بہم کرد

ترجمہ

مسلمانوں نے درویشی اور سلطانی کو باہم جمع کیا ہے۔ان کے ضمیر نے روح اور جسد کو باہم ملایا ہے۔لیکن دورِ حاضر سے اللہ کی پناہ! کہ اس نے سلطانی اور شیطانی کو باہم جمع کر دیا ہے۔

ارمغانِ حجاز